

موعظۃ اللمستقین

مسلمانوں کے لیے ہدایت

بکواب

موعظۃ المسلمین۔۔ مولوی اشفاق سنبھلی ملتان

ونہابی دیوبندی



تالیف

شیر شریعت محمدیہ مہتاب طریقت ہمدانیہ
شیخ الاسلام حضرت ابو الفیض قلندر علی مہر دی

موعظۃ للْمُتَّقِینَ

مسلمانوں کے لیے پھر دینے



تالیف

شمس شریعت محمدیہ ماہتاب طریقت بہرِ مدنیہ
شیخ الاسلام حضرت ابوالفضل قلندر علی شہرودی قادری

موعظۃ للمتقين

مسلمانوں کے لیے ہدایت

فی جواب

موعظۃ المسلمین

تالیف

شمس الرحمن محمدیہ صاحب طبعیت ہمدانیہ
شیخ الاسلام حضرت ابوالفضل قلندر علی ہمدانی

۱۳۱۳ھ ————— ۱۳۴۴ھ

ناشر

مرکزی مجلس شہروردیہ (رجسٹرڈ) ہنجر وال، ملتان روڈ، لاہور

نام کتاب

موعظتہ للمتقين

ناشر

مرکزی مجلس سروردیہ

ہنجر وال ملتان روڈ لاہور

طابع

چودھری صادق علی سروردی

مطبوعہ

دوست ایسوسی ایشن

تعداد

500

اشاعت چہارم

مارچ 1994ء

قیمت

100 روپیہ

ملنے کا پتہ

چودھری صادق علی سروردی

ناظم مرکزی مجلس سروردیہ (رجسٹرڈ)

آستانہ عالیہ شیخ الاسلام حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سروردی قدس سرہ

ہنجر وال ملتان روڈ لاہور

327- جہاں زیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون: 440127

حاجی مختار علی سروردی

ریلوے کوارٹرز منگل پورہ لاہور

انتساب

کتاب ہذا ڈاکٹر محمد اسماعیل سروردی مرحوم دھرم پورہ والوں کی
مسلل خواہش اور ان کے مالی تعاون سے مرکزی مجلس سروردیہ ہنجر وال
نے شائع کی۔ اللہ پاک اس کا ثواب مرحوم کی روح مبارک کو
پہنچا دے۔ آمین ثم آمین

صادق علی سروردی

انتساب: عبدالرحمن سروردی

55- منگل پورہ گنج مغلوں

لاہور - 54840

جملہ حقوق محفوظ ہیں

صفحہ تعارف یا فہرست مضامین کتاب

موعظتہ للمتقین

۷	۱	قارئین کرام سے ایک ضروری گزارش
۹	۲	اختلاف عقائد اور اسلامیان ہند کے مناقشات
۲۱	۳	مولوی صاحب کی مجوزہ بدعت اور اس پر ایک حقیقت کشا نظر
۳۲	۴	کفنی لکھنے کا شرعی حکم
۳۸	۵	مسئلہ اسقاط
۵۳	۶	مسئلہ دعا بعد نماز جنازہ
۶۰	۷	طلب دعا کے لئے حکم الہی اور اس کی مختصر تشریح
۷۳	۸	پکی قبر اور اس پر گنبد بنانے کا حکم شرعی
۸۹	۹	تعزیت کیلئے اہل میت کے گھر جمع ہونا
	۱۰	میت کیلئے خاص دنوں اور خاص اشیاء سے ایصال ثواب کرنا
۹۸		اور جمع ہو کر قرآن شریف پڑھنا
۱۲۰	۱۱	مسئلہ تعظیم انبیاء و بزرگان دین و اہل قبور
۱۳۵	۱۲	مسئلہ جواز توسل و استعانت من اہل القبور و سماع موتی

قارئین کرام سے ایک ضروری التماس

حضرات! فقیر یہ گزارش کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ فی زمانہ ایک مسلمان کے لیے عقائد کا معاملہ جس قدر اہم ہے اسی قدر اس کی طرف سے عوام و خواص کو ذہول رہا ہے۔ دین و مذہب جن جن مصائب کے زلغے میں ہے اور اسلام کا گلشن عمل و عقیدت جس طرح پامال خزاں ہو رہا ہے اس سے کوئی سچا مسلمان بے خبر نہیں۔ اتباع ہوئے نفس کا دروازہ ایسا کھل گیا ہے کہ اپنے مذہب کے مقدس و مطہر اصولوں سے اکثر مسلمان ناواقف ہو کر قعر مذلت میں گرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں نئی تہذیب کے حامیوں میں تقلید۔ یورپ اور اتباع مشرکین کا اس قدر عام رجحان ہو گیا ہے کہ وہ عقائد صحیحہ اسلامیہ سے ہٹ کر صبح و شام ”خدا خدا نہ سہی رام رام کر لیں گے۔“ کی مالا جپتے رہتے ہیں پھر اس پر طرہ یہ کہ علماء سوء نے اس کھوٹے سونے پر سہاگے کا وہ کام کیا ہے کہ توبہ بھلی۔ ان کے تمام ترفوے کلمتہ الحق کی بجائے کوٹ چٹلون والوں کی ہمنوائی میں ایسا ریاکارانہ پہلو لیے ہوئے ہوتے ہیں کہ ایمانی جرات سے فرائض مذہبی کی ادائیگی اور بے ریاکی سے تبلیغ احکام الہی کرنا دشوار ترین ہو گیا ہے۔

لہذا محض ”حسبتہ“ ”لہ“ عوام کے فائدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت صوفی محمد عبداللہ صاحب نقشبندی نے یہ مفید علمی تحفہ طبع کرا کر مفت تقسیم کیا ہے۔ تاکہ مسائل شرعی سے ناواقف مسلمان اس سے نفع اٹھائیں اور

۱۳ مسئلہ بزرگان دین اور ان کی قبور کے علاوہ ان کی مستعملہ

۱۷۳

چیزوں کو وسیلہ حصول خیر و برکت سمجھنا

۱۸۲

۱۴ مسئلہ میلاد النبی علیہ السلام

۲۱۳

۱۵ قیام میلادی

۲۲۱

۲۱ مسئلہ علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۶۱

۱۷ مختصر عقائد دیوبندیہ

۲۸۵

۱۸ انتباہ

۲۸۷

۱۹ فہرست تصانیف حضرت ابوالفیض سرور دی

پرور نظارے چشم فلک تادیر گوارا نہ کر سکی اور سید المرسلین رحمۃ العالمین کے اس جہان سے تشریف لے جانے کے بعد امت محمدیہ نے اپنی اسلامی اخوت کی غیر متزلزل دیواروں کو اختلاف عقائد کی بے محل ضربوں سے صدمہ پہنچانے کی کوشش شروع کر دی۔ لیکن سبحان اللہ قرون اولیٰ کا اختلاف بھی کیا محبت آمیز اختلاف تھا۔ کہ نیک نیتی سے صداقت کی حمایت کرنا تو ہر متنفذ اپنا فرض تصور کرتا تھا۔ اور اختلاف رائے نے کبھی الجھاؤ کا وہ رنگ اختیار نہ کیا تھا۔ جو آج چودھویں صدی کے مسلمان کا امتیازی نشان بنا ہوا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کے سانحہ ارتحال کے بعد تھقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت کا حل۔ معاہدہ حدیبیہ کے وقت باوجود گری ہوئی شرطوں اور ناقابل قبول عہد نامہ کے اختلاف رائے ہوتے ہوئے صحابہ کرامؓ کا متحد ہو جانا۔ اسامہؓ بن زید کی قیادت میں بیت المقدس پر حملہ کرنے کو اولوا العزم صحابہؓ کا ماتحت ہونا پھر قائد بدلنے پر صحابہ کرامؓ کا بعد رحلت سرکار دو عالمؐ یہ سوال پیدا کرنا۔ کہ ابن زید کو ہٹا کر کوئی دوسرا تجربہ کار۔ نہرو آزما قائد معین کیا جائے۔ اور اس پر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا۔ کہ سرکار دو عالمؐ کے معین فرمودہ قائد کو ابن ابی قحافہ نہیں بدل سکتا۔ اور اس پر صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اختلاف کا رفع ہو کر سب کی گردنیں جھک جانا ایک وہ منظر ہے جس کی للہیت پرستی اور حق نوازی کو اغیار بھی مان گئے ہیں کیونکہ یہ اختلاف رائے مذہبی اور اجتماعی مسائل کو ذاتیات کا رنگ دے کر کنارہ کشی کبھی گوارا نہیں مگرتا تھا۔ اور نہ وہ کبھی تخریب اسلام کا باعث بنا۔

رفتہ رفتہ شرعی مگر فروعی مسائل کے اختلاف نے نہایت ہولناک صورت اختیار کر لی۔ اور وہ منحوس وقت آیا۔ جبکہ نفاق کے دیمک نے اہل اسلام کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کی عمارت کو کھا کر کھوکھلا کر دیا۔ اور نا اتفاقی کی لہریں امت مرحومہ کی کشتی کو (جو پہلے ہی سے بحر حوادث میں تھپیڑے کھا رہی تھی) ہلاکت آفرین طوفان کی شکل میں غرقابی کے درپے ہو گئیں۔ مقتضائے حال تو یہ تھا۔ کہ مسلمان واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا۔ کے ارشاد ایزدی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہدایت کے کسی امن یافتہ ساحل کی طرف رخ کرتے۔ مگر دائے بد بختی مسلم اور بد قسمتی مومن کہ اہل کشتی نے نت نیا جھگڑا پیدا کر کے اپنی ذلت و مسکنت اور جہلی کے خود ایسے سلمان پیدا کر لئے۔ کہ خدا کی پناہ حضرت حالی شاید ان ہی بے ذہب انسانوں کا رونا ان الفاظ میں رو گئے ہیں

یہی حال دنیا میں اس قوم کا ہے
 بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے
 کنارہ ہے دور اور طوفان بپا ہے
 گلیں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
 نہیں لیتے کھوٹ مگر اہل کشتی
 پڑے سوتے ہیں بے خبر اہل کشتی
 گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے
 فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے

نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے

چپ دراست سے یہ صدا آ رہی ہے

کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم

ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

پر اس قوم غافل کی غفلت وہی ہے

تنزل پہ اپنی قناعت وہی ہے

طے خاک میں پہ رعونت وہی ہے

ہوئی صبح اور خواب راحت وہی ہے

نہ افسوس انہیں اپنی ذلت پہ ہے کچھ

نہ رشک اور قوموں کی عزت پہ ہے کچھ

بہائم کی اور ان کی حالت ہے یکساں

کہ جس حال میں ہیں اسی میں ہیں شاداں

نہ ذلت سے نفرت نہ عزت کا ارواں

نہ دوزخ سے ترساں نہ جنت کے خواہاں

لیا عقل و دین سے نہ کچھ کام انہوں نے

کیا دین برحق کو بدنام انہوں نے

صد افسوس۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی اسلامیان ہند کی وہ مناقشت بھی ہے جو

سرور کائنات۔ فخر موجودات علیہ افضل التہنات و الصلوات کے مسئلہ علم

غیب، امکان کذب باری تعالیٰ۔ امکان نظیر رسول اللہ۔ استمداد اولیا اللہ۔

زیارت قبور۔ آمین بالجہود۔ رفع یدین۔ رفع سہاہ۔ دعائے بعد نمازہ جنازہ۔

ختم و درود۔ فاتحہ خوانی۔ اعراس۔ ختم چلم۔ دسواں۔ تیجہ متوفیان اہل اسلام

وغیرہ وغیرہ۔ مختلف مسائل شرعیہ کے بارے میں پیدا ہو گئی ہے۔ جو محض

علمائے سوء کی مہربانی ہے۔ جنہیں سوائے جلب منفعت ذاتی کے مذہب کا

قطعاً احساس نہیں۔ حالانکہ بنظر استہسان غور کرنے سے ہر طالب حقیقت پر

واضح ہو جاتا ہے۔ کہ یہ تمام چھیڑ خانی چند غلط فہمیوں کی بنا پر (جس کی ابتداء

ہمیشہ علمائے دیوبندیہ کی طرف سے ہوئی پائی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ مسائل ایسے

نہیں ہیں۔ جو علمائے ربانی کی موجودگی میں مسلمانوں کے لئے ایک عقدہ الاشخل

بن کر اسلامی افتراق کی خلیج کو وسیع کرنے میں معین و مدد ہو سکتے۔ فقیر نے

علمائے دیوبند اور علمائے بریلی کے عقائد کو اچھی طرح وزن کیا ہے بحیثیت

سراج اللامت سیدنا امام الائمہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد اور حنفی

حنیفی اہل سنت و الجماعت ہونے کے بست کم مسائل میں کچھ غیر معمولی

فروعی اختلافات رکھتے ہیں۔ جو علماء ربانی کی ایک متحدہ نظر کرم سے دور ہو

سکتے ہیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ دیوبندی مشین کے بعض وہ ردی پرزے جو

محض لوگوں کی رگڑ سے اپنے پیٹ کی جلا چاہتے ہیں۔ اور غیر مقلدین سے بھی

ریاکاری کے توحید پرست بن کر ان کی بد اعتقادی کا جوا اپنی گردن میں ڈال

لیتے ہیں۔ تاکہ ان سے بھی خراج تحسین ملتا رہے۔ اور مال ہتیا جاسکے۔

عوام کو چین سے صحیح عقیدہ پر زندگی نہیں گزارنے دیتے۔ مردہ جنت میں

جائے یا جہنم میں ان کو اپنے حلوے مانڈے سے غرض ہے۔

اسی ذہنیت کی ایک مریض القلب اور خود پسند ہستی کوئی مولوی اشفاق

علی صاحب سنبھلی ملتان ہیں۔ جنہوں نے حال ہی میں اپنے سلسلہ اشاعت نمبر

۶ کے ماتحت ایک ٹریکٹ موسومہ بہ مواظف (المسلمین فی مراسم المرتعین) شائع کیا ہے۔ جس میں انہوں نے اپنے آپ کو اہل سنت و الجماعت ذکر کرتے ہوئے۔ حنفی نماز و ہابی ہونے کا ثبوت دے کر اہل اسلام کے لیے موت کے بعد کے وہ اعمال سوالاً "جواباً" درج کتاب کئے ہیں۔ جن میں بعض پر تو جماعت احناف کا عمل ہے اور بفضلہ تعالیٰ جن کے کرنے میں وہ اسوہ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دستور العمل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ تابعین۔ تبع تابعین سے مکمل و مدلل ثبوت رکھتے ہیں اور ایسا کرنے میں وہ حق بجانب و حق پرست بھی ہیں۔ مگر بعض محض عوام کو بہکانے کے لیے من گھڑت طور پر جماعت احناف کے ذمہ چسپاں کر دیئے ہیں۔ جو ایک عالم کی شان کے شایان نہیں۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ انصاف و علم اور تہذیب و اخلاق سے پہلو تہی کر کے غصہ ناری میں علمائے احناف پر ان سو قیانہ الفاظ میں گرجے اور برسے ہیں کہ خدا کی پناہ بازاری ہشیاریاں بھی علماء کی شان میں ایسی دریدہ دہنی سے کام نہ لیں گی۔ یعنی عام جماعت احناف اور علمائے احناف کو جن مہذبانہ اور متشرعانہ الفاظ میں یاد کیا گیا ہے مندرجہ ذیل ہیں۔ جن کو بالکل معمولی اخلاق کا آدمی بھی پڑھ کر اندازہ لگا سکتا ہے کہ مولوی صاحب اپنی اخلاقی کمزوری میں کہاں تک ترقی کر چکے ہیں۔ مثلاً

لکھتے ہیں۔ بدعتی۔ اہل بدعات۔ جملائے رسومات۔ نیم ملائوں۔ نام کے مولوی۔ پیشوائی کے مدعی۔ علمائے حقانی کو غیر مقلد کہنے والے۔ فقہ حنفیہ کے مخالف۔ نفس پرست۔ غیر مقلد۔ بے ایمان۔ بد دیانت۔ بے دین غیر

مشرودہ رسومات کے حامل۔ کور دماغ۔ علم فقہ سے جاہل۔ حدیث سے بے خبر۔ نفس پرست۔ برساتی اندھے۔ علم سے کورے۔ فہم و راست سے عاری۔ ہٹ دھرم۔ بدعات سے بھرپور۔۔۔ تلبیس ابلیس کرنے والے۔ عقل کے دشمن۔ ضلالت کے شکار۔ بے علم و سوء فہم۔ محروم العقل۔ دھوکے باز۔ سنت سے دور اور بدعت سے قریب۔ قابو چیانہ چال چلنے والے جھوٹے ہندگان نفس و ہوس۔ خبث باطن رکھنے والے۔ بدحواس۔ ابو جہل۔ محروم و نابلد۔ مسلمانوں کو بہکانے والے۔ احمق۔ شیطنیت کے حامل۔ کٹ حجت بد باطن بے جا دلیل باز۔ غیر اللہ کی دوبائی دینے والے۔ منافق۔ سینہ زور۔ مردہ عقل۔ مخرب ایمان۔ رسومات کے پجاری۔ پیشہ ور وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہے مولوی صاحب کی اخلاقی حیثیت اور علمی قابلیت جس کے بل بوتے پر یوں حد سے گذر رہے ہیں۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ ان کو اپنی بساط علمی کے مطابق عوام کو تبلیغ کا حق حاصل ہے۔ اور وہ شوق سے کریں۔ مگر یہ کیا کہ انسان کھسیانی ملی کھبیا نوچے کا مصداق تہذیب کے دائرہ سے باہر نکل کر اس قدر بے قابو ہو جائے کہ اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بھول جائے۔ یہ طریقہ تبلیغ تو سرکار رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے غلاموں نے کبھی بھی اختیار نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ تو خلق عظیم کے حامل تھے مولوی صاحب کو غور و فکر سے تبلیغ کرنا چاہیے۔ ورنہ ہر ایک منہ میں زبان رکھتا ہے۔ تہذیب و اخلاق سے گری ہوئی گفتگو اہل علم کے لیے کوئی خوبی کی بات نہیں۔ دل تو چاہتا ہے کہ ایک ایک ناپاک لفظ کی بجائے (جو آپ نے علمائے ربانی کی شان میں استعمال کئے ہیں) سینکڑوں سے جواب لکھوں مگر واناؤں کا مقولہ یاد آتا

ہے۔ کہ کوئی دیوانہ اگر گالی دے تو عقلمند اس کو گالی نہیں دیا کرتے۔ سرکار مدینہ کا خلق سامنے رکھنا لازم ہوتا ہے۔

مولوی جی نے جہاں اپنے کو ایک عالم دین تصور کرتے ہوئے کتاب کے آخری صفحہ پر اپنے القابات کا تانا باندا دیا ہے۔ کاش کہ وہاں یہ بھی خیال فرما لیتے کہ آخر میری کتاب کے مخاطب صرف عوام کا الانعام ہی نہیں بلکہ علمائے کرام کی بھی ایک جماعت ہے۔ اپنی تو یہ تعریف کہ آپ اپنے منہ سے سید بھی ہیں۔ ہاشمی بھی ہیں۔ مولوی فاضل بھی ہیں۔ فاضل دیوبند بھی ہیں خطیب الجامع بھی ہیں۔ صدر مدرس بھی ہیں۔ مفتی بھی ہیں۔ اور صدر انجمن بھی ہیں۔ اور خدا جانے ابھی انہوں نے کس نفسی سے کام لے کر کئی عمدے نہ بھی ذکر کئے ہوں۔ مگر بندگان خدا سے یہ برتاؤ۔ کیا اتنی قابلیت کا انسان یوں قلم و زبان کو جنبش دے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ میں یہاں مولوی جی کو اخلاق سکھانے کے لیے اتنا ضرور کہوں گا۔ کہ یا تو مولوی جی ان اوصاف کے اہل نہیں جو قلم میں یوں گندہ روانی پائی جاتی ہے۔ اور اگر واقعی فاضل ہیں تو اس فاضل کا مادہ فضول سے ہو گا۔ فضل سے نہیں۔ اور صدارت بھی آپ کی محض صدر بازار کی رہائش کی وجہ سے ہے۔ ورنہ یہ اخلاق اور مومنین کے صدر جماعت لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

فقیر کو رب العزت توفیق عطا فرمائے۔ کہ دریدہ دہنی میں آپ کی مطابقت نہ کرتے ہوئے اور زبان و قلم سے کوئی ایسا لفظ نہ نکالتے ہوئے آپ کی معترضانہ باتوں کا وہ جواب عرض کرے۔ جس سے مخالفین اسلام کو ہنسنے کا موقعہ بھی نہ ملے۔ اور اہل اسلام کے سامنے حق حق اور باطل باطل

نظر آجائے۔ اس وقت یہ ذکر کر دینا بھی نامناسب نہ ہو گا کہ اس مختصر کتاب میں ان باتوں کے متعلق لکھا گیا ہے جو مولوی صاحب کے نزدیک اہمیت رکھتی تھی اس سے یہ اندازہ نہ لگا لیا جائے کہ ان کی باقی باتوں سے ہم کو اتفاق ہے خدا نیکی اور نیک عمل کی توفیق عطا کرے۔ تو یہی چند مسائل ہدایت کے لیے کافی ہیں اس کتاب کا مقصد نہ کسی پر حملہ کرنا نہ کسی کو گالی دینا نہ پیڑی اچھالنا اور نہ بحث و مباحثہ کی دعوت دینا ہے۔ لہذا حق پرست حق قبول کرے گا اور معاندین و مخالفین اپنی فطرت پر متحرک ہوں گے۔

ایسے ہی علمائے مریض القلب کے لئے میرے ایک محترم بزرگ نے ایک نظم لکھی ہے۔ جس میں بہت مختصر مگر جامع الفاظ میں حالات حاضرہ کا نقشہ اور ایسے لوگوں کی بدعقیدگی کا خاکہ کھینچا ہے۔ جن کے علم و عمل میں ساری اگلی پچھلی دنیا مشرک ہے۔ میرے محترم بزرگ نے سرکار مدینہ نبی الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں منظوم التجا کی ہے۔ جو قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں درج کر دینا کتاب کی زینت اور لوگوں کی ہدایت کا باعث سمجھتا ہوں۔ وہ نظم حضرت مولانا مولوی حاجی حکیم صوفی خادم علی صاحب قبلہ کوٹلوی مدظلہ کی ہے ملاحظہ ہونے۔

اللہ ذرا گنبد خضرا کے کیمیں دیکھ

برباد فسادوں سے ہے سب روئے زمیں دیکھ

کیا حال ہے اب دین کا اے صاحب دیں دیکھ

بز تیرے کوئی اس کا سہارا ہی نہیں دیکھ

جو چارہ تھا بیچاروں کا بیچارا ہوا دیکھ
وہ دین مقدس تیرا صد پارہ ہوا دیکھ

ہر گھر میں نیا دین ہے مذہب بھی نیا ہے
دیکھیں جسے وہ مجتہد عصر بنا ہے
قبلے کے تعین میں بھی خطرہ سا پڑا ہے

لڑے میں اسی واسطے ہر قبلہ نما ہے
ہم لوگوں پہ آفت سی کوئی ٹوٹ پڑی ہے
ایکے کے ارادوں میں بھی اب پھوٹ پڑی ہے

ہیا ہے مساجد میں اماموں کا تقاضا
اک کھیل نمازیں ہیں عبادت ہے تماشا

ہر اک نے طریقہ ہے نیا اپنا نکالا
اور آڑ میں مذہب کی لگا بیٹھے ہیں پسندا
کہتا ہے انہیں کون کہ کچھ کام کریں گے
ہاں آپ کے اسلام کو بدنام کریں گے

اس قوم نے اس لعل گراں مایہ کو توڑا
تھا خون جگر سے جسے سادات نے جوڑا
منہ دیکھ کے شجار نے ٹوٹا ہوا۔ موڑا

بیگانوں کی صورت اسے اپنوں نے بھی چھوڑا

دنیا میں وہ پہلا سا نہ اسلام ہے باقی
باقی ہے اگر آج تو اک نام ہے باقی

پابندی صلوات و صیام اب نہیں باقی

تیز حلال اور حرام اب نہیں باقی

وہ سلسلہ حسن نظام اب نہیں باقی

پہلی سی حمیت اسلام اب نہیں باقی

ہر چیز نگل جاتے ہیں یا جوج کی صورت

اک پاؤں کے تل چلتے ہیں مفلوج کی صورت

ظاہر میں تو ہیں قائل توحید و رسالت

باطن میں مگر آپ سے ہے ان کو عداوت

پاتے ہیں وہ نیکیوں کی عداوت میں خلاوت

ہے شکوہ کسی کا تو کسی کی ہے شکایت

اخلاص و محبت سے کوئی کام نہیں ہے

معلوم انہیں پھوٹ کا انجام نہیں ہے

وہ آپ کو کہتے ہیں بلانا بھی گناہ ہے

اور قصہ مصیبت کا سنانا بھی گناہ ہے

اور آپ کے دربار میں جانا بھی گناہ ہے

اور آپ کا میلاد پڑھانا بھی گناہ ہے

یا۔ کہنے سے کیوں منع یہ بیداد نہ کر دیں

ڈرتے ہیں کہ ہم آپ سے فریاد نہ کر دیں

آہ گرتوں کو تو تھام کے پھر آج بٹھا دے

تکبیر کے نعرے سے زمانے کو جگا دے

اس آتش افسردہ کو اک پھونک لگا دے
جو اس پہ پڑے ہیں خس و خاشاک۔ جلاوے

خادم پہ عنایت کی اگر ایک نظر ہو
اک آن میں آباد یہ اجڑا ہوا گھر ہو

مولوی صاحب کی مجوزہ بدعت اور اس پر ایک حقیقت کشا نظر

مولوی جی نے اپنے زعم میں حنفیت کے پردہ میں وہابیت کی اشاعت کرتے ہوئے بدعت پر تبصرہ فرمایا ہے کہ ہر نئی بات بدعت و گمراہی ہے۔ اور ہر گمراہی کا نتیجہ دوزخ ہے۔ اور ان الفاظ کو سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے اپنی محققانہ شان کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ ان الفاظ میں اس مقام پر کوئی حدیث نہیں نقل فرمائی گئی۔ خیر اس کے ذمہ دار مولوی صاحب خود ہیں۔ مجھے ان کی بدعت مجوزہ کی اس تعریف پر اظہار خیال کرنا ہے۔ کہ مولوی جی بدعت کے مفہوم کو کیا سمجھے ہیں۔ اور متقدمین کے نزدیک وہ کیا ہے۔ اگر کل بدعتہ ضلالتہ و کل ضلالتہ فی النار سے متقدمین بھی واقف تھے۔ اور یقیناً تھے۔ تو پھر انہوں نے بدعت کے سمجھا۔ اور بے شمار نئی باتوں کو انہوں نے عمل کے لیے کس عقیدہ کے ماتحت جگہ دی۔ جن کو فقیر آگے چل کر ذکر کرے گا۔ خدا کرے۔ کہ ہر نئی بات بدعت و گمراہی کے قول کو مولوی صاحب سمجھ جائیں۔ اور موجودہ حنفیوں کے ساتھ ذاتی عداوت کی بنا پر تمام متقدمین کو نعوذ باللہ گمراہ نہ خیال فرمائیں۔ یہ ایک وہ نفسانی فریب ہے جس میں اعمال کے ضائع ہو جانے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔

سنئے بدعت شرعی وہ محدث فی الدین ہے جو قرآن و حدیث و آثار صحابہ و اجماع کے خلاف ہو۔ اور جو خلاف نہ ہو۔ وہ بدعت شرعی نہیں۔ در مختار میں ہے۔ ہی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول۔ یعنی بدعت اس اعتقاد کو کہتے ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معروف سے خلاف ہو۔ نور الاصلاح میں ہے۔ ما احدث علی خلاف النطق المتلقى عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ۔ بدعت وہ نئی چیز ہے۔ جو اس حق کے خلاف ہو۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ فتح الباری جز ۸ ص ۳۱۶ میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بدعت کے متعلق اپنی تحقیق ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ بدعت شرعی وہ ہے۔ جو مقابل سنت ہو۔ اگر کسی مستحسن شرعی کے ماتحت آ سکے تو مستحسن ہے۔ اگر قبیح شرعی کے تحت میں آئے۔ تو قبیح ہے۔ اگر دونوں کے تحت میں نہ آ سکے تو مباح ہے۔ اس کی اصل عربی عبارت ملاحظہ ہو۔ تطلق فی الشرع فی مقابل السنۃ فتكون مذمومة، والتحقیق انها ان كانت مما تدرج تحت مستحسن فی الشرع فهي حسنة وان كانت مما تدرج تحت مستقبح فی الشرع فهي مستقبحه والا فهي من قسم المباح۔ پھر ص ۳۸۸ ج ۳ میں فرماتے ہیں۔ کہ مبتدع وہ شخص ہے۔ من المتقدمین بما یخالف اهل السنۃ والجماعۃ۔ جو اہلسنت والجماعت کے خلاف اعتقاد رکھے۔ علامہ شامی در المختار جلد اول ص ۴۳ میں فرماتے ہیں۔ کل من ابتدع شیئا "من الخیر کان لہ مثل اجر کل من عمل بہ الی یوم القیامۃ۔ یعنی جو شخص کوئی نیک کام۔ نیا نکالے۔ قیامت تک جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان سب کے اجر کے برابر اس

نکالنے والے کو اجر ملے گا۔ اور امام نووی نے بھی شرح صحیح مسلم جلد ۲ ص ۶۰ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ عزیزی شرح جامع صغیر سیوطی جلد ۲ صفحہ ۵۱ میں لکھا ہے۔ ہی ما خالفت قانون الشریع۔ کہ بدعت وہ ہے۔ جو قانون شرع کے مخالف ہو۔ پھر علامہ شامی بدعت کے اقسام میں ایک قسم مندوبہ لکھتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ ومندوبۃ کا احداث نحرور باطو و مدرستہ و کل احسان لم یکن فی الصدر الاول ص ۴۱۳ ج ۱۔ یعنی نئی چیز مستحب وہ ہے جیسے سرائے بنانا اور مدرسہ اور ہر وہ نیک چیز جو کہ زمانہ اول میں نہ ہو اس کا احداث مستحب ہے۔

حجتہ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم جلد اول ص ۱۹۲ میں فرماتے ہیں۔ کم من محدث حسن یعنی بہت نئی چیزیں اچھی ہوتی ہیں پھر آگے فرماتے ہیں۔ انما البدعتۃ المذمومۃ ما یصادم السنۃ القدیمۃ ویکادیقضی الی تغیرھا۔ ترجمہ۔ بری بدعت وہ ہے۔ جو سنت قدیمہ کے خلاف اور اس کی مغیر ہو۔ پھر جلد ۲ ص ۲۲۳ میں فرماتے ہیں۔ وقول القائل ان ذالک بدعتہ لم یکن فی الصحابۃ فلیس کل ما یحکم باہا حتم منقولا عن الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم انما المحذور بدعتہ تراغم سنۃ ما موروا بہا۔ اور ایسا ہی ص ۲۴۷ ج ۲ میں بھی ہے۔ یعنی یہ کہنا۔ کہ یہ بات بدعت ہے۔ اس لئے کہ صحابہ میں نہ تھی۔ (صحیح نہیں) کیونکہ کل مباحات صحابہ سے منقول نہیں ہیں بدعت وہ ہے۔ جو سنت کے مخالف ہو۔ اور جس امر کی ممانعت شرع میں وارد نہیں ہوئی۔ اس کو بدعت یا مکروہ کہنا لائق نہیں اسی طرح نواب قطب الدین مظاہر حق میں اور شیخ عبدالحق محدث

مولوی رحمہما اللہ اشعتہ اللمعات میں اور شاہ عبدالعزیز تفسیر فتح العزیز میں لکھ گئے ہیں۔

علامہ اسماعیل حنفی تفسیر روح البیان جلد ۴ ص ۱۷ میں تحریر فرماتے ہیں۔ البدعتہ ہی الفعلۃ المخرعۃ فی الدین علی خلاف ما کان علیہ النبی علیہ السلام کہ بدعت وہ فعل ہے جو دین میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف پیدا کیا گیا ہو۔ پھر اسی جلد کے ص ۲۵۷ میں لکھتے ہیں۔ جمیع ما ابتدعہ العلماء والعارفون معالہ تصریح الشریعۃ بالامر بہ لا یکون بدعتہ الا ان خالف صریح السنۃ فان لم یخالفها فهو محمود۔ یعنی وہ سب کام جن کو علماء اور عارفین نے نکالا ہے۔ جن کے امر کی شریعت میں تصریح نہیں۔ وہ بدعت نہیں۔ البتہ وہ بدعت ہے۔ جو صریح سنت کے خلاف ہو۔ اگر خلاف نہ ہو۔ تو اچھا ہے۔

علامہ تفتازانی شرح مقاصد جلد ثانی ص ۲۷ میں فرماتے ہیں۔ ومن العجلۃ من یجعل کل امر لم یکن فی زمن الصحابہ بدعتہ مذمومۃ وان لم یقم دلیل علی قباحتہ الاخر ترجمہ: بعض جاہل ہر اس امر کو جو زمانہ صحابہ میں نہ ہو۔ بدعت مذمومہ کہتے ہیں۔ اگرچہ اس کے حج میں کوئی دلیل نہ ہو۔

کیوں جی مولوی صاحب! بدعت کا مفہوم سمجھ میں آیا یا نہیں کہ وہ کیا ہے۔ اور کسے کہتے ہیں۔ صاحب درمختار کے قول سے لے کر علامہ تفتازانی کے ارشاد تک اس تمام بحث و تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا۔ کہ ان کی تحقیق کے مطابق ہر نئے کام کو بدعت نہیں کہتے۔ بلکہ بدعت کا مفہوم شرع شریف

میں ہر اس نئے کام یا قول یا اعتقاد سے ہے۔ جو قرآن کریم یا حدیث شریف ماننے آثار صحابہ یا اجماع امت کے خلاف ہو۔ بقول صاحب درمختار جو کام قوم یا اعتقاد معروف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو۔ بدعت نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجر نے سنت کے مقابلہ میں مخالفت کرنے والے قول و فعل یا اعتقاد کو بدعت فرمایا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا ہے۔ کہ اہل سنت و الجماعت کے خلاف اعتقاد رکھنے والا (دہابی۔ نجدی۔ دیوبندی۔ شیعہ۔ مرزائی۔ چکڑالوی۔ خارجی) غرضیکہ تمام غیر اہل سنت فرقے سب بدعتی ہیں۔ صرف ایک اہل سنت والجماعت بدعت سے الگ ہیں۔ اور علامہ شامی نے تو نہایت بہترین طریق پر اس قول کی (کہ ہر ایک نیا کام بدعت ہے) تردید فرما کر مسئلہ صاف کر دیا ہے۔ کہ جو شخص کوئی نیک نیا کام نکالے۔ قیامت تک اس پر عمل کرنے والوں کے ثواب کے برابر اس کو بھی مولا کریم ثواب عطا فرمائے گا۔ بلکہ اس کا احداث اپنے مستحسن ہونے کی وجہ سے مستحب امر ہے۔ گو زمانہ اول میں نہ ہو۔ مگر یہاں مولوی صاحب بدعت کی فکر میں اس قدر گھلے جاتے ہیں۔ کہ نہ متقدمین کی تحقیق کا خیال اور نہ اپنی بے راہ روی کا ڈر۔ بے تحاشہ قلم اٹھائے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ بدعت شرعی ہمیشہ مردود و سینہ ہوتی ہے۔ اس کو حسنہ سمجھنا شیطانی فریب و دھوکا ہو گا۔ اور حوالہ دیا حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات کا جن کے نزدیک ذکر جبر۔ تصور شیخ۔ استدراک عن الغیور۔ علم غیب۔ اتباع بیہ۔ استدراک من اہل القبور۔ زیارت روضہ نبی علیہ السلام اور یا شیخ کا وظیفہ اور حضور کو حاضر و ناظر سمجھنا۔ سب جائز و ثواب ہیں۔ اگر مولوی صاحب کے سامنے ان کی زندگی اور

ان کے تمام اعمال پیش کئے جائیں۔ تو یقیناً بے ہوشی طاری ہو جائے۔ اور سوائے چند مطلب کے مسائل کے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تمام اعمال و اقوال۔ کا کبھی اتباع کرنے کو تیار نہ ہوں۔ واہ کیا ہے شان آپ کی مسلمانی کی۔

اور حجتہ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ نے تو اس قریب میں جلتا ہونے والوں کو بالکل ہی متنبہ کر کے اس وہم کو قطعاً دور کر دیا ہے۔ کہ بدعت سنت قدیمہ کے خلاف اور مغیر کا نام ہے۔ اور محض تبلیغ دہابیت و نجدیت کے ماتحت یہ بڑبانک دینا کہ فلاں بات بدعت ہے۔ اس لئے کہ زمانہ صحابہ میں نہ تھی۔ صحیح نہیں۔ کیونکہ کلی مباحات صحابہ سے منقول نہیں۔ (نہ عدم نقل عدم وقوع کو مستلزم ہو سکتا ہے۔ یعنی کسی چیز کا ہم تک بذریعہ نقل نہ پہنچنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس کا وقوع بھی نہیں ہوا۔ مثلاً" کوئی حادثہ کسی مقام پر ہوا ہے لیکن اس کی خبر ہم تک نہیں پہنچی۔ تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں اس حادثہ کی خبر نہیں۔ مگر یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ چونکہ ہمیں خبر نہیں لہذا وہ حادثہ ہوا ہی نہیں۔ مثلاً" ایک فعل ایسا ہے جس کی ممانعت قرآن و حدیث میں نہیں اور ہمیں معلوم نہیں ہوا۔ کہ یہ کام حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا ہے یا نہیں۔ تو ہمیں اس کے نہ ہونے کا علم ہے نہ ہونے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ فی الواقع وہ کام اس زمانہ میں نہیں ہوا ممکن ہے۔ ہوا ہو۔ اور ہمیں اس کی نقل نہ پہنچی ہو تو بہ ارشاد حجتہ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ بدعت وہ ہوگی جو سنت کے مخالف ہو۔ اور جس امر کی ممانعت شرع شریف میں وارد نہیں ہوئی اس کو بدعت یا مکروہ کہنا لائق نہیں۔

کیا مولوی صاحب کے استدلال کے خلاف جا کر ان باتوں کو بدعت نہ ماننے سے بقول مولوی صاحب موجودہ بدعتی حنفیوں کی طرح یہ تمام متقدمین اور حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ جن کا عقیدہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ نعوذ باللہ بدعتی ہیں۔ اگر ان پر بھی یہی فتویٰ ہے تو مولوی صاحب اپنے دماغ کا علاج کرائیں۔ کیونکہ ان کی تحقیق کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔ اس پر حضرت علامہ اسماعیل حنفی کا یہ ارشاد بدعت کے مطلب میں کس قدر واضح ہے۔ کہ دین میں جو فعل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف پیدا کیا گیا ہو۔ وہ بدعت ہے۔ اور جو کام علماء و عارفین نے نکالے ہیں جن کے متعلق شریعت میں کوئی تشریح موجود نہیں وہ بدعت نہیں یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور نواب قطب الدین مرحوم کا فتویٰ ہے۔ اور اگر ہر نئی چیز بدعت ہے تو مولوی صاحب سرایا بدعت۔ آپ کا مطبوعہ کتب خانہ بدعت پریس میں چھپے ہوئے اعراب دار قرآن کریم کی تلاوت بدعت مطبوعہ کتب حدیث بدعت۔ کتب نحو و صرف بدعت۔ تقلید۔ شخصی بدعت۔ آلہ جمہور الصوت بمعنی لاؤڈ سپیکر سے نمازوں میں مسکبوروں کا کام لینا بدعت۔ ریکارڈوں اور گراموفونوں میں قرآن کریم کا بھروانا و عظوں کا درج کرنا۔ لڑائیوں کا دینا۔ اور سننا بدعت۔ ریڈیو پر تقریریں اور ان کا سننا بدعت اور ریڈیو کا جینز میں لڑکیوں کو دینا بدعت۔ اور چلکی۔ مصلے اور تین کپڑوں کے علاوہ جینز میں رسموں کی پابندی بدعت۔ بازو پر یا جیب میں گھڑیوں کا رکھنا بدعت۔ ریل ہوائی جہاز موٹر سائیکل وغیرہ وغیرہ کی بیع اور شرا اور سواری بدعت۔ پان اور کتھے چوڑے کا کھانا بغیر ضرورت شرعی بدعت۔

دیوبند کا مدرسہ اور سندیں اور دستار فضیلت کی تقسیم بدعت کفار سے غلامانہ ذہنیت کے ماتحت اتحاد بدعت کا ٹکرس کا وجود بدعت غرضیکہ کئی زندگیوں کو نئے اسباب کے ماتحت گزارنے کے لئے کس کس چیز پر بدعت کا فتوے لگایا جائے اگر مولوی صاحب ان کی بے جا تاویلیں کر سکتے ہیں۔ تو میت کے پاس تلاوت قرآن۔ اور بوقت موت منادی کرانے و کورے گھرے غسل کے لئے میا کرنے بعد نماز جنازہ دعا مانگنے سورہ فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب کرانے اور مال صدقہ و خیرات و اسقاط کو ایک دوسرے کی ملک کرنے۔ قبرستان جاتے ہوئے ذکر الہی پکارنے۔ قبر کو پختہ اور بلند بنوانے۔ میت کے گھر پر جمع ہو کر میت کے پس ماندگان کی دلجوئی کرنے ختم۔ تیجہ۔ ساتواں۔ چلم کے ایام مقرر کرنے وغیرہ وغیرہ کے جواز میں بھی دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اور یہ تمام افعال مندوب ثابت ہو جائیں گے۔ انشاء اللہ جس کو آگے ذکر کیا جائے گا۔ انسان میں خوف خدا ہو اور ہٹ دھرمی یا تعصب کام نہ کرے۔ تو حق اور باطل باطل نظر آ جاتا ہے۔ ان عام مسائل پر نکریں مار کر لوگوں کو بھگانے سے آپ مجاہد نہیں ہو سکتے۔ جن کی اصل کے قریباً تمام کے تمام ہی متقدمین قائل ہیں۔ مگر یہاں بڑی مصیبت تو مطلب پرستی کی ہے۔ اتباع سنت کا کسے فکر۔ اور یہ ظلمت یہاں تک بڑھ گئی کہ مولوی صاحب خود سنت و بدعت میں فرق نہیں رکھتے۔ اسی طرح کا ایک مطلب پرست اور برائے نام قبیح سنت چوہدری کریم بخش ہوا ہے۔ جس نے اپنے خالہ زاد بھائی نبی بخش کے ہاں لڑکے کی منگنی کی۔ جب شادی کا موقعہ آیا۔ اور آپ نے شادی میں تمام رسومات جائز و ناجائز کو جن پر کچھ رقیں خرچ ہو سکتی تھیں۔ ناجائز ٹھہرا دیا۔

اور نبی بخش سے کہہ کہ میں نکاح مسنون کروں گا۔ اس نے کہہ۔ بسم اللہ چشم مارو سن دل ماشاء۔ اتباع سنت سے بڑھ کر اور کون سی نیک بختی ہے چنانچہ نکاح کی تاریخ معین ہوئی (جس کے تعین کو آج دیوبندی ملاں باتیلت میں ناجائز قرار دیتے ہیں) اور چوہدری کریم بخش مع صاحبزادہ کے سدھیانے میں آوہمکے۔ چوہدری نبی بخش صاحب نے بھی سنت پر عمل پیرا ہو کر لڑکی کا نکاح کر دیا۔ اور بعد ازاں مسنون کھانا۔ ابلہا ہوا کدو اور ان چھنے پے ہوئے جو کے آٹے کی روٹیاں اور ساتھ ہی کھجوریں براتیوں کے سامنے (جس میں چوہدری کریم بخش کے علاوہ بڑے بڑے رئیس اور خان بہادر شامل تھے) پیش کر دیں۔ پھر کیا تھا۔ مسنون کھانا دیکھ کر سب کے حلق سوکھ گئے۔ نہ ہاتھ آگے نہ ہاتھ پیچھے چوہدری کریم بخش پر بخوبی مصعوقی کا ایسا احساس سوار ہوا کہ چوہدری اور سنت کی سب تابعداری بھول گئی گئے غش آنے۔ سدھی نبی بخش کو پوچھا کہ یہ کیا کیلہ اس نے کہہ۔ سنت ادا کی ہے۔ اگر کوئی ناجائز کام ہوا ہو۔ تو معافی دیجئے اب خوکرہ راعلا بے نیست۔ بے حد پریشان ہیں۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ آخر بولے تو کہنے لگے کہ تو نے اتنے بڑے آدمیوں میں میری ناک کٹ دی ہے۔ اس نے کہا سنت کی تابعداری میں کتنی ہے۔ تو اس کم بخت کو کٹنے دو۔ اور اپنے خدام کو کہہ کہ یہ برتن اٹھاؤ۔ اور دوسرا کھانا جسے یہ لوگ خلاف سنت کہہ کر خوشی سے کھاتے ہیں۔ ان کے سامنے لے آؤ۔ تاکہ یہ سنت کے مدعی خوش ہو جائیں۔ پھر پلاؤ۔ قورمہ۔ زردہ۔ چٹنی۔ نان۔ کوفتہ۔ فنی۔ جب آگئی تو کریم بخش کی باچھیں کھلیں مگر ندامت سے سر نہ اٹھا سکا۔ نبی بخش کہنے لگا کہ آئندہ سنت کے مطابق عمل کرنے کے بہانہ سے خرچ میں تخفیف کرنے کے لئے شادی کا اہتمام نہ کیا کرنا۔ یہ اتباع سنت نہیں بلکہ سراسر نفس پروری اور مطلب پرستی ہے۔

اسی طرح سنت رسول علیہ السلام کا دعوے اتباع آج سینکڑوں نام نہاد موجدوں کو ہے لیکن شکم پروری میں بنے جاتے ہیں۔

ہم فضلہ تعالیٰ یہ آپ پر واضح کر دیں گے۔ کہ آپ کے تمام اقوال اور اپنے مطلب کے حوالہ جات جو کتاب مراسم المرتعین میں درج کئے گئے ہیں۔ کمال تک صحیح اور حق بجانب ہیں۔ آپ کا سب سے پہلا حوالہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا جو محاسن الاسرار سے آپ نے بدعت کی حقیقت میں درج کتاب ہذا کیا ہے اس ضرورت کا مقتضی ہے کہ بلا اختصار اس پر بھی روشنی ڈال دی جائے تاکہ اہل حق اور اہل علم حضرات اس کی صدق بیانی سے واقف ہو جائیں۔ اور معلوم فرمائیں کہ اس روایت میں ذاکرین کے ذکر کرنے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ان کے خلاف ارشاد فرمانے میں کونسی حقیقت تھی۔ اور اب ہمارے لئے اس میں کون سا حکم پوشیدہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد میں تکبیر تحلیل و تسبیح سو سو بار پڑھنے والوں کو فرمایا۔ تم لوگوں نے نہایت تاریک بدعت اختیار کر لی ہے۔ یا تم اصحابہ کرام سے بڑھ گئے ہو۔ یہ ارشاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا محض اس لئے تھا۔ کہ وہ ذکر جہر کو اپنے مذہب کے خلاف سمجھتے تھے۔ ورنہ محض تکبیر تسبیح تحمید کا سو سو بار پڑھنا اور مساجد میں آہستہ پڑھنا حدیث مرفوعہ میں ثابت ہے۔ دیکھو ترغیب امام منذری۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے برگزیدہ اور عاشق نبی کریمؐ صحابی مرفوع حدیث کی مخالفت نہ فرما سکتے تھے۔ کہ تکبیر تسبیح تحمید کے ذکر خفیہ کو بھی منع فرما دیتے۔ بلکہ ان کا منشا اس طریق

تلاوت کی مخالفت کرنا تھا۔ جو ذکر جہر کی صورت میں پیدا کر لیا گیا۔ پھر یہ بھی غور طلب بات ہے۔ کہ مولوی صاحب کی تعریف بدعت کے مطابق کہ اس کا وجود تین زمانوں (نبی کریم۔ صحابہ۔ تابعین) میں نہ پایا جائے اور اولہ اربعہ سے اس کی اصل نہ ہو معلوم ہو گیا ہے۔ کہ یہاں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار ذاکرین پر جن کا زمانہ ان تین زمانوں میں سے ایک تھا جن میں اگر کوئی امر ایجاد ہو تو آپ کے نزدیک بھی بدعت نہیں ہوتا۔ پھر جس امر پر انکار ہو۔ اس کا اصل بھی موجود ہو۔ تو ذاکرین کا ذکر اس زمانہ میں ہونے کی وجہ سے بدعت نہ ہوا۔ بدعت کی تعریف اگر وہی صحیح ہے جو آپ نے کی ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود کا انکار ذکر مطلق صحیح نہیں اور اگر ان کا انکار صحیح ہے تو جو تعریف بدعت کی گئی ہے وہ غلط ہے۔ فافہم ان کنت لا تدری فتکلم مصیبتہ وان کنت تدری فال مصیبتہ اعظم۔

کفنی لکھنے کا شرعی حکم

مولوی صاحب نے منجملہ ان مسائل کے جو کتاب مراسم المرتحلین میں لکھے ہیں۔ ایک مسئلہ کفنی پر برائے حصول ثواب یا حفظ از عذاب قبر کے لئے بعض کلمات طیبات لکھنے کا بھی ذکر کیا ہے جس میں آپ نے شامی کا حوالہ دیتے ہوئے بڑی چھلانگ ماری ہے تو ابن صلاح کے فتوے کی ڈیڑھ سطر نقل کر کے لکھ دیا ہے کہ کفن پر سورہ یاسین و کھف وغیرہ لکھنا ناجائز ہے کہ مردے کی پیپ سے بے ادبی ہوگی پھر لکھا ہے کہ اگر ان حیلے حوالوں سے جنت مل جایا کرتی تو پھر ایمان و عمل صالح کی کیا ضرورت ہوتی۔

واہ مولوی صاحب واہ۔ کیا اتباع سنت و حدیث ہے کہ ابن صلاح کے فتویٰ کے بغیر تعصب کی پٹی باندھے ہوئے حدیثوں تک کو نہ دیکھ سکے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاکیزہ و مبارک عمل کو بھی پس پشت ڈال دیا۔ اور ایک موجب ثواب فعل کو بد عقیدگی و امر بدعی سے تعبیر کر کے قبیح سنت ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے عوام کو حقیقت مسئلہ سے دور رکھنے کی سعی کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی علمی قابلیت سے معذور ہیں یا صحت عقیدہ سے مجبور۔ خدا آپ کو عقیدہ حقہ کی توفیق رفیق فرمائے۔ کفنی لکھنے کا مسئلہ یوں ہے کہ کفن میت پر کلمہ شریف عہد نامہ یا اور کلمات طیبات لکھنے صرف جائز ہی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے موجب ثواب اور عذاب قبر سے محفوظ

کرنے والے اور منکر و نکیر کو اہل قبر کی نظر سے پوشیدہ رکھنے والے بیان فرمایا ہے نہ یہ منع ہے نہ ناجائز ہے نہ مکروہ نہ بدعت اس لئے کہ ان کے منع اور کراہت ہونے میں کوئی حکم شرعی نہیں اور نہ یہ کسی آیت و حدیث مرفوع یا موقوف یا اجماع کے خلاف ہے بلکہ ہمارے علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ میت کی پیشانی و کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے امید مغفرت ہے مصنف عبدالرزاق میں بروایت معمر عن عبداللہ بن محمد بن عقیل آیا ہے۔ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہ سے پانی منگوایا اور غسل کیا اور کفن منگوایا اور پہنا۔ خوشبو لگائی۔ پھر حضرت علیؑ کو فرمایا کہ وفات کے بعد نہ کھولنا اور اسی طرح کفن میں لپیٹ دینا راوی کہتے ہیں میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کسی اور نے بھی ایسا کیا ہو تو فرمایا کہ ہاں کثیر بن عباس بن عبدالمطلب نے ایسا کیا تھا اور انہوں نے اپنے کفن کے اطراف پر لکھا کہ کثیر بن عباس اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں یہ کثیر بن عباس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور صحابی ہیں جنہوں نے خود اپنے کفن پر کلمہ شہادت لکھا۔ اس حدیث میں کفن پر کلمہ شہادت لکھنے کی تصریح موجود اور یہ حدیث اس مسئلہ میں نص ہے کیونکہ صحابی کا فعل جواز و استحباب کے لئے کافی ہے مگر ان حضرات مدعیان عمل بالحدیث کے لئے عمل بالحدیث کہاں نصیب۔ ان کے لئے حدیث کے مقابلے میں اپنا اپنا اجتہاد ہی کافی ہے کہ حدیث ہے تو ہوا کرے چونکہ مردہ کی لاشوں سے ملوث ہو کر بے ادبی ہوگی۔ لہذا ناجائز۔ پھر ان کو یہ بھی تو یاد نہیں کہ تمام مردوں کے اجسام قبور

میں خراب ہو جاتے ہیں یا بعض کے نہیں بھی ہوتے مثلاً یہ جو ذکر کیا گیا ہے کہ دس شخصوں انبیاء، اولیاء، علمائے دین، شہداء، حفاظ، مؤذن، کہ اللہ اذان کما کرتا ہو سرحد اسلامیہ پر حفاظت بلاد اسلامیہ کے لئے قیام رکھنے والا، طاعون سے مرنے والا، صابر و طالب ثواب، ذکر الہی بکثرت کرنے والا، بے گناہ بندہ، کے اجسام قبروں میں سلامت رہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کی پیپ وغیرہ نکلنے کا شبہ نہ ہو تو مولوی جی کے نزدیک بھی کلمہ طیبہ وغیرہ کفن میت پر لکھنے میں کوئی ہرج نہیں کیونکہ ان کی نہ لکھنے والی رائے غائب ہو گئی ہے پھر اگر انہی سے مسئلہ پوچھا جائے کہ پرانے قرآن کریم جن کا کاغذ بوسیدہ ہو گیا ہو کیا کئے جائیں تو یہی فتوے دیں گے کہ قبروں میں دبا دو حالانکہ بے ادبی کا امکان وہاں بھی باقی ہے کیا اب زمزم کی تعظیم مسئلہ نہیں اور کیا اس کے استعمال میں اس بے ادبی کا احتمال نہیں ہوتا۔ پھر وہاں بے ادبی کیوں مباح کر دی گئی یہ ادب بھی محض عوام الناس کے مغالطہ کا ایک ہتھیار تیار کر لیا ہے ورنہ بے ادب ہونے کو تو خدائے واحد جل و علا مجید، اور افضل المرسلین محبوب خدا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہو جاتے ہو۔ بلکہ بے ادب نہ ہونے والے کو مشرک کا فتوے بھی دے دیا جاتا ہے۔

ترجمہ نہ دسی بکعبہ اے اعرابی

کیس راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

اس کے علاوہ امام ترمذی حکیم الہی سیدی محمد بن علی معاصر امام بخاری

نے نو اور الاصول میں روایت کی ہے کہ خود حضور پر نور سرور عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من کتب هذه الدعاء وجعل له في قبره الميت وكفنه في رقبته لم يله عذاب القبر ولا يرى منكره ونكيره وهو هذا۔ (ترجمہ) یعنی جو یہ دعا لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے پیچے رکھ دے اس کو عذاب قبر نہ ہو نہ منکر و نکیر اس کو نظر آئیں۔ اور وہ دعا یہ ہے۔ لا الہ الا اللہ اکبر لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لا الہ الا اللہ لا الملک ولہ الحمد لا الہ الا اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ایسا ہی حضرت امام اجل طاؤس تابعی شاگرد رشید سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے کفن میں عہد نامہ لکھے جانے کی وصیت فرمائی اور حسب وصیت ان کے کفن میں لکھا گیا۔ امام نصیر نے فعل امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس عہد نامہ کفن پر لکھنے کی تائید و تقویت کی ہے اور علامہ مدقق علانی نے درمختار میں اس پر اعتماد فرمایا ہے امام فقیہ ابن عجبیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا۔ اذا کتب هذا الدعاء وجعل مع الميت في قبره وقاء اللہ فنته القبر وعذابہ۔ جب یہ دعا لکھ کر میت کے ساتھ قبر میں رکھ دیں۔ تو اللہ تعالیٰ اسے اسے سوال نکرین و عذاب قبر سے امان دے۔ پھر یہی امام ایک دوسری دعا کے متعلق فرماتے ہیں۔ من کتب هذه الدعاء في کفن الميت رفع اللہ عنه العذاب الی یوم ینفخ فی الصور وهو هذا۔ یعنی جو یہ دعا میت کے کفن میں لکھے اللہ تعالیٰ قیامت تک اس سے عذاب اٹھالے۔ اور

وہ دعا یہ ہے اللھم انی اسئلك با عالم السربا عظیم الخطر با خالق
البشر با موقع الظفر با معروف الاثر با ذا الطول و المن با کاشف
الضر و المحق با الدالا ولین ولاخرین لرج عنی هموسی و اکشف
عنی غموسی و صل اللھم علی سیدنا محمد و سلم اسی طرح امام ابن حجر
مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں ایک تشیع کی نسبت جسے کہا جاتا ہے کہ
اس کا فضل اور اس کی برکت مشہور معروف ہے بعض علماء کے دین سے
نقل کیا ہے کہ من کتبہ و جعلہ بین صدر المیت و کفنیہ لا ینلہ عذاب
القبر ولا ینالہ منکرا و نکبرا ولد شرہ عظیم و هو دعاء الانس۔ یعنی
جو اسے لکھ کر میت کے سینہ اور کفن کے بیچ میں رکھ دے اسے عذاب قبر نہ
ہو نہ منکر و نکیر اس تک پہنچیں۔ اور اس دعا کی شرح بہت عظمت والی ہے
اور وہ چین اور راحت کی دعا ہے اسی طرح بوضاحت و درختار میں لکھا ہے کہ
مردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے بخشش کی
امید ہے امام کردری کتاب الاستحسان میں لکھتے ہیں۔ ذکر الامام الصفا
لو کتب علی جہتہ المیت او علی عمامتہ او کفنیہ عہد نامہ ہرجی ان
یفقر اللہ تعالیٰ للمیت و یجعلہ امنا من عذاب القبر (ترجمہ) امام صفا
نے ذکر فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا جائے تو
امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے اور عذاب قبر سے مامون فرمائے۔ لیجئے
مولوی صاحب۔ یہ ہی کفنی لکھنے کا حکم شرعی۔ ”اگر اس یہ بھی نہ سمجھ آئے
تو پھر تم سے خدا سمجھے“ اگر یہ شرعی حیلے حوالے اور خدا کا نام میت کے شامل
حال ہونا میت کی نجات کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ تو پھر حضرت آپ کی نجات ہی

مشکل ہے۔ رب العزت جل شانہ کا نام ساتھ رکھنے والے تو ضرور بفضلہ
تعالیٰ نجات پائیں گے۔ کیونکہ شعر

رحمت حق بہانہ می جوید
رحمت حق بہانمی جوید

تحت (بیٹھا بیٹھا ہڑپ اور کڑوا کڑوا تھو) کی تشریح فرماتے ہوئے یہاں تک کہ دیا ہے کہ یہ خدا کو دھوکا دینا ہے۔ اور یہ بازار سے خریدتے وقت قرآن کریم کے بے حساب ہونے کا خیال نہیں کرتے۔ اور روپیہ کی جگہ دس بارہ آنے دینے کے لئے جھگڑ جھگڑ کر خریدتے ہیں وغیرہ وغیرہ ملخصاً

پھر لکھتے ہیں کہ اس اسقاط کے طریقہ کا سلف صالحین سے بالکل ثبوت نہیں دوسرے یہ کہ اس میں قرآن مجید کی بے ادبی و بے حرمتی ہے کہ مردے کے ساتھ قرآن کریم کا جنازہ نکالتے ہیں۔ اور یہ گناہ و جرم ہے ملخصاً۔

آگے چل کر آیت دازرۃ و ذرا اخریٰ محض اس لئے لکھ کر کہ کوئی یہ نہ کہے مولوی جی کو قرآن کی کوئی آیت یاد نہیں یا لکھ نہیں سکے۔ یہ فرد جرم لگاتے ہیں کہ فرمان خداوندی کے خلاف یہ عقیدہ جانا۔ کہ میت کے گناہوں کے بدلے میں یہ چند پیسے یا روپیہ وغیرہ فدیہ بن گئے (الآخر) باطل و مردود ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہیں مولوی صاحب کے ارشادات محققانہ جو اسقاط کے عدم جواز میں لکھے گئے ہیں۔ مندرجہ بالا تمام عبارات کا مفہوم یہ ہے کہ اسقاط کرنا۔ حرام ناجائز، مردود و باطل ہے چونکہ آپ کو یہ بھی یاد تھا کہ متقدمین میں اور اپنی جماعت کے اکابر علماء میں یہ فعل پایا جاتا رہا ہے اور اس پر فتوے بھی دیتے رہے ہیں۔ اور وہ فتوے بھی منہ پر آئیں گے پھر آگے چل کر خود ہی مسئلہ اسقاط کو صریح الفاظ میں جائز۔ ثواب اور اسقاط ذنوب کا ذریعہ تسلیم کر گئے ہیں۔ اور ہر کے اوپر سے ہاتھ گھما کر ناک کو پکڑتے ہیں۔ اسے مولوی جی کی چال سمجھئے یا

مسئلہ اسقاط ایک وہ مسئلہ ہے جس کو متقدمین و متاخرین نے صرف ذکر ہی نہیں فرمایا بلکہ اس پر عمل بھی کرتے رہے ہیں اور تو اور مولوی سنبھلی صاحب جیسے حنفی نما و ہللی بھی مسئلہ اسقاط کے اس عمل و طریق کے قائل ہیں جو پنجاب میں کچھ کچھ تبدیلی صور سے رائج ہے۔ جس کی تشریح مولوی صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۸۴ میں چار طریق بیان فرما کر یوں کرتے ہیں۔ اور دو رنگی دکھاتے ہیں۔

”کہ بعد دفن ملاں یا فقیر سے کہا کہ یہ قرآن مجید اللہ کا کلام انمول و بے حساب قیمت کا ہے اس لئے میت کے ذمے جتنے نماز روزے و دیگر واجبات و کفارات و گناہ وغیرہ ہیں ان سب کی بدلے ہم تجھے یہ قرآن دیتے ہیں تو نے قبول کیا وہ ملاں یا فقیر کتا ہے ہاں قبول کیا۔“

دوسرا طریقہ یہ بھی مروج ہے کہ چند آدمی کھڑے ہو گئے اور قرآن شریف کو ایک دوسرے کے ہاتھ میں دے کر کہنا شروع کیا کہ جو گناہ و کفارات نماز وغیرہ وغیرہ اس مردے کے ذمے ہیں اس کے بدلے یہ انمول قرآن تمہیں بخشا اس نے کہا قبول کیا اسی طرح کچھ دیر قرآن شریف کو پھرانے اور کہنے کا دور جاری رہتا ہے تا آنکہ ملاں جی کے ملک ہو جاتا ہے پس یہ اسقاط کے دونوں طریقے ناجائز و بدعت ہیں۔

اس عبارت کے بعد مولوی صاحب نے اپنی نصاحت و بلاغت کے

دروغ گورا حافظ نہا شد خیال فرمائے۔ بہر حال مولوی جی دہلی زبان میں نہیں بلکہ علامیہ طور پر اقرار کرتے ہیں کہ اسقاط جائز ثواب اور لازم ہے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اپنی طرف سے جواب عرض کرنے سے قبل مولوی جی ہی کی وہ عبارات نقل کر دوں جو آپ کے قول کی آپ ہی تردید ہیں۔ اس کے بعد بطور تفہیم جو توضیح ہوگی اپنی طرف سے بھی کر دی جائے گی۔ صفحہ ۸۶ پر لکھتے ہیں۔

”اسقاط کرنے والوں نے) رواۃ اسقاط کر کے بجائے اسقاط ذنوب و گناہ کے اپنے ایمان کا اسقاط کرا لیا۔“

اس عبارت سے مولوی صاحب کا اصلی عقیدہ اور صحیح منشا معلوم ہو گیا کہ اسقاط ذنوب و گناہ کے لئے اسقاط کرنا جائز ہے۔ مگر ایسے طریق پر نہیں جس سے دوسرے ملاں یا فقیر کھا جائیں اور ان بزرگوں کو کوئی صلح تک نہ کرے۔ آخر یہ بھی تو ملتان شریف ہی میں رہتے ہیں۔ لوگوں کے صدر ہیں اس حال میں زیادہ نہیں تو عشر تک تو ان کو بھی ہر میت کے مل اسقاط سے مل جانا چاہئے۔ بیچاروں کے بل تو چلتے نہیں۔ اہل ملتان خاص خیال کیا کریں۔ ورنہ یہ اسقاط کا تمام تر عمل اس وقت تک حرام رہے گا جب عشر ادا نہ کیا جائے گا۔ اور مولوی صاحب کو نہ پہنچے گا۔

پھر اسی صفحہ ۸۶ سطر ۱۳ میں فرماتے ہیں اگر اسقاط کرنا ہی ہے تو شرعی طریقہ مذکور فی کتب الفقہ پر عمل کرنا چاہئے۔ جو یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہو جائے۔ اور اس کے ذمہ کچھ فرائض و واجبات قضا باقی ہوں۔ جس میں نماز روزے قسموں کے کفارے قربانی۔ فطرانہ وغیرہ وغیرہ داخل ہیں تو ان

فرائض و واجبات کا فدیہ اگر مرنے والے کی طرف سے کر دیا جائے تو فضل خداوندی سے امید ہے کہ اس کا ذمہ بری ہو جائے۔ اگر میت نے وصیت کی ہو۔ کہ میری طرف سے میری قضا شدہ نمازوں۔ روزوں وغیرہ کا فدیہ ادا کیا جائے تو اس صورت میں وارثوں پر لازم ہے کہ جس قدر نماز روزے وغیرہ میت نے بتائے ہیں یا وارث کو معلوم ہیں تو ان کا پورا پورا فدیہ ادا کر دے۔ اور یہ ادائیگی تمنا کی ملی میت سے کی جائے گی۔ پھر وصیت کی نسبت وضاحت کرتے ہوئے صفحہ ۸۷ پر لکھتے ہیں کہ ہر نماز فرض یا واجب اور ہر روزے کا فدیہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہے۔ اور وتر بھی مستقل نماز ہے۔ تو گویا دن رات کی چھ نمازوں کا فدیہ ساڑھے دس سیر گندم یا اس کی قیمت ہوئی تو اس حساب سے چھ نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے۔ اور قسم وغیرہ کے مسائل کسی عالم باعمل سے معلوم کر کے ادا کر دیئے جائیں۔

واہ مولوی صاحب ایک طرف سرے سے عمل اسقاط مردود و باطل اور دوسری طرف جائز۔ ثواب اور لازم۔ سبحان اللہ کیا الٹی منطق ہے۔ اگر یہی قوت علمہ تھی تو پہلے ہی یوں لکھ دیا ہوتا۔ کہ اسقاط جائز ثواب اور لازم ہے مگر بعض جملاء میں شرعی طریقہ مفقود نظر آتا ہے۔ یا وہ علماء سے پوچھ کر کام نہیں کرتے ان کو شرعی کام شریعت کے علمائے ربانی سے (اگر خود وہ ناواقف ہیں) تو پوچھ کر کرنے چاہئیں۔ اس قدر ورق سیاہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہی طریقہ اسقاط کا درج کتاب کر دیا جاتا۔ تو آپ کو پہلے وہابیت کا پرچار کر کے پھر تادم ہونے کی ضرورت نہ پڑتی آپ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب فقہ کی رو سے اسقاط جائز و مستحسن صورت ہے۔ بشرطیکہ پوری پوری

اداکی جائے اور یوں اسقاط کرنا جو عوام میں مسخ صورت کے ساتھ رائج ہے اپنی اصل صورت میں گناہ میت کا کفارہ ہو سکتا ہے۔ اور فرائض و واجبات کی پوری ہو جاتی ہے۔ پھر پہلے یہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی کہ اس اسقاط کا سلف صالحین سے بالکل ثبوت ہی نہیں اور عمل اسقاط سے ایمان ساقط ہو جاتا ہے اور یہ خدا کو دھوکا دہی ہے یہ چند پیسے یا روپے گناہوں کا فدیہ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہ عقیدہ رکھنا بھی مردود و باطل ہے اور فرمان خداوندی کے خلاف ہے۔ کہ اس عمل سے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔

”مولوی سنبھلی صاحب شکوہ ہے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور“ تبلیغ کا یہ رنگ اہل علم کے لئے اچھا نہیں کہ پہلے وہابیت کے پردے میں گفتگو کر کے عوام کو نفس مسئلہ سے متفر کر لیا اور اس کے بعد کہہ دیا کہ اگر کرنا ہی ہو تو یوں کر لینا چاہئے یہ طرز بیان حقیقت سے بہت دور ہے جب آپ ایک مسئلے کے قائل ہیں۔ تو مغالطہ دہی کے لئے اس کی صورت بدل کر بیان کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اگر اس سے غیر مقلدوں کی خوشنودی منظور ہے اور اپنی نام نہاد بے ربائی کا چرچا تو یقین جانئے کہ یہ تبلیغی سلسلے کا تمام عمل باطل ہے اور اس کا اجر آپ کو مل چکا ہے۔ ”لا خلاق فی الاخرة من نصیب“

قاعدہ یہ ہے کہ عوام کی اصلاح کے لئے اس نقص کو بیان کیا جائے جو عوام میں پلایا جاتا ہو۔ ساتھ ہی نفس مسئلہ کا اقرار کیا جائے۔ اور علمائے کرام پر زبان طعن کھولنے سے اپنے آپ کو روکا جائے۔ کیونکہ شریعت میں جہلا کا فعل حجت نہیں ہوا کرتا اور جاہل خواہ دیوبندی ہو یا امرتسری ہر حال میں جاہل ہے۔ اس کا فعل عوام کے لئے دلیل نہیں۔ آپ نے فعل تو مد نظر رکھا

عوام کا الانعام کا اور کوسا پلنی پی پی کر علمائے ذوی الاحرام کو۔ یہ کہیں کہ علمی قابلیت اور دانشمندی ہے ہاں علمائے کرام جب اس بات کے مستحق ٹھہر سکتے تھے کہ وہ خود کرتے یا ایسا کرنے کی (جو فعل احکام خداوندی کے خلاف ہو) عوام کو جرات دلاتے۔ یا حوصلہ افزائی کرتے۔ علمائے احناف نے کبھی کوئی ایسا فعل جواز کی صورت میں نہیں لیا۔ جو احکام ربانی کے خلاف ہو۔ اور نہ آپ کسی حنفی عالم کی کتاب سے اپنے اس بے سرو پا قول کی تصدیق کر سکیں گے۔ عوام کے پردہ میں علمائے کرام کو ذاتی بغض و عناد کے ماتحت کو سنا اور بات ہے۔ اور ان میں سے کسی کی تحریر ثبوت میں پیش کرنا اور بات ہے اور یہ بفضلہ تعالیٰ آپ قیامت تک نہیں کر سکتے کہ کسی حنفی عالم کی کسی کتاب سے اسقاط کا وہ نقشہ ذکر کیا ہوا پیش کر دیں۔ جس کی بنا پر آپ نے یوں دشنام دہی کی ہے۔

یہ اسقاط جہاں جہاں پر لوگ کرانے کے عامل ہیں وہ اسی حکم کے ماتحت کراتے ہیں جس کا آپ نے بے شمار اعتراضوں کے بعد عاجزانہ اعتراف کیا ہے اور ان کا غشا نافرمانی خدائے واحد نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اسقاط ذنوب کے خواہاں ہو کر یہ حیلہ شرعی اختیار کرتے ہیں۔ تاکہ میت کی نجات ہو جائے باقی رہا یہ فعل کہ اس اسقاط کرنے یا کرانے میں ان سے کوئی قصور سرزد ہوتا ہے تو یہ چیز قاتل حجت نہیں۔ نہ ہی سرے سے اس کو مردود قرار دیا جاسکتا ہے۔ آپ نے بار بار دیکھا ہوگا۔ کہ ایک آپ کا مقتدی جس کو آپ نے صحیح طریق نماز کا سمجھایا ہے جب علیحدہ نماز پڑھتا ہے تو آپ کے سکھائے ہوئے بعض طریق پر عمل کرتا ہے اور بعض کو اپنی کسی فوری ضرورت یا نفس کی کوتاہی

کے ماتحت عمل میں نہیں لاتا۔ تو اس کے یہ معنی نہیں ہوں گے۔ اور نہ اس کی نماز سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا۔ کہ صدر بازار کے مولوی صاحب کو نماز نہیں آتی۔ جیسی تو ان کا فلاں شاگرد شریعت کے حکم کے مطابق نماز نہیں پڑھتا۔ کیا آپ اس نتیجہ کو صحیح اور یقینی خیال کر کے اپنے ذمہ لینے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں ہرگز ہرگز نہیں تو پھر عوام کا فعل سامنے رکھ کر علمائے کرام کو بد زبانی کرنا یہ کس شرعی مسئلہ کی جڑی ہے خداوند عالم آپ کو نیک گوئی کی علوت رفیق فرمادے۔

سنئے اس مسئلہ میں علمائے جماعت اختلاف کثرت ہم اللہ تعالیٰ فیوضہم کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور جن کو آپ نے بے تحاشا مطعون کیا ہے ان کے نزدیک مسئلہ اسقاط کیا ہے اور کیونکر اس پر عمل کرنا چاہئے۔ اسقاط کا مطلب ہے گرانے کا اور عرف شرع میں اس فعل صدقہ و خیرات کو کہتے ہیں جس کے ذریعے میت کے گناہوں کے گرانے کی اور اس کی نجات کی کوشش کی جائے۔ خواہ وہ اس متشرعہ مروجہ صورت سے ہو جو قبل یا بعد نماز جنازہ فی الوقت قبر پر ہی عمل میں لائی جانے کا حکم ہے یا بعد ازاں بصورت ختم درود نوافل حج نماز وغیرہ وغیرہ ہو جس کے لئے بے شمار احادیث ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زندوں کی اعانت سے مردوں کو نفع پہنچتا ہے۔ اور بفضل اللہ تعالیٰ ان کی نجات ہو جاتی ہے۔ ان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میری امت کے بعض وہ لوگ ہوں گے جو مرس گے گنگار اور انھیں گے بخشے ہوئے۔ سو اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا یہ کہ قبر میں وہ فارغ ہوتے ہوئے اس قدر ذکر الہی

کریں کہ ان کی بلندی مراتب ہو جائے۔ اور قیامت تک وہ سابقہ خامیوں کو پورا کر لیں۔ یا یہ کہ انکے پسماندگان ان کی موت کے بعد ان کے لئے قرآن کریم کی تلاوت نماز روزہ حج قربانی صدقات و خیرات نوافل وغیرہ کا اس قدر ایصال ثواب کریں کہ انکے نامہ اعمال میں نیکیاں زیادہ ہو کر برائیاں محو ہو جلیں۔ پھر رحمت الہی سے وہ بخشے بخشائے اٹھ سکتے ہیں۔ اور پس ماندگان کے صدقہ و خیرات للموتی کا احادیث مبارکہ میں بڑی وضاحت سے ذکر آیا ہے۔ جس کو فقیر مومنوں کی آگاہی کے لئے مختصراً یہاں درج کرتا ہے۔

حدیث اول :- ایک انصاری رضی اللہ عنہ نے خدمت اقدس سرکار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں باپ کے انتقال کے بعد بھی کوئی طریقہ ان کے ساتھ نیکیوں کرنے کا باقی ہے جسے میں بجا لاؤں فرمایا۔ نعم اربعۃ الصلاة علیہما والا استغفار لہما و انفاذ عہدہما من بعدہما و اکرام صدیقہما و صلۃ الرحمۃ النبی لا رحم لک الا من قبلہما فہن الذی بقی من برہما بعد موتہما۔ (ترجمہ) ہاں چار باتیں ہیں۔ ان پر نماز اور ان کے لئے دعائے مغفرت اور ان کی وصیت کو نافذ کرنا اور ان کے دوستوں کی بزرگداشت اور جو رشتہ صرف انہی کی جانب سے ہو نیک برتاؤ سے اس کا قائم رکھنا۔ یہ وہ نکوئی ہے کہ ان کی موت کے بعد ان کے ساتھ کرنی باقی ہے۔

حدیث دوم :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اذا تصدق احدکم بصدقۃ تطوعا تدبعلہا عن ابویہ لیکون لہما اجرہا ولا

ينقص من اجره شيئا۔

(ترجمہ) جب تم میں کوئی شخص نقل خیرات کرے تو چاہئے کہ اپنے ماں باپ کی طرف سے کرے۔ کہ اس کا ثواب ان کو ملے گا۔ اور اس کے ثواب سے کچھ بھی کم نہ ہوگا۔

حدیث سوئم :- سرکار کائنات مختار شش جہاد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من حج عن والديه واتضى عنهما مفر ما بعث الله يوم القيامة مع الابراء۔

یعنی جو شخص اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے۔ یا ان کا قرض ادا کرے تو قیامت کے دن نیکوں کے ساتھ لٹھے۔

رواہ الطبرانی فی الاوسط والنداء رقتی فی السنی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

حدیث چہارم :- قبیلہ جہنمہ سے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا خدمت اقدس سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں۔ اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں نے حج کرنے کی منت مانی تھی اور وہ ادا نہیں کر سکی اور اس کا انتقال ہو گیا ہے کہ میں اپنی والدہ مرحومہ کی طرف سے حج کر لوں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ نعم حجی عنہما ادا بت لوکان علی اسک دین اکنت قاضیہ اقضوا اللہ احق بالوفاء رواة البخاری عن ابن عباس۔

(ترجمہ) یعنی ہاں۔ اس کی طرف سے حج کر۔ بھلا دیکھ تو اگر تیری ماں پر قرض

ہوتا تو تو ادا کرتی یا نہیں۔ یونہی خدا کا قرض ادا کرو۔ کہ وہ زیادہ ادا کا حق رکھتا ہے۔

حدیث پنجم :- افضل الرسل تاجدار کائنات محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من حج عن ابيه وعن اهله فقد عفى عن حجته كان له فضل عشر حجج رواہ دارقطنی عن جابر بن عبد اللہ۔

یعنی جو شخص اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے ان کی طرف سے حج ادا ہو جاوے اور اس کو یعنی کرنے والے کو دس حج کا ثواب زیادہ ملے۔

حدیث ششم :- محبوب خدا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من زار قبر والديه او احدهما يوم الجمعة فقراء عنده يسمن غفر له رداً تہ ابن عدی رضی اللہ عنہ۔

یعنی جو شخص جمعہ کے دن اپنے ماں باپ دونوں کی یا دونوں میں سے ایک کی قبر کی زیارت کرے اور اس کے نزدیک یاسین پڑھے بخش دیا جائے۔

ان سب احادیث سے معلوم ہوتا ہے عوام قرابت داروں کے لئے بالعموم اور والدین کے لئے بالخصوص موت کے بعد جو نیکی کی جائے اس کا ثواب انہیں پہنچتا ہے۔ اور پہنچانے والے کو الگ اجر ملتا ہے۔ اور ان کا حق ہے کہ بعد موت کے ان کے جنازے کی تجہیز و تکفین، نماز، دفن وغیرہ کیا جائے۔ اور ان کاموں میں ایسے سنن و مستحبات کی رعایت ضرور ملحوظ رکھی جائے۔ جس سے ان کے لئے ہر خوبی و برکت و رحمت و وسعت کی امید ہو۔ اور اسی قبیل سے یہ مسئلہ اسقاط بھی ہے جس کی وجہ سے رحمت الہی قریب

ہوتی ہے۔ اور مومن کی مغفرت کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں جیسے کہ اس کی نسبت مدلل طور پر مع طریق۔

باب قضاء الغواٹ شامی اور نیز در مختار میں مطلب اسقاط اصلوات عن الیت میں یوں لکھا ہے کہ اگر میت کی حالت مرض میں کچھ نماز روزے سے فوت ہو گئے اور اس نے اس قدر مال بھی چھوڑا کہ اس کی تمائی سے کفارہ نماز روزہ کا ادا ہو سکے اور کفارہ کی وصیت بھی کر مرا۔ تو وصی پر لازم ہے کہ بدلے ہر نماز روزہ کے اور اسی طرح بعوض نماز وتر کے آدھا آدھا صلے گیہوں فقیروں کو دے اور اگر تمائی مال میت اتنا نہ ہو یا اس نے وصیت نہ کی ہو اور ولی میت اپنی طرف سے اس کا کفارہ دینا چاہے۔ گو اس پر لازم نہیں اور سب نمازوں روزوں فوت شدہ کا کفارہ نہ بھی دے سکے تو اندریں حالات اس مال کو تین چار بار بقدر ضرورت فقراء میں اس قدر گھما دے اور دلی ایک کو بخشے وہ دوسرے کو وہ تیسرے کو اعلیٰ ہذا یہاں تک کہ وہ مال اس کے تمام روزوں نمازوں فوت شدہ کی مقدار کے کفارہ کو پہنچ جائے۔ تو موجب ثواب ہے بلکہ اس بحث میں لکھا ہے کہ اگر میت نے باوجود مال دار ہونے کے وصیت نہ کی یا مقدار کفارہ سے کم مال میں کی قومیت مذکور گنہگار رہے گی۔ یہ تمام عبارت در مختار اور شامی کا خلاصہ ہے جس کی عربی عبارت کا اقتباس یہ ہے۔

ولومات و علیہ صلوة فاتتہ و اوصی بالا کفارۃ يعطى لكل صلوة نصف صاع من برکات الفطر و کذا حکم النوتر والصوم وانما يعطى من ثلث مالہ الاخر۔

ترجمہ (یعنی اگر کوئی مر جائے۔ اور اس پر فوت شدہ نمازیں ہوں اور کفارہ ادا

کرنے کی وہ وصیت کر گیا ہو تو ہر نماز کے بدلے نصف صاع یعنی پونے دو سیر رائج الوقت گندم ادا کی جائے اور یہی حکم نماز وتر اور روزے کا ہے۔ اور فدیہ اس کے تمائی مال سے ادا کیا جائے۔ اور ہماری مندرجہ بالا اردو اور عربی عبارات کی تصدیق خود مولوی صاحب نے بھی مراسم المرتحلین میں بدین الفاظ کی ہے کہ یہ کفارہ یا وصیت کرنے کی صورت میں تھا لیکن اگر مرنے والے نے باوجود مال ہونے کے وصیت نہیں کی یا وصیت کی مگر جتنے نماز روزے اس کے ذمے تھے ان سب کے کفارہ کی مقدار وصیت نہیں کی۔ تو پہلی صورت میں فدیہ دینا اور دوسری صورت میں پورا فدیہ دینا وارثوں کے ذمہ لازم و ضروری نہیں۔ بلکہ مرنے والے کے ذمہ گناہ رہے گا۔ پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ اگر میت کے ساتھ عاقل بالغ ورثا۔ تبرع و سلوک کے طور پر اپنے مال سے اس کے فوت شدہ نماز روزے وغیرہ کا فدیہ ادا کرنا چاہیں۔ تو اس کی قواعد شرعیہ کے مطابق یہ ہی صورت ہے کہ میت کے جس قدر نماز روزے وغیرہ ہیں ان سب کا باقاعدہ حساب کر کے ہر ہر نماز روزے وغیرہ کے بدلے فدیہ کی نیت سے پونے دو سیر گندم یا ان کی قیمت ادا کر دے لیکن اگر وارث مالدار نہیں ہے بلکہ غریب آدمی ہے اور میت کے پورے فوت شدہ نمازوں و روزوں کے فدیہ کی گنجائش نہیں رکھتا مگر مردے سے ہمدردی ہے تو حسب توفیق غلہ یا نقدی کسی ایسے ہمدرد مستحق غریب کو دیدے کہ جو اس کے درد کو سمجھتا ہو اور پھر اس سے اپنی غربت کے پیش نظر بطور قرض اس سے مانگ لے پھر اس کو دیدے اور ہر دفعہ دیتے ہوئے فدیہ کی نیت کرتا رہے۔ جب اس ہمدرد پھر سے میت کے نماز روزوں

کا پورا فدیہ ادا ہو جائے تو اس کو بخش دے۔

لو۔ آپ اپنے دام میں صیاد آگیا پھیل عبارتوں میں مولوی صاحب نے اسقاط کی۔ وارث کے صدقے کی۔ اور ہیر پھیر کر کے وارث اور فقیر کے ملک کرنے کی نفی کی تھی۔ اب اس عبارت میں فدیہ کی وصیت نہ کرنے والی میت گنہگار۔ وارث کا میت کی طرف سے فدیہ ادا کرنا جائز اور قواعد شرعیہ کے عین مطابق ترکہ تنائی مال سے وصیت میت لازم۔ ہر ہر نماز روزہ و تر و غیرہ وغیرہ کا پونے دو سیرگیوں کفارہ ضروری۔ اور غریب ہونے کی صورت میں وہی دور چلانا اور ہیر پھیر کرنا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری اور اتنا ضروری کہ قرض لے کر بھی کرنا بہتر و ثواب ہو گیا ہے اب اس سے زیادہ مولوی صاحب کو کیا کہنا ہے دراصل ان کے بس کے بات نہیں آپ اپنے حافظہ کی وجہ سے مجبور ہیں۔ اس ہیر پھیر اور دور چلانے کی حقیقت (جسکی مولوی صاحب نے پہلے الفاظ میں مخالفت کی ہے) صاحب درختار ان الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ونولم یتروک مالا مستقوض وارثہ نصف صاع مثلاً ویدفعہ الفقیر الوارث ثم وثم حتی یتیم۔ (ترجمہ) اگر میت مال نہ چھوڑے تو اس کا وارث آدھا صاع مقدار کم از کم قرض لے لے اور فقیر مستحق کو دیدے پھر فقیر اس وارث کو دے پھر اسی طرح۔ پھر اسی طرح یہاں تک کہ وہ فدیہ پورا ہو جائے کیوں جی مولوی صاحب یہ ہیر پھیر اور دور چلانا بھی جائز ہوا یا نہ۔ اور اگر اس بات پر اعتراض ہے۔ کہ قرآن رکھ کر اور اس کو انمول قرار دے کر یہ ہیر پھیر کیوں کیا جاتا ہے۔ اور اس کی قیمت کا اعتبار مال منقوم ہونے کی حیثیت سے کیوں نہیں کیا جاتا تو مال منقوم کے لحاظ سے

قیمت کا اندازہ ہر جنازے پر ملتان میں آپ لگا دیا کریں کونسا گناہ ہے۔ شاید لوگ حقیقت سے ناواقف ہوں اور جو صرف قرآن کریم کے جنازے کے ساتھ ہونے پر چڑھے تو آپ اپنے جنازے کے ساتھ گرنہ کی وصیت کر جانا۔ تاکہ قرآن کا جنازہ نکل کر آپ کے پسماندہ گنہگار نہ ہو۔ جنازہ نکلے گا تو گرنہ ہی کا نکلے گا اور یہی اچھا اجتہاد ہے۔ اللہ کریم آپ کی اس منطق کو ہدایت سے تبدیل فرمائے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب مولوی محمد لکھنوی کی زینت الاسلام کی بھی معلومات نہیں رکھتے۔ ورنہ ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ نئے وہابی کی حیثیت ہی کیا ہے پرانے وہابی بھی مسئلہ اسقاط کا اعتراف کرتے ہیں کیونکہ بغیر اس کے کوئی چارہ ان کو نظر نہیں آیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر تنائی مال سے نماز روزہ وغیرہ کا فدیہ ادا ہونا ممکن نہ ہو اور مال کم ہو۔ تو اس کے لئے یہ شرعی حیلہ کیا جائے۔ مثلاً ساٹھ روپیہ کفارہ بنتا ہے۔ تو پانچ روپے لے کر دلی میت اس کو بارہ مسکینوں میں اس طرح خیرات کرے۔ کہ ایک فقیر کو دے اور وہ پھر اسے دیدے یا دوسرے کو بخش دے اور نیت سب کی اس بخشش سے میت کو نفع پہنچانے کی ہو تو وہ بارہ مرتبہ ایسا کرنے سے کفارہ پورا جائے گا۔ اور شرعی حیلہ سے میت کو نفع پہنچتا ہے۔ دیکھو زینت الاسلام پنجابی منظوم حصہ دوسرا صفحہ ۳۳

یہی ہیر پھیر ہے جس کو ہیر پھیر کر کے مولوی صاحب نے ہیر پھیر بنانا چاہا۔ مگر مشکل یہ بنی کہ باوجود ہیر پھیر کرنے کے یہ ہیر پھیر پھر بھی جائز ہی کہنا پڑا۔ دانائوں نے کہا ہے کہ اسے بھی بھولا ہوا نہیں کہتے جو شام تک گھر

آجائے۔ مگر افسوس تو فقیر کو صرف اس بات کا ہے کہ علیت کے مدعی یہ نہ سمجھ سکے۔

چراکارے کند عاقل کر باز آید پشیمانی

علماء غیر مقلدین و مقلدین دیو بندیہ نے جہاں اور چھوٹے چھوٹے مسائل عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے مختلف رسائل میں لکھ کر شائع کئے ہیں۔ وہاں ان کا ایک معرکہ الاراء مسئلہ دعائے بعد نماز جنازہ بھی وقتاً فوقتاً بڑی شد و مد کے ساتھ معرض تحریر میں آتا رہا ہے حالانکہ یہ وہ مسائل ہیں جن کے ذریعہ سوائے اسلام سے ناواقف مسلمانوں یا ان لوگوں کو جو نیشن پرستی میں مبتلا ہو کر اصل مسئلہ نماز جنازہ کے بھی واقف نہیں رہے۔ دوسرے دین دار مسلمان کبھی بھی مغالطہ نہیں کھا سکتے۔ اور علمائے اہل سنت و الجماعت کثر ہم العدد نے بارہا ان مسائل پر معترضین کے اعتراضات کی ایسی قلعی کھول دی ہے کہ پھر ان کو سالہا سال تک تاب اعتراض نہیں ہوئی مگر کیا عجیب بات ہے کہ پہلوں نے جواب لے کر اگر چپ سادھ لی تو پچھلوں کو بھی اس پر عمل کر لینا چاہئے تھا۔ لیکن نہیں مثل مشہور ہے (شرم چہ کیست کہ پیش مردان بیاند) انہی کے متاخرین نے پھر ان کے پس خوردہ کی جگالی کر کے از سر نو اپنی اعلیت کا ثبوت دیتے ہوئے پھر وہی عبارتیں رثا اور بدعت کا ڈھول پیٹنا اپنے لئے فخر سمجھ لیا۔ گویا وہ نہیں جانتے کہ ہم سے قبل یہ مسائل زیر بحث آچکے ہیں۔ اور ہم ہی دنیا میں وہ پہلے انسان وارد نہیں ہوئے۔ جن کو یہ دور کی سوچ بھی ہے۔ انہی اپنے محققین و متاخرین کے حاصل کردہ جوابات سے غالباً اعراض کرنے والے یا ناواقف ایک یہ صاحب

مولوی ملتانی بھی ہیں جنہوں نے از سر نو کئی مدتوں کے بعد پھر اس اعتراض (دعائے بعد نماز جنازہ ناجائز ہے) کے مودہ صد سالہ کو قبر سے اکھاڑ کر پھر ایک مرتبہ قبور و اموات مومنین پر بھگم بھاگ کا نقشہ قائم کر دیا ہے جہاں نماز جنازہ کی چار تکبیریں ختم ہو کر سلام پھیرا اور یہ لوگ چیلوں کی طرح جنازہ پر جھپٹے۔ تاکہ کوئی مومن میت کے لئے مغفرت کی دعا نہ مانگ سکے۔
نعوذ باللہ من شرور انفسہم۔

کیا اچھا ہوتا کہ وہ علمائے اہل سنت و الجماعت کے سابقہ جوابات کو ایک نظر مطالعہ کر لیتے تو ان کو دوبارہ اس میدان میں ریگننے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی مگر کوئی بات نہیں اگر مخالفین اسلام پھر نمودار ہوئے ہیں۔ تو مساجدین و انصار کو بھی میدان میں آتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔ یہ لوگ اگر مذہب کے سچے خیر خواہ ہوتے تو مرد میدان بن کر کوئی اسلام کی خدمت کرتے۔ جس سے اس پر آشوب زمانہ میں اسلام مشرکین کے حملوں سے محفوظ رہتا۔ بار بار ان مسائل کے خلاف قلم اٹھانا جن کی حقیقت کو علمائے کرام کتنے عرصے سے ہر زمانہ میں طشت ازبام کرتے چلے آئے ہیں اور کر چکے ہیں اور اہل اسلام کے دستور العمل میں داخل بھی ہیں۔ کوئی خدمت دین نہیں بلکہ اسلام دشمنی ہے کہ ایسے نیک کاموں میں وسوسہ ڈال کر لوگوں کو ہکا بکا دیا جائے جن کا کرنا جمہور اہل اسلام میں مانا جا چکا ہو۔ لطیفہ :-

ایسے علماء کے متعلق فقیر کے ایک دوست بڑی صادق اور عجیب مثال فرمایا کرتے ہیں اور حقیقتاً ان ہی مجاہدوں پر صادق بھی آتی ہے وہ فرمایا کرتے ہیں۔ کہ ان علماء کی مثال یہ ہے کہ ہمارے گاؤں میں چند ہندو رہتے تھے ان

میں ایک آدمی ذرا کچھ آزاد منش تھا۔ اس کو پرندوں کے شکار شوق جو چرایا۔ تو اس نے ایک باز پال لیا۔ تاکہ اس سے پرندوں کا شکار کیا کرے۔ مگر باز ابھی چھوٹا اور سدہا ہوا نہ تھا اس نے اس کو سدہانا اور شکار پر جھپٹنا جو سکھانا چاہا تو اس کا طریق یہ اختیار کیا۔ کہ گھر میں مرغی کے نکالے ہوئے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ باز کی آنکھیں جو کھولتا تو ان بچوں پر چھوڑ دیتا۔ باز اس کے ہاتھ سے پرواز کر کے ایک آدھ مرغی کا بچہ جا دوچتا۔ کچھ عرصہ اسی طرح مشق ہوتی رہی جب باز والے کو یقین ہو گیا کہ یہ جانوروں پر جھپٹنا اور شکار کھیلنا سیکھ گیا ہے۔ تو اس نے اس سے دوسرے پرندوں کے شکار کا بھی کام لینا چاہا۔ اور باہر جنگل میں جا کر اسے چھوڑا۔ مگر باز تھا گھر کی مرغی کے بچوں پر سدہا ہوا۔ اس نے تیزی سے پرواز کر کے گھر کو لوٹ کر مرغی کا ایک بچہ آن دوچا۔ اور یہی کچھ فن تھا جو باز صاحب سیکھ سکے۔ بعینہ یہی حال ان علماء اسلام کا ہے۔ جنہیں چاہئے تو یہ تھا۔ کہ مشرکین پر۔ آریہ سماجیوں پر۔ عیسائی مشزیوں پر جھپٹتے۔ مگر لے دے کہ جب انہیں شکار کی سوچھی فوراً پرواز کی اور فرزند ان اسلام پر آناخن تیز کئے اور شرعی مسائل سے پھیرنے کی تاک لگالی۔ اللہ کریم ان کے حال پر رحم فرمائے۔ کیا انہیں اتنا بھی علم نہیں کہ دعا مانگنے کے احکام کیا ہیں اور اس کے لئے موقع و محل کی کوئی تخصیص کتاب اللہ جل شانہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آئی ہے یا نہیں اور یہ کون سا فرضی مسئلہ ہے جس کی تحقیق کے لئے یہ مرد میدان ہو کر نکلے اور چاہتے ہیں کہ عوام کو اس گناہ کبیرہ سے نجات دلا دیں اور اگر ان کے دین کا انحصار اسی پر ہے۔ تو لیجئے کتاب کی

بساط و حجم کے مطابق مختصراً جواب عرض ہے پڑھ لیجئے۔ اور عوام کو مغالطہ نہ
 دیجئے آپ نے بڑی ہمت صرف کر کے اور بڑے دعوے کے ساتھ کتاب
 مراسم المرتحلین میں صفحہ ۷۳ پر لکھا ہے :-

”نماز جنازہ پڑھ کر دعا مانگنے کا ثبوت نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 سے ملتا ہے اور نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اور نہ
 تابعین و ائمہ مجتہدین و اسلاف متقدمین سے۔ اس لئے یہ بے
 ثبوتی دعا بالکل بے اصل و مکروہ و ممنوع ہے اور اس کو ثواب جانتا
 بدعت ہے۔“ ملخصاً

پھر صفحہ ۲۸ پر لکھا ہے کہ :-

جو کام خیر القرون کے بعد ثواب سمجھ کر ایجاد کیا جائے وہ بدعت ہوتا
 ہے اس لئے یہ رسمی دعا بعد جنازہ یقیناً بدعت سیئہ ہے۔“

یہ عبارت بظاہر بہت سیدھی سادھی ہے جس کو عوام جب سنتے ہیں تو فوراً
 تردد میں پھنس جاتے ہیں۔ کہ اتنا عرصہ سے جو لوگ اس کام کو کرتے رہے
 ہیں وہ سب کے سب یقیناً گناہ کرتے رہے ہیں جب یہ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوتا ہی تو اس کے منع کی دلیل ہو سکتی ہے لہذا بالکل
 نہ کرنا چاہئے۔ حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت کے لئے یہ
 ضروری نہیں کہ خاص اس امر کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہو بلکہ عام اجازت ہو
 تو وہ خاص امر اس عام اجازت میں داخل ہو کر جائز سمجھا جاتا ہے ایسا ہی
 کسی امر کے متعلق خاص حکم کا نہ ملنا اس کے منع پر دلالت نہیں کرتا۔ مثلاً
 کسی حدیث میں سوذا دائر، لیونیڈ، کیک، چائے، بسکٹ وغیرہ کھانے پینے کے

لئے نام لے کر اجازت نہ دی گئی ہو تو محض یہاں نام نہ لئے جانے سے یہ
 چیزیں منع نہ ہوگی۔ جب تک صریح ان کی ممانعت کا ثبوت نہ ہو۔ بلکہ یہ
 ثابت ہو جانا بھی کہ فلاں چیز یا فلاں بات حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ
 تھی اس چیز کے منع یا مکروہ ہونے کو ثابت نہیں کرتا۔ جب تک کوئی کھلا ہوا
 حکم اس کے ممنوع یا مکروہ ہونے کا ثابت نہ ہو جائے۔ علامہ سرخی رحمۃ
 اللہ علیہ مبسوط کی جلد ۳ صفحہ ۲۵ میں لکھتے ہیں۔ ان ماتعارفہ الناس
 لیس فی عینہ نص یبطلہ فہو جائز۔ یعنی جو کام لوگوں میں متعارف ہو اور
 کوئی نص خاص اس کے بطلان میں نہ پائی جائے تو وہ جائز ہے۔ مثلاً کوئی
 انجمن تبلیغی بنانا۔ اس کے ممبر چننا۔ ان سے ماہوار چندہ لینا۔ پھر اس روپیہ
 سے رسالوں کی صورت میں ٹریکٹ اور اخبارات وغیرہ شائع کرنا یقینی طور پر
 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ تو گویا آپ کے اجتہاد کے
 ماتحت یہ بدعت مہینہ اور مکروہ و ممنوع ہوگا۔ حالانکہ اس کے مکروہ یا ممنوع
 ہونے کو بھی کوئی کھلا حکم ثابت نہیں کرتا۔ جس طرح آپ کے رسائل و
 اخبارات و چندے۔ بدعت، حرام، بے اصل اور مکروہ نہیں رہے۔ رمضان
 شریف میں افطاری و سحری کے وقت نوبت بجانا۔ مطبوعہ قرآن کریم کی
 تلاوت، معرب قرآن کریم کا مطالعہ۔ پریس کی ہلیشوں پر طبع شدہ حدیث
 وفقہ کی کتابیں کتب مدنیہ کا بیہشت کذائیہ لکھنا وغیرہ وغیرہ حدیث سے
 ثابت نہیں۔ اور نہ اس کے لئے کوئی حکم موجود ہے۔ کہ ایسے قرآن کریم کی
 طباعت و تلاوت یا ایسی کتب کا مطالعہ حرام ہوگا۔ پھر بتائیے اسے کس حکم
 کے ماتحت جائز کر لیا گیا ہے جس کے لئے حضور علیہ السلام سے کوئی ثبوت

ہی طباعت کتاب اللہ و جمع حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں مگر اس کے لئے تو اب کوشش سے بھی کسی تاویل کو کام میں لایا جائیگا اور جواز و مستحسن ہونے کی راہ نکالی جائے گی۔ کیونکہ یہ کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ ہے دعائے بعد جنازہ تھوڑی ہے۔ جو اپنے دماغی دھکوسلوں کے ماتحت علمائے اہلسنت و الجماعت کی مخالفت کرنے کے لئے (خواہ ثابت ہی ہو) حرام بدعت، بے اصل اور مکروہ کر دی جائیگی۔

ذرا غور کا مقام ہے کہ ایک فعل سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے واقع نہیں ہوا۔ جس کے وقوع کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں اب جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ حضور اقدس سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً اس سے پرہیز فرمایا ہے ہم اس فعل کے چھوڑنے میں اتباع کیسے کر سکتے ہیں۔ اگر ہم قصداً اس فعل کو ترک کر دیں گے اور اس کے عمل کرنے سے بچ جائیں گے تو ہمارا اتباع کرنا اس صورت میں صحیح ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس فعل کا ترک بالقصد ثابت نہیں۔ تو پھر ہم نے اتباع نہ کیا بلکہ وہ فعل کیا جو رسول اللہ علیہ السلام سے ثابت نہ تھا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کسی فعل کو محض ترک کرنا اور ہمارا اس سے قصداً بچنا واضح طور پر ثابت کرے گا۔ کہ ہم نے وہ کام کیا جو ہمارے اسلام (فداہ امی والی) علیہ السلام سے ثابت نہیں۔

اب تحقیق طلب بات یہ ہے کہ اگر بالفرض اس دعاء بعد جنازہ کا ثبوت حدیث میں نہیں ہے تو کیا اس کے ممنوع ہونے کا کوئی حکم کسی حدیث سے پائیے ثبوت کو پہنچتا ہے۔ کہ بعد نماز جنازہ دعا نہ مانگنا چاہئے۔ اور اگر

کوئی ثبوت ممانعت بھی نہیں تو پھر منع کرنے والے کو منع کرنے کا کیا حق ہے۔ پھر تو وہ خود وہ کام کر رہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ یعنی اس سے منع کرنا پھر ایک بات اپنے دل سے تراش کر قرآن کریم۔ احادیث رسول کریمؐ اور سلف صالحین کے ارشادات، کے خلاف جانا اور اس کو معترضانہ رنگ میں پیش کرنا کوئی امانت و دیانت ہے سچائی کی کوئی رمق تو اپنے کلام میں آنے دیجئے طوفان جوڑنا اور بہتان باندھنا بھی کوئی قابلیت اور محققیت ہے جس دین و ملت کے پیشواؤں کی یہ حالت ہو کیا وہ قوم بھی کسی منزل پر پہنچے گی اور اس کا انجام بہتر ہو سکے گا خدا کے لئے اپنے اس حال پر بھی اور قوم کے حال پر بھی رحم فرمائیے۔ سچائی سے محبت پیدا کیجئے صدق و دیانت سے رشتہ جوڑیئے اور تبلیغ احکام الہی میں راست بازی کو کام میں لائیے۔ دنیا چند روزہ ہے اس کے حصول میں عاقبت کو خطرے میں نہ ڈالئے۔ عوام میں پہلے ہی دین کی جانب سے بہت سے جملہ بھی جری ہو گئے ہیں وہ دین کی قطع و برید میں اس قدر شغف رکھتے ہیں کہ ایماندار مسلم کو مذہب کی طرف سے بد دل کر دینا ایک فرض منصبی خیال کر لیا گیا ہے اور ان کے نزدیک اسلامی زندگی کی تحقیر فخر ہو گئی ہے پھر اس سونے پر سہاگے کا کام یہ ٹھکنی تبلیغ جب کریگی تو کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ لہذا ہٹ اور ضد کو چھوڑ کر اور تعصب کی عینک اتار کر مندرجہ ذیل دلائل کا مطالعہ فرمائیے۔ انشاء اللہ العزیز حق نظر آجائے گا بشرطیکہ دل میں انصاف ہو ورنہ متعصب غالی کے لئے تو معجزہ شق القمر بھی غیر مفید ہے۔

طلب دعا کے لئے حکم الہی اور اس کی مختصر تشریح

آیت اول :- اذعونی استجب لکم رب العزت نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو۔ دعا مانگو۔ میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا یہ حکم مطلقاً فرمایا گیا ہے نہ اس میں دعا مانگنے کو کسی وقت کے ساتھ مقید فرمایا ہے۔ اور نہ اس امر کے لئے کسی موقع و محل کی تخصیص کی گئی ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر وقت ہر گھڑی دعا مانگنے کی اجازت ہے جتنے وقت اس تعمیم کے لحاظ سے دعا مانگنے کے ہو سکتے ہیں ان میں ایک وقت بعد جنازہ بھی ہے جن لوگوں کا مقصود اس وقت کو مستثنیٰ کرنا ہے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس کا مستثنیٰ ہونا بیان کریں اور اپنے دعوے کا ثبوت دیں ورنہ اپنے اطلاق کی وجہ سے دعائے بعد نماز جنازہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہوگی۔ پھر کسی خاص معاملے میں عدم ورود کے کیا معنی۔ یہ استناد اگر ہوگا تو ایسا ہوگا کہ زید کے اگرچہ قرآن کریم میں اقموا الصلوة وغیرہا بصیغہ عموم وارد ہے۔ مگر خاص میرا نام لے کر حکم کہاں ہے تو مجھ پر فرضیت نماز کا ثبوت نہیں۔ اس کا جواب یہی ہوگا۔ کہ جب عام نازل تو تو بھی داخل۔ اگر مدعی خرد ہے تو خروج ثابت کر۔ غرض ایسا مکابہ تو سوائے مجبوظ الحوائی اور جنوں کے کیا ہوگا۔

آیت دوم :- اذعور بکم تضرعاً وخیفۃ۔ دعا مانگو اپنے رب سے عاجزی

کرتے ہوئے۔ گڑگڑا کر اور آہستہ۔ اس آیت میں بھی حکم مطلق ہے جو تمام مومنین کے لئے عام ہے۔ اور کسی وقت مخصوص کی قید نہیں لہذا یہ آیت کریمہ بھی بلا تقید اپنے اطلاق میں بعد نماز جنازہ کو بھی شامل ہے کیونکہ نصوص شرعیہ آہستہ و حدیث کا ارسال مطلق ہے جن میں کسی زمانے کی تقید و تہدید نہیں۔ کہ فلاں وقت تو مستحب و مشروع ہے۔ اور فلاں وقت ناجائز و ممنوع۔ مفصل بحث آگے آئیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

آیت سوم :- اجیب دعوة الداع اذا دعان۔ قبول فرماتا ہوں میں دعا۔ دعا کرنے والی کی جب وہ دعا کرے۔ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں کہ پانچتا ہوں میں پکارنے والے کی پکار کو جو جس وقت مجھ کو پکارتا ہے۔ یعنی دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ جب وہ مجھ کو پکارے۔ اس ارشاد باری تعالیٰ میں بھی عام اجازت دعا بلا تخصیص وقت ہے جب بھی اس کی بارگاہ میں مانگی جائے۔ منع نہیں نہ بعد نماز جنازہ کا وقت اس حکم سے باہر ہے اور نہ اس کی ممنوعیت کی کوئی دلیل ہو سکتی ہے۔ انہی قرآنی آیات کے ماتحت سرکار دو عالم نبی مکرم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا مانگنے کا ارشاد فرمایا ہے ان ارشادات سے بھی واضح ہو جائے گا کہ دعا بعد نماز جنازہ کا کیا حکم ہے۔ اور کیا کوئی وقت ایسا بھی ہے جس میں طلب کرنے سے منع فرمایا گیا ہو۔ لہذا احادیث ملاحظہ ہو۔

حدیث اول :- حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ لقد بارک اللہ لوجل فی

حاجتہ اکثر الدعاء فیہا۔ البیہقی فی الشعب والخطیب فی التاریخ
من جابر رضی اللہ عنہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے برکت رکھی آدمی کی اس
حاجت میں جس میں وہ دعا کی کثرت کرے۔

حدیث دوم :- حدیث حسن میں تصریحاً ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ہے۔ اطلبوا الخیر دھر کم کلما و تعرضوا للنفحات ورحمۃ اللہ فان للہ
نفحات من رحمۃ یصیب بہا من یشاء من عبادہ فرمایا ہر گھڑی ہر وقت
عمر بھر مانگے جاؤ۔ اور تجلیات رحمت الہی کی تلاش رکھو۔ کہ اللہ عزوجل کے
لئے اس کی رحمت کی کچھ تجلیاں ہیں۔ کہ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے
پہنچاتا ہے۔

حدیث سوم :- فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اذا مثل احدکم
فلیکثر فانھا یسئال ربہ ابن حبان فی صحیحہ والطبرانی فی الاوسط
عن ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ عنہا بسند صحیح یعنی جب تم میں
سے کوئی شخص دعا مانگے تو کثرت کرے کہ اپنے رب سے مانگ رہا ہے۔ یہ
حدیث سوال اور مسئلہ دونوں میں تکثیر کی طرف ارشاد فرماتی ہے۔ مسئلہ
میں یوں کہ بہت کچھ مانگے بڑی چیز مانگے کہ آخر اپنے رب قدر سے سوال
کرتا ہے۔ اور سوال میں یوں کہ بار بار مانگے بکثرت مانگے کہ آخر کرم سے
مانگ رہا ہے۔ وہ تکثیر سوال سے خوش ہوتا ہے بخلاف ابن آدم کے کہ بار
بار مانگنے سے جھجھلا جاتا ہے اور تنگ ہوتا ہے۔

حدیث چہارم :- حضور علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اذا مات

الانسان انقطع عنہ عملہ الہ من ثلثۃ الامن صدقۃ جاریتہ او علم
ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ یعنی جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل
منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین عمل بند نہیں ہوتے صدقہ جاریتہ۔ یا علم کہ اس
کے مرنے کے بعد اس سے نفع حاصل کیا جائے۔ یا اولاد صالح کہ اس کے
لئے دعا کرے۔ اس حدیث میں میت کے لئے دعا کا نافع ہونا مذکور ہے لیکن
یہ دعا کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں خواہ جنازہ سے پہلے ہو یا پیچھے۔ اور
ماتین دعا کے لئے اس میں عجیب طرح رغبت ہے کہ میت کے نفع پہنچانے
کو ہر وقت دعا مانگنا شروع کر دیں اور میت کی منفعت کو مد نظر رکھیں۔

حدیث پنجم :- سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ اذا
فرغ احدکم من صلوۃ فلیدع الخ بیہقی عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ
مرفوعاً۔ یعنی جب کوئی تم میں سے نماز سے فارغ ہو۔ تو چاہئے کہ دعا
مانگے اب قابل غور مسئلہ یہ ہے۔ کہ نماز جنازہ نماز ہے یا نہیں۔ اور مانعین
دعا اس کو دعا سمجھ کر اسی نیت سے ادا کرتے ہیں یا نماز جان کر۔ اور اگر نماز
ہے اور یقیناً ہے تو نماز سے فراغت ہونے پر دعا مانگنے کا ارشاد ہے۔ اس
سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر دعا مانگنا مندوب ہے اگر نہ
مانگی جائے گی تو اس حدیث کا خلاف لازم آئے گا۔ اور یہ جاننے کے لئے کہ
نماز جنازہ نماز ہے کہ نہیں۔ بخاری کو دیکھئے جس میں ارشاد ہے۔ سماھا
صلوۃ لیس فیہا رکوع ولا سجود۔ نام اس کا نماز ہے پر اس میں رکوع و
سجود نہیں ہے تو یہ حدیث اپنے عموم کے باعث نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے
کی احسن دلیل ہے۔

یہ تو مختصراً مطلق حکم دعا عرض کیا گیا جس سے دعائے بعد نماز جنازہ ہر طرح جائز و ثواب معلوم ہوتی ہے اور ان عبارات سے مترشح ہوتا ہے کہ ایسی دعا کے لئے کوئی شرعی ممانعت نہیں بلکہ اجازت ثابت ہوئی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ دعا ان عبادات سے نہیں ہے۔ جن کا کرنا کسی مکان یا زبان میں ممنوع شرعی ٹھہرا ہو۔ لہذا کامل طور پر نفس مسئلہ دعا بعد نماز جنازہ کے وہ شرعی دلائل بھی لکھ دوں جن سے یہ پتہ چل جائے کہ دعا بعد نماز جنازہ حدیث سے ثابت اور متقدمین اسلام و بزرگان دین کا فعل ہے۔ اور مانعین دعا سوائے اس کے نہیں کہ محض ناواقفیت یا جہالت سے کام لے کر اپنی لیاقت کی اشتہار بازی کرتے ہیں اور اس موضوع کو اپنی تشہیر کا ذریعہ بنانے میں کوشاں ہیں۔ ورنہ اس کی حقیقت و اہمیت اتنی نہیں۔ جس قدر بات کا بتلوا دیا جاتا ہے۔ چونکہ مذہب ائمہ کا یہ تھا۔ کہ تجنیز و تکفین میت میں تاخیر سے کام نہ لیا جائے بلکہ جلدی کی جائے جیسا کہ فتح القدر اور مرقات و مراقی الفلاح حاشیہ طحطاوی وغیرہ کتب معتدہ میں ہے۔ مستحب الا سراع بتجهيزه كذا من حال موتہ الى ان یدفن۔ اور حد اسراع کی بحر الرائق وغیرہ میں یہی لکھی ہے کہ میت تقفن اور بدو نہ چھوڑ دے۔ کہ اس میں میت کا احتقار اور سبے عزتی ہوتی ہے۔ اس قبیل اور اس کی علت پر نظر کر کے بعض علمائے کرام مثل صاحب بزازیہ اور محیط برہانی وغیرہ نے لکھ دیا۔ کہ لا يقوم الرجل بالدعاء بعد صلوة جنازة لانه دعا مرة لان اكثر صلاة الجنازة دعاء۔ یعنی کہ جب صلوات جنازہ معنوی لحاظ سے دعا ہے۔ تو اب دوسری دعا کی حاجت نہیں دفن میت میں جلدی کریں۔

اور بزيادة في الجنازة کی تشبیہ و توجیہ رکھ کر کافی شرح وانی اور قنیدہ وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ ظاہر ہے۔ کہ مشابہ بزیادت کا یہاں کوئی امکان نہیں اور اگر فرض کر لیا جائے کہ ہو سکتی ہے جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے تو اس صورت میں ہو سکتی ممکن ہے۔ کہ جنازہ کی صفیں بدستور کھڑی رہیں اور کھڑے کھڑے قبلہ رو دعا مانگیں۔ پھر اگر بیٹھ کر یا صفوف توڑ کر آگے پیچھے ہو جائیں اور دعا مانگیں تو مشابہ بہ زیادت نہیں ہاں یہ ہو سکتا تھا۔ کہ قبل سلام بعد تکبیر چہارم دعا مانگنا مشابہ بزیادت ہوتا۔ لیکن بعض محققین علماء رحمہم اللہ تعالیٰ مثل شیخ ابن الہمام و ابن نجیم و شربانی وغیرہم نے بلکہ صاحب محیط نے بھی بعد تکبیر رابع قبل از سلام دعا کرنے کو مختار و مستحب لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔ حیث قال ثم فی ظاہر الحدیث لیس بعد تکبیر الرابع دعاء وقد اتوا بعض مشائخنا رحمہم اللہ ما یختم بہ سائرہ الصلوة اللهم ربنا اتنا فی الدنیا حسنتہ و فی الآخرة حسنتہ و قنا عذاب النار وقال شمس الانتم رحمۃ اللہ ہو بخیر بین السکوت والدعاء وقال بعضهم بقراء ربنا لا تزغ قلوبنا۔ وقال بعضهم بقراء سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون۔ اور مفتاح الصلوة میں اور اس کے حواشی میں یہ تمام عبارت لکھ کر یہ بھی لکھا ہے۔ کہ اللهم لا تحرنا اجرہ ولا تفتننا بعده واغفر لنا ولہ۔ اور فرمایا کہ خواندن اس ہا مستحب است و آنچه قبل از تکبیر رابع خواند مسنون است۔ جب محققین علماء نے استجاب دعا بعد تکبیر رابع قبل از سلام کو مختار لکھا ہے۔ تو بقوم الرجل بالدعاء بعد صلوة الجنازة کے مدعیوں کی دونوں تعلیلیں بیکار ہو

گئیں۔ اس لئے کہ بالاتفاق نماز جنازہ چار تکبیریں ہے نہ زائد۔ تو جو شخص بعد تکبیر رابع کے قبل از سلام دعا کرنے میں دیر لگاتا ہے۔ تو ہر دیکھنے والا اس پر یقین کر سکتا ہے کہ یہ زیادہ فی الجنازہ کر رہا ہے۔ اور چاہئے یہ تھا کہ بقول معترض نماز جنازہ پر یہ دعا سخت مکروہ ہوتی نہ کہ بعد سلام کے کہ مطلقہ صلات کا باقی ہی نہیں رہا کہ نماز تمام ہو چکی اور قطع ہو گئی اور بھی اسی دعا کو بولا جاتا ہے کہ مکروہ ہے کیونکہ ایک دفعہ دعائے عمدہ جو صلوٰۃ جنازہ اکثر دعائی ہو چکی۔ اب اس کی حاجت نہیں۔ جلد دفن دیں کہ وہ مقصود ہے۔ تو اس دعا کے استحباب کو مختار بنانے سے اس دعوے کی ہر دو علتیں بے جا ہیں۔ بلکہ یہ علت کہ لانا دعویٰ مرۃ بالکل بے معنی ہے۔ جس کی ایک دفعہ دعا کر چکے۔ اب اس کے لئے عمر بھر میں "ثانیاً" دعا مانگنا منع ہے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ابو سلمہ کے دم نکلنے کے بعد یہ دعا پڑھی۔ اللھم اغفر لابی سلمۃ وارفع درجۃ فی المہدین۔ پھر بعد اس کے آپ نے اس کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ کہ ایک دفعہ دعا ہو چکی تھی۔ یا جس کا جنازہ پڑھا جائے اس کے لئے پھر دعا نہ کی جائے تو یہ تعلیل بالاتفاق اہل قبلہ کے مردود ہے تعجب کی بات ہے کہ پھر اس قدر ان علماء نے تعجیل میت کو ہر وجہ سے مد نظر رکھ کر ادعیہ معروفہ سے بھی میت کو محروم کر دیا ہے۔ اور اس طرف خیال تک بھی نہیں کیا کہ میت کی اس تعجیل مفراط میں بھی تحقیر و بے عزتی ہے۔ جو بالاتفاق حرام اور ناجائز ہے۔

اور علمائے محققین نے دونوں جانب کی تحقیر اور بے عزتی لازم آنے سے میت کو بچایا کیونکہ جب میت نے گھر کے اقربا اور عزیزوں کے جس

سے نجات پائی اور محل صلوٰۃ جنازہ میں پہنچ گیا۔ تو اب اس کو خوف متعفن ہونے کا بھی نہ رہا کیونکہ وہ غسل دیا گیا اور خوشبو کیا گیا۔ پھر اس کو تحقیر و بے عزتی عدم فاتحہ و دعا سے بچا کر ساتھ استحباب کرنے دعا کے بعد نماز جنازہ کے سرفراز بھی فرمایا۔ اور فرمایا کہ بعد تکبیر چہارم قبل از سلام کے دعا کرنی مستحب ہے۔ کما ذکرنا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ بعد سلام کے بھی دعا کرنی مستحب ہے چنانچہ زاد الاخرت میں نہر فائق اور بحر ذخار سے لایا ہے۔ کہ بعد از سلام بخوان۔ اللھم لا تحرمننا اجرہ ولا تفتننا بعدہ واغفر لنا ولہ۔ اور اسی پر جمیع علماء و صلحاء اہل سنت و الجماعت کا عمل چلا آیا ہے اور یہی قول محمد بن فضل کا مختار اور رائج ہے۔ اس میں میت کا فائدہ دنیوی و اخروی اور عزت و توقیر اس کی اور اس کے اعز و اقارب اور اہل قبیلہ کی ہے۔ اگر صرف تجیز میں میت کی عزت و توقیر ہوتی تو جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فوراً سپرد زمین فرما دیتے اور تین دن تک نہ رکھتے۔ منتخب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۵۳ میں ابراہیم ہجری سے روایت ہے۔ قال رایت ابن ابی اوفی وکان من اصحاب الشجرۃ ومانت ابنتہ لتبعہا علی بغل خلفہا فجعل النساء یرثین فقال لا ترثین۔ فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن اثناء و لتقبض احد یکن من عبرتہا ما شئت ثم کبر علیہا اربعاً ثم قام بعد ذالک قدر ما بین التکبیرتین بدعوا وقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصنع علی الجنائز ہکذا۔ (ابن النجار)

ابراہیم ہجری کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ

کو دیکھا۔ جو اصحاب شجرہ میں سے تھے۔ کہ ان کی بیٹی فوت ہو گئی تو وہ ایک
 خچر پر سوار ہو کر اس کے پیچھے گئے تو وہ عورتیں مرہیہ کنا شروع ہو گئیں یعنی
 میت کی تعریف کر کر کے رونے لگیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ مرہیہ نہ کرو۔ کہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرہیہ سے منع فرمایا ہے۔ ہاں آنسو جس
 قدر بہانا چاہو بہاؤ۔ پھر اب ابی اونی صحابی نے (اپنی بیٹی کے جنازہ پر) چار
 تکبیریں کیں۔ یعنی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر اتنی دیر کھڑے ہو کر دعا مانگتے رہے
 کہ جس قدر دو تکبیروں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح جنازوں پر کیا کرتے تھے۔

اس حدیث سے صاف طور پر دعا بعد نماز جنازہ ثابت ہو گئی اور معلوم
 ہو گیا کہ حضور علیہ السلام خود دعا مانگا کرتے تھے کیونکہ اس حدیث میں جو
 لفظ ثم آیا ہے یہ اہل اصول کے نزدیک تراخی یعنی مصلحت کے لئے آتا ہے جو
 اس امر کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ کہ بعد نماز جنازہ متقدمین و صحابہ میں دعا
 مانگی جاتی تھی۔ اور طبرانی میں ہے۔ عن العرباض رضی اللہ عنہ مرفوع
 عامن صلی صلوٰۃ فریضتہ فلہ دعوة مستجابۃ۔ یعنی رسول کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص فرض نماز پڑھے (پھر دعا مانگے) اس کی دعا
 مقبول ہوگی۔ امام منادی شرح جامع صغیر میں اس حدیث کی شرح یوں فرماتے
 ہیں۔ فلہ داعی عقبہا دعوة مستجابۃ۔ یعنی فرض نماز پڑھ چکنے کے بعد
 جو دعا مانگی جائیگی وہ مقبول ہوگی۔ یہ تشریح اس امر پر دلیل ہے کہ نماز جنازہ
 بھی چونکہ فرض نماز ہے اس لئے اس کے بعد بھی دعا مانگنا قبولت کی یقینی
 حیثیت رکھتا ہے۔ اور عام کتب فقہ میں بھی اس کے جواز پر ہی فتوے ہے

چنانچہ کشف الغطاء میں بعد ذکر عبارت قنہ وغیرہا لکھا ہے کہ فاتحہ و دعا
 برائے میت پیش از دفن درست است و ہمیں است روایت معمولہ کذا فی
 الخلاصۃ الفقہ یعنی فاتحہ و دعا میت کے واسطے جنازہ کے بعد دفن کرنے سے
 پہلے درست ہے اور یہی روایت معمولہ خاصۃ الفقہ میں ہے۔ اس پر علامہ
 شامی افادہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ فتویٰ یعنی ہمیں است روایت معمولہ قوت و
 شوکت میں علیہ الفتویٰ وہ ہفتی کے برابر ہے۔

جوہر النقی صفحہ ۲۷۷ جلد اول میں ہے۔ عن نافع قال ابن عمر اذا
 انتہی الی الجنازہ قد صلی علیہ دعا و انصرف ولم بعد الصلوٰۃ۔ یعنی
 نافع فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب کسی جنازہ پر نماز ہو
 جانے کے بعد آتے تو صرف دعا کرتے اور واپس آجاتے۔ نماز کا اعادہ نہ
 کرتے اس حدیث سے بھی بعد نماز جنازہ دعا مانگنا ثابت ہوتا ہے۔ ابن ماجہ و
 ابو داؤد میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اذا صلیتم
 علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء۔ کہ جب تم نماز جنازہ پڑھو یا پڑھ چکو تو
 میت کے لئے خاص دعا کرو۔ اس حدیث سے نماز جنازہ میں اور بعد نماز
 جنازہ کے دونوں وقت دعا مانگنے کی اجازت ہے بلکہ بعد نماز جنازہ قریب الفہم
 ہے کیونکہ فاخلصوا کی فاجو تعقیب کے لئے ہوتی ہے اس پر قوی قرینہ ہے
 اہل اصول نے لکھا ہے کہ فاحرف تعقیب کے لئے آتا ہے جس کا مطلب یہ
 ہے کہ جب نماز جنازہ پڑھ لو تو اس کے بعد بلا مصلحت میت کے لئے دعا کرو۔
 جس طرح حدیث اذا صلیتم الفجر فلا تناموا میں اذا فرغتم عن
 صلوٰۃ الفجر مراد ہے۔ اسی طرح اذا صلیتم للمیت میں اذا فرغتم عن

الصلوة على الميت مراد ہے۔ یعنی جب میت پر نماز پڑھنے سے فراغت پاچکو۔ تو میت کے لئے خالص دعا کرو۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ بعد نماز جنازہ دعا مانگنا ثابت نہیں ایک سخت ترین غلط فہمی ہے اور دعائے بعد نماز جنازہ بصراحت ثابت ہو گئی۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ثانی ہندی صفحہ ۳۲۲ اور کشف الغمہ عن جمیع الامم جلد ثانی مصری صفحہ ۳۲ پر بھی موجود ہے عن انس رضی اللہ عنہ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجنازہ فلما قام یکبر سنال صلی اللہ علیہ وسلم هل علی صاحبکم دین قالوا نعم دینا وان فعدل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال صلوا علی صاحبکم فقال علی رضی اللہ عنہ دینہ علی یا رسول اللہ یری منها لفقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصل علیہ ثم قال لعلی رضی اللہ عنہ جزاک اللہ خیرا فک اللہ رھانک کما فککت دھان اخیک انہ لیس من میت بموت و علیہ دین الا وھو مرتھن بدینہ ومن فک دھان میت فک اللہ رھانہ یوم القیامتہ فقال بعض القول یا رسول اللہ هذا لعلی خاصتہ ام للمسلمین عامتہ قال ہل للمسلمین عامتہ۔

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا جب آپ تکبیرات جنازہ کہنے لگے تو آپ نے پوچھا کیا تمہارے دوست پر کوئی قرض تو نہیں سب نے کہا ہاں (صرف دو دینار اس پر آپ نے اس کی جانب سے منہ پھیر لیا اور فرمایا اپنے رفیق کا تم خود ہی جنازہ پڑھو۔ تو علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کی ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس کا قرض میرے ذمہ رہے دیجئے وہ ان دو دیناروں کی قید سے بری ہوا تو آپ آگے بڑے اور اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی پھر حضرت علی کے حق میں جزائے خیر کے لئے دعا فرمائی ”اللہ تمہیں بھی اسی طرح دوزخ کی آگ سے نجات دے جس طرح تم نے اپنے بھائی کو نجات دلائی کیونکہ ہر مردہ جو کچھ قرض چھوڑ مرے تو وہ اپنے قرض کی قید میں ہوتا ہے جو اپنے چل بے ہوئے بھائی کی جان کو قرض سے آزاد کرے تو اللہ کریم اسے قیامت کے دن نجات بخشیں گے۔ اب کچھ لوگوں نے عرض گردانی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ معاملہ حضرت علی کے لئے خاص ہے یا مسلمانوں کے لئے عام ہے آپ نے فرمایا مسلمانوں کے لئے بھی کشف الغمہ میں ہے صفحہ ۲۲، ۲۳۔ جلد ۲

اس حدیث میں تو بعد تمام کرنے نماز جنازہ کے دعا کرنی اسی مقام اور بواقی وعظ و نصیحت و تعلیم و تعلم مخاطبین و موجودین کو بھی مذکور ہے۔ بھلا کیا اب بھی کہا جاسکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس قدر دعا بعد جنازہ کے کی ہے یا اور مواعظ و علم بیانی اور صحابہ نے بھی اس قدر کلام و گفتگو کی یہ سب حرام و شرک ہے۔ نعوذ باللہ۔ یا اس میں مشابہت تکبیرات اربعہ پر زیادتی کرنے والوں کی ہے یا ایک دفعہ جنازہ کی دعا ہو گئی تھی پھر اس کی حاجت نہ تھی۔ اور جلدی میت کو اٹھا کر قبر میں ڈال دیتے۔ خداوند عزوجل ایسے مدعیوں کو ہدایت دے۔ جو ارشادات و اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بڑی بیباکی سے جھٹلانے کی سعی کرتے رہتے ہیں۔

مبسوط جلد دوم صفحہ ۶۷ میں علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

جنازے پر آئے۔ تو جنازہ ہو چکا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ ان سبقتونی
بالصلوة علیہم ولا تسبقونی بالدعاء لہ۔

..... یعنی اگر نماز جنازہ تم مجھ سے پہلے پڑھ چکے ہو تو اب دعا کے ساتھ
مجھ پر سبقت نہ کرو۔ یعنی مجھے دعا میں تو شامل کر لو۔ کس قدر واضح اور کھلا
ہوا حکم ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد نماز جنازہ اس زمانہ میں بھی دعا
مانگی جاتی تھی جس میں شمولیت کے لئے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ
عنہ اپنی تمنا کا اظہار فرماتے رہیں ہیں۔

کیا دعا بعد نماز جنازہ مانگنے میں اب کوئی کسر ہے کہ اہل ہوا مسلمانوں
کو لفظی تاویلوں میں ڈال کر متوفیوں کو بغیر دعا کے قبر میں چھینکنے کی ترغیب
دیتے رہیں گے۔ مسئلہ فی نفسہ بالوضاحت ذکر ہو چکا ہے۔ اب ضد و تعصب
میں بے معنی ڈھکوسلے مارنا اور (میں نہ مانوں) کا ورد کرنا ایک جداگانہ چیز ہے
حق ظاہر ہونے کے بعد وہی شخص انکار کرے گا۔ جس کو نیکی کی توفیق رفیق
نہ ہوگی۔ اہل سنت و الجماعت بفضلہ تعالیٰ اس پر عامل ہیں اور رہیں گے۔

فالک فضل اللہ علینا و علی الناس ولكن اکثر الناس لا يشکرون۔

پکی قبر اور اس پر گنبد بنانے کا حکم شرعی

خدا کی قدرت ہے کہ عبدالوہاب نجدی کے متبعین اور ہم عقیدہ
لوگوں کو خدا کے نیک بندوں اور ان کے ہر ایک نیک فعل سے ایک خاص
قسم کی کد ہے۔ جائز ہو یا مستحسن۔ جو ایک بزرگ سے متعلق نظر آئے ان
کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اہل دین میں مقبول نہ ہونے پائے۔ بات وہی
جائز سمجھی جانی چاہیے جو ہم کہیں یا ہماری قلم سے نکلے۔ خدا اس حسد کا برا
کرے۔ کیا کیا چالیں سکھاتا ہے۔ اور کس طرح پڑھے لکھوں کو بھی حق سے
پھیر دیتا ہے۔ قبر پختہ بنانے کا عمل بھی چونکہ اہل اسلام نے خدا کے مقبول
بندوں اور اہل اللہ کے لئے ہی خاص کر رکھا تھا۔ اور ان مقترضین کی قبروں
پر گنبدوں کی بجائے کبھی کسی چیل کا سایہ بھی نہ ہوا۔ لہذا حسد میں آکر اس
مسئلہ پر بھی بڑبڑانے لگے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اپنے اعمال کو درست کرتے
اور اپنے آپ کو گنبدوں کے قابل بناتے مگر جب یہ توفیق نہ حاصل ہوئی۔ تو
لگے کبڑی بڑھیا کی طرح سیدھی کمر والوں کا حسد کرنے۔ تاکہ جس نظر سے
خلق خدا میں ہم دیکھے گئے ہیں یہ بھی دیکھے جائیں۔ مگر یہ کیسے ہو۔ ہمیشہ حق
حق ہوتا ہے۔ اور باطل باطل مقترضین جب اس قابل نظر ہی نہ آئیں۔ تو
لوگ ان کی قبروں پر چراغ کیوں جلائیں۔ اور تہ و گنبد کیوں بنائیں۔ یہ
تکرمیم تو خاصان خدا کا حصہ ہوتی ہے۔ اور قبر پختہ بنانا وہ فعل ہے۔ جو ایک
آدھ فرد نہیں بلکہ بے شمار حقدارین اہل اسلام کا فعل ہے۔ جسے انشاء اللہ

ثابت کر دیا جائے گا مگر اس کا کیا علاج

شور بختال بہ آرزو خواهند مقبلوں را زوال نعمت و جاہ
گر نہ بسند یروز شہرہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

معرض صاحب کو تو ابھی دنیا پر تشریف لائے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے۔ اور یہ عمل اہل اسلام میں ان کی پیدائش سے پہلے کا پایا جاتا ہے۔ کیا اس نے نہیں دیکھا کہ یہ جس قدر شاہان اسلام کے عہد میں اولیاء اللہ یا اکابر مسلمین کی قبریں بنی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ کیا یہ سب شاہان اسلام نعوذ باللہ حرام فعل کرنے والے۔ ناجائز کے مرتکب اور بدعتی تھے۔ یا اس زمانہ میں کوئی عالم ان کو شریعت کا حکم سکھانے والا موجود نہ تھا۔ کیا سب کے سب لوگ جاہل تھے یا معرض سے کم علم رکھتے تھے۔ جو انہوں نے اپنی جمالت کے ماتحت اپنے پیٹواؤں علماؤں اور صوفیوں کے اتنے اتنے بڑے گنبد اور مقبرے بنائے۔ مثلاً "بانی اسلام تاجدار کائنات احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر" حضرت فاروق اعظم" حضرت عثمان" حضرت علی المرتضیٰ" حضرت حسین" حضرت موسیٰ" کاظم" حضرت ابوالیوب" انصاری حضرت امام اعظم" حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی" حضرت امام ربانی مجد الف ثانی" حضرت بہاؤ الدین نقشبند" حضرت شاہ بو علی قلندر" حضرت شاہ شرف قلندر" حضرت سید حسن" رسول نما دہلوی" خواجہ قطب الدین" بختیار کاکی دہلوی" حضرت گنج بخش" علی ہجویری لاہوری" حضرت میاں میر لاہور" شاہ خیر الدین" ابوالعالی لاہوری" شاہ محمد غوث" صاحب

لاہوری" میراں مونج" دریا لاہوری" شاہ جہانگیر بادشاہ" شاہ امام علی الحق سیالکوٹی" حضرت غوث بہاؤ الدین" زکریا ملتانی" حضرت شاہ رکن عالم نوری ملتانی" حضرت شاہ شمس تبریز ملتانی" حضرت مخدوم و شاہ جمال ملتانی" حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند معین الدین" اجیری" حضرت خواجہ نظام الدین" محبوب الہی دہلوی" شاہ ہمایوں" خواجہ فرید الدین گنج شکر انجودھنی پاکپٹنی۔ اور ان کے علاوہ ایسی بے شمار اور ہستیاں غلامان رسول اللہ کی ہیں جن کے مقابر پر گنبد اور قبہ جات ان شاہان اسلام نے بنوائے۔ جن کی ادنیٰ ترین خدمت اسلام مولوی صاحب ملتانی جیسے اہل علم کو فقہی مسائل سکھانے کے لیے فتاویٰ عالمگیری کی صورت میں آج بھی موجود ہے۔ ان کو نہ کسی نے منع کیا اور نہ وہ خود ہی اپنے اتقا کے ماتحت یہ معلوم کر سکے۔ کہ یہ فعل ناجائز ہم کیوں کر رہے ہیں۔ بلکہ بقول مولوی صاحب تمام عمر نعوذ باللہ یہ ناجائز عمارتیں بنا کر گناہ کا ہی ارتکاب کرتے رہے۔ مذکورہ بالا مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔ حدود ہند سے باہر نکل کر پتہ چلتا ہے۔ کہ متقدمین نے بقول معرض یہ ناجائز فعل کس افراط سے کیا ہے۔ اور کون کون علمائے دہر سے ان کی اس بدعت میں اعانت فرماتے رہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ اللہ کریم ایسے مریض القلب مسلمانوں کو توفیق تحقیق رفیق فرمائے۔ تاکہ یہ بات کرنے سے قبل اپنی بے بضاعتی معلومات پر غور کر لیا کریں پھر متقدمین اسلام کے حق میں زبان طعن کھولیں۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولوی ملتانی صاحب یا تو ہندوستان اور بیرونی ممالک اسلامیہ کی ایسی عمارت سازی سے قطعاً ناواقف ہیں۔ اور زمانہ میں

بے چاروں نے لے دے کے ملتان کے سوا اور کچھ دیکھا ہی نہیں یا اگر دیکھا ہے۔ تو جان بوجھ کر اعتراض کر رہے ہیں۔ اور محض ہٹ دھرمی سے لکھ رہے ہیں کہ:

”قبروں کو پکا بنانے یا ان پر قبہ وغیرہ بنانے نبی پاکؐ و صحابہ کرامؓ و سلف صالحین سے بالکل ثابت نہیں۔ بلکہ مخالفت رسول مقدس صلعم و سلف صالحین ہے۔ اس لئے قطعاً حرام و ناجائز ہے۔ بلکہ مال کی اصنامت اور رسول خدا کی مخالفت ہے۔ دیکھو مواضع المسلمین فی مراسم المرتحلین مولوی صاحب سنبھلی ملتان ص ۱۳۸ بلفظہ“

حالانکہ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام اہل بیت عظام۔ اولیاء اللہ بزرگان دین۔ شہداء و صالحین۔ اور بادشاہان اسلام کے تمام کے تمام مقابر پختہ اور قبہ ساختہ صفحہ دنیا پر ظاہر و باہر موجود اور جمیع اہل اسلام کی شریعت پسندی کے شواہد کھڑے ہیں۔ اگر یہ مولوی صاحب ان سب پر مبتدع اور فعل خلاف شرع کرنے والے کا بے اصول فتوے دیتے ہیں۔ تو ان کو معلوم ہونا چاہئے۔ کہ رب العزت نے قرآن کریم میں فرمایا۔ ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين نولاه ما نولي ونصله جهنم وساء مصيرا۔ یعنی جو شخص حضور علیہ السلام کی مخالفت کرے۔ ہدایت ظاہر ہونے کے بعد اور مومنوں کے راہ کے علاوہ کسی اور راہ کی پیروی کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو اسی طرف چلائے جو اس نے اختیار کی اور ڈالے اس کو جہنم میں جو بہت برا ٹھکانا ہے۔ اب آپ بتائیے کہ پہلے تمام بادشاہان اسلام اور بزرگان دین متقدمین مومن تھے یا

نہیں۔ اور اگر نعوذ باللہ ذالک ان کے متعلق بھی یہی خیال ہو جو آج کل کے اہل سنت والجماعت کے مسلمانوں کے متعلق ہے۔ تو پھر کسی درویش سے علاج کدوائیے اور اگر ان کو مومن مانتے ہو۔ اور یقیناً ماننا پڑے گا۔ تو پھر بتائیے ان کے راہ کو چھوڑ کر کون جہنمی ہوا۔ کیونکہ مولا کریم نے کھلے الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔ کہ میرے محبوب کی مخالفت کرنے والا اور مومنوں کے راہ کے سوا کسی اور راہ چلنے والا جہنمی ہے۔ ہم بفضل تعالیٰ اس فعل کے صرف قائل ہی نہیں بلکہ صدق دل سے ایمان رکھنے والے ہیں۔ کہ ہمارے وہ متقدمین خواہ وہ درویش تھے یا پادشاہ جنہوں نے یہ مقبرے اور گنبد بنائے وہ حقیقتاً اسلام کے پھیلانے والے کچے مسلمان اور غلامان رسول اللہ تھے۔ انسان کو قلم اٹھانے سے پیشتر سوچ لینا چاہئے۔ کہ وہ جو کچھ لکھے گا اس کی زد کہاں پڑے گی۔ اور اس کے نامہ اعمال کا کیا حشر ہو گا۔

چراغ را کہ ایزد بر فردوز ہر آں کو تف زندایش بسوزد

جب رب العزت جل وعلی شانہ نے اپنی عزت کے ساتھ رسول علیہ السلام اور مومنوں کی عزت کا ارشاد فرمایا ہے۔ العزة للذلول والرسول والمؤمنين تو آپ اس کو اس حسد کے ماتحت کس طرح مناسکتے ہیں۔ اور یہی ایمانداروں کا حق ہے۔ کہ ان کی عزت قیامت تک ہوتی رہے گی۔ اور یہی وہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ جس سے حاسدوں کی چشم کور ہمیشہ ناواقف رہی ہے۔ اور رہے گی۔ یہ باتیں تمام جملے بطور تمہید عرض کرنے کے بعد فقیر گنبد و قبہ بنانے کے شرعی دلائل پیش کرتا ہے۔ تاکہ ہدایت کے پہنچانے میں اپنی طرف سے

بکدوش ہو جائے۔ وبالله التوفیق

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ومن معظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب۔ ترجمہ: جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرے پس تحقیق وہ پرہیزگار دلوں سے ہے اور اولیاء اللہ بلاشبہ شعائر اللہ میں داخل ہیں اور قربات بنانے سے عوام میں شعائر اللہ کی تعظیم مقصود ہے۔

خود نبی الانبیاء۔ سرکار کائنات۔ مختار شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ پر عالی شان گنبد کی بنا ہے اور یہ بھی مخفی نہیں کہ حجرہ شریفہ کی تعمیرات اموات المومنین اور خلفائے راشدین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں ہوئی ہے۔ جیسا کہ مولوی صاحب خود قائل ہیں۔ اور تمام متقدمین اس گنبد کے قیام کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اسلامی مورخین اور مصنف مواظ المسلمین خود لکھتے ہیں کہ جب نبی اکرم تاجدار عرب و عجم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ تو آنحضور صلعم کو حضرت ام المومنین سیدہ طاہرہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں متابعت حدیث پاک دفن کیا گیا۔ مگر جب زائرین کی کثرت ہوئی تو ایک دیوار بنائی گئی ۱۳ھ میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول مدفون ہوئے ۱۷ھ میں حضرت سیدنا فاروق اعظم خلیفہ ثانی نے کچی اینٹوں کا حوض بنوا دیا۔ دو دروازے رکھے گئے اور ایک دیوار میں ذرا سا سوراخ رکھا گیا۔ کہ قبر مبارک کی زیارت ہوتی رہے ۲۵ھ میں خلیفہ ثانی حضرت سیدنا فاروق اعظم بحسب وصیت با جازت حضرت سیدنا ام المومنین صدیقہؓ اس جگہ دفن ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ سوم نے

۳۰-۳۹ھ میں مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی توسیع و تعمیر کی۔ ۹۰ھ میں ولید بن عبدالملک خلیفہ بنو امیہ کے حکم سے حضرت عمر بن عبدالعزیز تکملہ عمر بن گور زمدینہ منورہ زادہ اللہ شرفاً و تعظیماً نے اس حجرہ کو پکا بنوا دیا۔ اور اس کے چاروں طرف ایک دوسرا حجرہ بنوا دیا۔ مگر دروازہ دونوں میں سے کسی میں نہ رکھا۔ اور اسی زمانے میں مسجد مبارک کی توسیع کرا دی۔ جو ۸۸ھ سے ۹۰ھ تک ہوتی رہی۔ پھر ۷۰ھ میں ملکہ خیزران والدہ ماجدہ ہارون رشید خلیفہ عباسی نے روضہ مبارک پر غلاف چڑھایا۔ ۵۵۰ھ میں نور الدین زنگی شہید اتابک موصلی نے روضہ مبارک کے گرد گرد صندلی کی جالی لگوا دی۔ ۵۵۵ھ میں محمود بن زنگی شہید والئے شام خواب میں نبی اکرم صلی اللہ کی زیارت سے مشرف ہوا اور سنا کہ آنحضور صلعم فرما رہے ہیں۔ کہ اے محمود تو سوتا ہے۔ اور مجھ پر دوکتے مسلط ہیں۔ اس کو بہت حیرت ہوئی۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ اور دوسری رات کو پھر یہی ماجرا پیش ہوا۔ سلطان کو پریشانی بڑھی۔ اور حیس حیس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کچھ رائے قائم نہ کر سکا۔ آخر کار تیسری رات کو جو سویا۔ تو وہی ماجرا پھر دیکھا مگر اس مرتبہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک تھے اور فرما رہے تھے۔ دیکھ یہ دو کتے مجھ پر مسلط ہیں۔ سلطان نے بغور ان دونوں آدمیوں کو دیکھا اور بیدار ہو گیا۔ اسی وقت مدینہ منورہ روانہ ہو گیا۔ اور وہاں پہنچ کر تمام اہل مدینہ کی دعوت کرا دی اور ہر آنے جانے والے کو بغور دیکھتا رہا۔ مگر دو آدمی جن کو خواب میں دیکھا تھا اور جن کو حضور پاک صلعم نے کتا فرمایا تھا نظر نہ آئے۔ حکم دیا کہ ابھی مدینہ منورہ کے تمام آدمی دعوت میں نہیں

آئے۔ تلاش بسیار کے بعد معلوم ہوا کہ دو بڑے عابد و زاہد رہ گئے ہیں جو اپنے حجرہ سے بالکل باہر نہیں نکلا کرتے سلطانی حکم ہوا کہ ان دونوں کو بھی حاضر کرو۔ چنانچہ جب وہ پیش ہوئے تو سلطان سمجھ گیا کہ وہ کتے کی مکار ہیں۔ فوراً ہی ان کی جائے رہائش پر پہنچا مگر وہاں سوائے مصلے و لوٹے کے کچھ نظر نہ آیا۔ بعالم اضطراب مصلے جو اٹھایا تو وہاں کی زمین نرم اور کھدی ہوئی تھی مٹی ہوائی گئی تو سرنگ نظر پڑی۔ جو حضرت سیدنا فاروق اعظم کی قبر مبارک تک پہنچ چکی تھی آپ کے پیر مبارک کا انگوٹھا نظر آتا تھا۔ سلطان انتہائی غضبناک ہوا۔ پوچھا کہ تم نے یہ ناپاک حرکت کیوں کی۔ جس پر انہوں نے بتلایا۔ کہ ہم دونوں عیسائی ہیں اور جسد مبارک نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے نکال کر لے جانے پر مامور ہیں تاکہ اسلامی دنیا کو تڑپایا جاسکے۔ یہ سن کر محمود بن زنگی نے ان کے سر قلم کرا دیئے۔ اور حفظ مآقدم کے لئے دوسرے حجرے کے گرد گرد قد آدم خندق کھدوا کر اس میں رائگ پلوا دیا۔ جس کو خندق الرصاص کہا جاتا ہے۔ پھر ۶۵۳ھ میں رمضان المبارک بروز جمعہ خادم روضہ پاک قندیل روشن کر رہا تھا۔ کہ آگ لگ گئی جس سے اس کی چھت جل گئی۔ ۶۵۵ھ میں خلیفہ معتمد باللہ نے مسجد نبوی کی ازسرنو تعمیر کرائی۔ اور خلیفہ نور الدین کے عہد ۶۵۸ھ میں اختتام پذیر ہوئی۔ ۶۶۸ھ میں ملک الظاہر رکن الدین ہمس والئے مصر نے لکڑی کی جالی بنوائی جس کی بلندی قد آدم تھی۔ ۶۷۸ھ میں ملک منصور مقدونی صالحی نے قہ بنوایا۔ اور ۶۹۳ھ میں زین الدین سلطان مصر نے حجرہ شریف کے باہر جالی لگوائی۔ پھر ۸۸۰ھ میں ابوالنصر قاضی جلالی حاکم مصر و حجاز

مقرب بہ قائد ہے نے چھت کی دیواریں نکلا کر گنبد خضرا بنوایا۔ جو شمس بن ترین کی مگرانی میں ۸۸۱ھ بروز پنجشنبہ کو پایہ تکمیل کو پہنچا۔ مگر ۱۳ رمضان المبارک ۸۸۶ھ منارہ اذان پر بجلی گری۔ جس کی وجہ سے مسجد نبوی و گنبد خضرا کو گزند پہنچا۔ تو پھر اسی سلطان مصر قاضی جلالی نے ازسرنو گنبد خضرا کی تعمیر کرائی اور گردا گرد تانبے کی جالی نصب کرا دی۔ جس کی تکمیل رمضان المبارک ۸۸۸ھ میں ہوئی۔

اب فقیر عرض پر دراز ہے۔ کہ اس مجمل تاریخی بحث سے یہ ثابت ہوا۔ کہ سید العالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گنبد خضرا کی تعمیر بغرض دشمنان اسلام کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملانے کے لئے ہوئی۔ کہ اوپر سے بھی کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آ سکے۔ تو جب گنبد خضرا کی تعمیر اس غرض سے ہوئی تو پھر کسی دوسرے کی قبر پر قہ بنانا کیونکر جائز نہ ہو گا۔

جبکہ آج بھی مخالفین اسلام اسی مقصد اور نظریئے کے ماتحت قبور صالحین کو روندنا جائز جانتے ہیں۔ اور گنبد خضرا جیسی مطہر مآذکہ تعمیر کو نعوذ باللہ صنم اکبر کہتے ہیں۔ پھر یہ اور غور طلب مسئلہ ہے۔ کہ اس وقت جبکہ گنبد خضرا کی تعمیر ہوئی۔ کسی صحابی یا تابعی سے انکار مروی نہیں۔ اور نہ ہی کسی نے منع بناء کی کوئی حدیث پیش کی۔ پس معلوم ہوا کہ صحابہ کی قبور پر قہ بنانا۔ عملی اور اجماعی مسئلہ ہے۔ اگر منع اور حرام ہوتا تو صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین اور ان کے بعد کے اہل اسلام کبھی بھی نہ خود بناتے اور نہ بننے دیتے۔ دیکھو جذب القلوب میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اس اعتراض کی کہ سلف صالحین سے قہ بنانا بالکل ثابت نہیں۔ کس طرح تردید

فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:-

”عمر بن عبدالعزیز بحکم ولید ابن عبدالملک آزا ہدم کر بالا حجار منقوشہ بر آور و بر ظاہر آں خطیرہ دیگر بنا کرو۔“

ترجمہ: یعنی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ولید ابن عبدالملک کے حکم سے حجرہ شریفہ کو شہید کر کے عمدہ عمدہ منقش پتھروں سے روضہ اطریقیہ تعمیر کرایا۔

بخاری شریف مطبوعہ مطبع مجتہبی مجلد اول ص ۱۸۶ میں ہے ہشام ابن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ لما سقط علیہم الحائط فی زمان الولید بن عبدالملک اخذوا فی بناء فبذت لہم قدم فغذ عوا وظنوا انها قدم نبی صلی اللہ علیہ وسلم فہا وجدوا احد یعلم ذالک حتی قال لہم عروہ لا واللہ ماہی قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہی الا قدم عمر

یعنی ولید ابن عبدالملک کے عہد میں جبکہ روضہ مطہرہ کی دیوار گری اور اس کی تعمیر کرنے لگے۔ تو ایک قدم ظاہر ہوا۔ (یعنی ننگا ہو گیا) لوگ گھبرا گئے کہ یہ قدم مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ کوئی پہچاننے والا نہ تھا۔ حضرت عروہ نے کہا۔ کہ یہ قدم مبارک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں۔ اس روایت سے بھی یہ ثابت ہوا۔ کہ روضہ مطہرہ دیوار گرنے کے بعد از سر نو بنا اور مرمت ہوا۔ اور یہی قبر پر بنا کرنے کا متقدمین سے عملی ثبوت ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ بنا بعد دفن ہوئی اور اس کے ناظم حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ

ارشاد تھے۔

بعض ناظم لوگوں کو یہ شبہ بھی پیدا ہوا کرتا ہے۔ کہ یہ گنبد شریف یا روضہ اطریقیہ بنایا جانا صرف آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی خصوصیات سے ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ اگر صرف یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی خصوصیت ہوتی۔ تو سیدنا حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حجرہ مطہرہ میں مدفون نہ ہوتے۔ اس سے اور بھی مسئلہ واضح ہو گیا۔ کہ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کی قبروں پر بھی بناء کرنا او گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوت جلد اول ص ۳۸۸ باب دہم در انواع عبادات فرماتے ہیں:-

”در مطالب المؤمنین گفتہ است کہ مباح داشتہ اند سلف کہ بناء کردہ شود بر قبر مشائخ و علماء مشہور تا زیارت کند ایشان را مردم۔ واسترحت یا بندہ در آن نقل کردہ است آزا از مفاتیح شرح مصابیح و گفتہ است کہ دیدم بہ بخارا قبور کہ عمارت کردہ شدہ است بخت ہائے تراشیدہ و تجویز کرو آزا اسماعیل زاہد کہ از مشاہیر فقہا است و رخصت کردہ اند بعضی از اہل علم کہ حسن بصری از ایشان است در گل کرون قبور و شافعی رحمۃ اللہ علیہ نیز ہم بہ این است۔“

ترجمہ: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوت کے دسویں باب در انواع عبادات میں فرمایا ہے۔ مطالب المؤمنین میں لکھا ہے۔ کہ متقدمین بزرگان دین نے قبور مشائخین و علماء کرام اور صلحاء عظام پر گنبد و قبہ کا بناء کرنا مباح رکھا ہے۔ تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور

آرام پکڑیں اور ان کے سایہ میں بیٹھیں۔ اور نقل کیا اس کو مفاتیح شرح مصابیح سے اور کہا ہے کہ میں نے بخارا میں اکثر قبروں کو دیکھا۔ جو تراشی ہوئی اینٹوں سے بنائی گئی ہیں۔ اور اس بناء کو حضرت اسماعیل زاہد نے جو مشہور فقہا سے ہیں تجویز فرمایا ہے۔ اور بعض مشہور اہل علم حضرت حسن بصری کے مانند بھی اس کی اجازت فرماتے ہیں۔ کہ قبر کو بناء کرنا بھی مباح ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

حضرت علامہ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ ص ۳۷ میں لکھا ہے قد اباح السلف البناء علی قبر المشائخ والعلماء المشہورین لیزورہم الناس ویستريحوا بالحلوس منہم۔

ترجمہ: علماء و مشائخ مشہورین کی قبور پر تعمیر بنا کرنا اس لئے کہ لوگ زیارت کریں اور استراحت حاصل کریں۔ سلف صالحین اس کو مباح تحریر فرماتے آئے ہیں۔ یعنی اس کی اباحت کے قائل ہوئے ہیں۔

یعنی شرح بخاری جلد چار ص ۱۳۹ میں ہے۔ وضوہ محمد بن الحنفیہ علی قبر ابن عباس رضی اللہ عنہ یعنی محمد بن حنفیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قبر پر قبہ بنایا۔

پھر روح البیان جلد ۱ ص ۸۷۹ میں ہے فبناء القباب علی قبور العلماء اولیاء و صلحاء امر جائز اذا قصد بذالک التعلیم فی عن العامۃ حتی لا یحتقر واصحاب هذا القبر (ترجمہ) یعنی قبوں کا بنانا اولیاء و صلحاء و علماء کی قبور پر امر جائز ہے۔ جبکہ اس میں عام لوگوں کی

نصروں میں تغلیم کا مقصد ہو۔ تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ سمجھیں۔

بداۃ المہتد جلد اول ص ۱۹۳ میں ہے۔ کوہ مالک والشافعی بتجسس۔ القبور و جاز ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ یعنی حضرت امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ نے قبروں کا چونا و گچ کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔ اور حضرت امام الائمہ سراج الامت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جائز فرمایا ہے۔ اور صاحب مجمع البحار نے بھی جلد ۲ ص ۱۸۷ میں اور تکررہ ص ۱۳۰ میں علماء سلف سے اس کی اباحت نقل فرمائی ہے۔ ایسا ہی میزان شعرانی جلد اول ص ۱۹۰ میں لکھا ہے۔ ومن ذالک قول الائمۃ الثلاثہ ان القبر لا یبنی ولا یبصص مع قول ابی حنیفہ بجواز ذالک یعنی بعض ان مسائل اختلافی سے قول آئمہ ثلاثہ کا ہے کہ قبر پر بناء نہ کی جائے اور نہ چونا نہ گچ کی جائے۔ اور قول ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس کے جواز میں ہے۔

مشکوٰۃ شریف مطبوعہ معتبائی باب دفن المیت ص ۱۳۹ میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے حضرت عثمان بن مطعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر ایک بڑا بھاری پتھر اٹھا کر رکھا اور فرمایا۔ اعلیٰ بھا قبر اخی و ادفن الیہ من مات من اہلی یعنی میں اس پتھر کے ساتھ اپنے بھائی کی قبر کا نشان کرتا ہوں۔ اور جو میرے اہل سے فوت ہو گا اس کے پاس اس کو دفن کروں گا۔ اس سے قبر پر پتھر رکھ کر صرف پختگی قبر کی مراد نہ تھی۔ بلکہ قبر پر نشان گاڑنا یا بنانا بھی مستحب ثابت کرنا تھا۔ بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ صحیح مسلم میں آیا ہے۔ کہ

حضرت علی کرم اللہ وجہ نے جو ہباج اسدی کو فرمایا تھا۔ (کہ میں تمہیں اس کام کے لئے نہ بھیجوں۔ جس کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بھیجا تھا۔ یعنی کوئی تصویر نہ چھوڑ مگر اس کو تو مٹا دے اور کوئی اونچی قبر نہ چھوڑ کہ اس کو برابر کر دے۔ لہذا اس قول علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بلند قبر نہ ہونی چاہئے۔ بلکہ ہو بھی تو اس کو ترا دیا جائے۔ سو اس اعتراض کا جواب یوں ہے۔ کہ محدثین کے نزدیک اس حدیث کی سند میں ایک راوی حبیب بن ثابت کوئی ہے۔ جو مدلس من وعن روایت کرتا ہے۔ دیکھو تہذیب التہذیب میں اس کو مدلس بیان کیا گیا ہے۔ اور مدلس کی من وعن حجت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے متعلق علامہ ابن الترمذی علیہ الرحمۃ نے جو ہر النقی جلد اول ص ۲۶۵ میں یوں فرمایا ہے۔ قلت الظاهر ان المراد قبور المشركين بقربته عطف التمثال عليها وكانوا يجعلون عليها الانصاب والابنته فاراد عليه السلام ازاله اثار الشرك۔ یعنی ظاہر یہ ہے کہ حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہ میں مراد قبور مشرکین ہیں۔ اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ تمثال (تصویر) کا عطف قبر پر ڈالا گیا ہے اور مشرکین ہی قبروں پر بت اور عمارتیں بنایا کرتے تھے۔ تو حضور علیہ السلام نے ان آثار کو مٹانے کے لئے قبور مشرکین کے تسویہ یعنی برابر کر دینے کا حکم فرمایا۔ بعض کتابوں میں یوں بھی ذکر ہوا ہے۔ کہ مشرکین اپنے موتی کی قبور پر مرنے والے کی تصویر یا مجسمہ بنایا کرتے تھے۔ جن کو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستی کی خشت اول خیال فرماتے ہوئے مٹا دینے کا ارشاد فرمایا۔ جیسے اساف اور ناسیکہ کے

بتوں کا قصہ مشہور ہے۔ جنہوں نے کعبۃ اللہ میں زنا کاری کی تھی اور عذاب الہی سے پتھر ہو گئے تھے۔ پھر لوگوں نے اس مغضوب جوڑے کو عبرت عوام کے لئے صفا مرود پہاڑیوں پر گاڑ دیا تھا۔ مگر بعد کو صفا مرود کی تقدیس کا باعث سمجھ کر جملائے عرب نے ان کو پوجنا شروع کر دیا۔

علامہ ابن الترمذی علیہ الرحمۃ ہی کے قول سے ملتی جلتی حقیقت حافظ ابن حجر فتح الباری جلد ۲ ص ۲۶۰ میں لکھتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے اس ارشاد کو جو آپ نے ہباج اسدی کو فرمایا تھا۔ مومنوں کو قبروں پر محمول کرنا ایک فاش غلطی کا ارتکاب کرنا ہے۔ کیونکہ مومنوں کی قبریں بالا راہ گرا دینا تو درکنار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر پاؤں رکھنے یا بیٹھنے کو بھی منع فرما کر ایذا اہل اہل قبر سے تعبیر فرمایا ہے۔ جیسا کہ فقیر نے اسی کتاب کے کسی دوسرے باب میں بیان کر دیا ہے۔ حافظ ابن حجر کی عبارت فتح الباری جو کفار کی قبروں کے متعلق ہے یوں ہے۔ یعنی کافروں کی قبریں اکھاڑ دینے اور ان کی توہین میں کوئی حرج نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مومن کی قبر کے اکھاڑنے اور گرانے میں حرج شرعی ہے۔ اور حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہ میں صرف مشرکین کی قبریں ہی گرانے کا حکم تھا نہ کہ اہل اسلام کی۔

ہاں اگر نجدیوں کی طرح روضۃ النبی علیہ السلام اور مقابر مشائخین عظام و اولیاء کرام سے کوئی قلبی عداوت ہے۔ تو اس کا مسلمانوں کے پاس کوئی علاج نہیں۔ مخالفین بناء مزارات و قبہ جات کو لازم ہے۔ کہ وہ صرف یہ ثابت کر دیں۔ کہ مومنین متقدمین نے بزرگوں کے مزارات پر قبے نہیں

بنائے۔ یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یا حضور کے بعد صحابہؓ میں سے کسی نے کسی دوسرے بزرگ کو اہل ایمان کی قبریں گرانے کے لئے بھیجا ہو۔ یا حکم ہی صادر فرمایا ہو۔ یا خود گرا کر کوئی ثبوت مقابر مسلمین کے گرانے کا دیا ہو۔ ورنہ لایعنی من گھڑت اور بے بنیاد ڈھکوسلوں اور ان روایات سے جو قبور مشرکین کے متعلق ہیں۔ استدلال کرنا حق پرستی نہیں۔ جبکہ اجماع امت قبور پر بناء کرنے کے حق میں ہو۔ وما علینا الا البلاغ

تعزیت کے لئے اہل میت کے گھر جمع ہونا

مولوی صاحب نے اپنے ذوق بدعت میں ایک اور ”بڑ“ ایسی ہانکی ہے جس کا شروع مولوی صاحب کے قلم سے ناجائز لکھا گیا ہے۔ اور آگے چل کر انجام پر مستحب و مسنون ہو گیا ہے یعنی یہ کہ اہل میت سے کوئی ہمدردی نہ کرے۔ نہ ان کو پوچھے نہ ان کے مکان پر جائے۔ نہ ان کی دلجوئی کرے۔ نہ ان کو کھانا کھانے کی ترغیب دلائے۔ صرف بے مروتی کر کے مولوی صاحب کی خود ساختہ سنت کا پابند ہو جائے۔ اور اہل میت خواہ بالغ ہوں یا نابالغ یتیم ہوں یا مسکین۔ ان کے قریب نہ پہنچے ورنہ مکروہ تحریمہ کا عامل ہو کر گناہ میں ماخوذ ہو جائے گا۔ وہ مرتے مرس جیتے جنیں۔ مولوی صاحب کا مذہب یہی ہے کہ ان کے نزدیک تک نہ جایا جائے ادیسی طریقہ مسنون سمجھا ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کیا نفاق انگیز تعلیم ہے کہ آپ مواظظ المسلمین ہیں۔ فرماتے ہیں:-

”(۱) دفن سے فارغ ہو کر اہل میت کے یہاں جمع ہونا مکروہ و ممنوع ہے بلکہ اہل میت کو اور دوسروں کو اپنے اپنے کام میں مشغول ہو جانا چاہئے۔

(۲) میت کے دفن کے بعد شرکائے تجنیرو تکفین کا اہل میت کے مکان پر جمع ہو کر دعوت اڑانا۔ جس کو عرف عام میں (کوڑا دنا بھی) کہتے ہیں ناجائز و بدعت ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت کی رسم ہے ص ۸۹ و ص ۹۰“

کسی گزشتہ بحث میں فقیر اس دوسری عبارت کا جواب حدیث صحیح سے دے

چکا ہے۔ کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے گھر پر ان کی دعوت دیئے جانے پر تشریف لے جا کر کھانا تناول فرمایا اور مع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس جماعت کے ساتھ جو جنازہ میں شریک تھے۔ اور وہ دعوت بھی ورنہ میت کی طرف سے تھی۔ مگر مولوی صاحب اپنے زعم میں وہی بدعت کے مرغ کی ایک ٹانگ پکارے چلے جاتے ہیں۔ رہا عرف عام کا کوڑا وٹا (سو وہ وہ کھانا ہوتا ہے) جو اہل میت کا کوئی قریبی یا بعیدی رشتہ دار یا دوست یا پڑوسی محض اس وجہ سے ان کے لئے لاتا ہے۔ کہ ان کو حادثہ پیش آگیا ہے اور ان کے دل مجروح ہیں۔ یہ لوگ اس صدمہ کی تکلیف سے نہ کھائیں گے نہ پکائیں گے۔ لہذا ان کو دنیوی کاموں میں مشغول کرنے اور دلجوئی کے واسطے وہ خود کھانا لاتے ہیں۔ تاکہ ان کو کھانا بھی کھا کر کچھ ڈھارس بندھا دی جائے اور کچھ بیٹھ کر مختلف حوصلہ آور باتیں سنا کر تسلی دی جائے۔ اور ان کا غم غلط کیا جائے اور یہ عین حکم شریعت کے مطابق ہے۔ نہ ناجائز اور نہ بدعت۔ دیکھو شامی ص ۶۳۹ ج ۱۔

وَسَيُحِبُّ لِعِبْرَانِ أَهْلَ الْهَيْتِ وَالْأَقْرَبَاءِ إِلَّا بَعْدَ تَهْنِئَتِهِ طَعَامَ لَهُمْ بِشَعْبِهِمْ بُوْهُمُ وَ لِيُطْعِمَهُمْ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَضْعُوا لَالِ جَعْفَرِ طَعَامًا لَقَدْ جَاءَ تَهُمَ مَا يَشْفُهُمْ۔ (ترجمہ) میت کے پڑوسیوں اور قریبی رشتہ داروں کے لئے مستحب ہے۔ کہ ان کے واسطے (اہل میت) کے لئے اس قدر کھانا تیار کریں کہ جو ان کو رات دن کے لئے کافی ہو جائے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ آل جعفر کے لئے کھانا تیار کرو۔ کہ ان کو حادثہ غم پیش آگیا ہے۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل میت کے لئے

دوسروں کو کھانا بھجوانے کا حکم ہے۔ اور مولوی صاحب اس کوڑا وٹا کے مفہوم سے ناواقف ہیں۔ جب حضور ارشاد فرما رہے ہیں۔ کہ آل جعفر کے لئے کھانا تیار کرو۔ تو (کوڑا وٹا) کوئی دوسری چیز نہیں۔ کوڑا وٹا اسی کھانے کو کہتے ہیں۔ جو کھانا کوئی دوسرا آدمی اہل میت کے لئے پکا کر لائے۔ چونکہ وہ حادثہ غم پیش آنے کا معمولی کھانا ہوتا ہے۔ اس میں ظاہری تکلفات سے کام نہیں لیا گیا ہوتا۔ بلکہ کوئی ایک معمولی حیثیت کا کھانا (جس سے دنیوی طور پر یہ اندازہ نہ لگایا جاسکے۔ کہ مرنے والے کی موت پر خوشی منائی جا رہی ہے) پکایا جاتا ہے۔ اور وہ کوئی پر لطف نہیں ہوتا۔ مثلاً "چنے کی کھجڑی یا دال روٹی وغیرہ۔ اس لئے اس کو بے لذت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ بالذات کھانا شادی کے وقت ہوتا ہے۔ اس کوڑا وٹا کی کوئی خاص تخصیص بھی نہیں ہوتی بعض لوگ جو ان مرگ پر معمولی دال روٹی لے آتے ہیں۔ اور بعض کسی بوڑھے آدمی کے مرنے پر (اس وجہ سے کہ یہ دنیا سے دنیوی حیثیت میں کھاپی کر کامیاب مرا ہے) چاول۔ پلاؤ وغیرہ لے آتے ہیں۔ نہ آج تک کسی نے اس کی تخصیص کی اور نہ ہی اب ہے۔ اب یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا۔ کہ اگر اہل میت کے گھر کے پندراں بیس آدمی ہیں۔ اور ایک شخص ان کو کھانا کھلانے کے لئے حسب ارشاد شریعت دو وقت کا کھانا لے کر ان کے دروازے پر حاضر ہوتا ہے۔ تو کیا وہ اکیلا ہی جائے گا۔ اس کے ساتھ مدد کرنے والے بھائی بند پکانے کھانے والے۔ جتنے انسان برائے دلجوئی اہل میت کے گھر جائیں گے۔ لازمی طور پر وہاں بیٹھیں گے بھی اور گفتگو بھی کریں گے۔ گزشتہ اور حاضرہ واقعات انسانیہ سنا سنا کر ان کو

اطمینان دلائیں گے تو ان کا یہ اجتماع کیونکر ناجائز ہو گا۔ ہاں اگر اس کو ناجائز قرار دیا جائے تو پھر یوں کرنا چاہئے کہ کھانا لے جا کر دروازے کے باہر سے پھینکا اور پہنچا کر چلے آئے۔ وہ کھائیں یا نہ کھائیں یہ تو کم از کم مکروہ فعل کرنے سے بچ جائیں گے۔

برائیں عقل و دانش ہاں یہ گریست

مولوی صاحب پہلے تو فرما گئے کہ میت کے دفن سے فارغ ہو کر اہل میت کے گھر جانا اور دعوت بدعت ہے۔ آگے بدعت کا زور زرا کم ہونے پر خود ہی لکھتے ہیں۔ شریعت مقدسہ نے اہل میت کی غمی کو دیکھتے ہوئے دور کے رشتہ داروں یا پڑوسیوں کے لئے مستحب قرار دیا ہے۔ کہ ان کے واسطے کھانا تیار کر کے لے آئیں اور ان کو کھلا جائیں۔ واہ کیا الٹی لنگا ہے۔ نہ آگے کا پتہ نہ پیچھے کا نشان ان کی کس تحریر کو صحیح سمجھا جائے۔ اور کس کو غلط۔ بہر حال ہمیں اسی پر ہی عمل کرنا ہے۔ جو مولوی صاحب کا قول شریعت کے مطابق ہو۔ اور جو بدعت کے تصور میں بھرائے ہوئے لکھ جائیں اس میں ان کو معذور جان کر چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ حکم شریعت یوں ہی ہے۔ کہ مصیبت زدوں اور غمزدوں کی تعزیت کرنا اور تسلی دینا سنت اور موجب اجر و جزا ہے۔ جیسے سرکار مدینہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ من عزی اخاء مصیبتہ کساء اللہ من حلل الکرامتہ یعنی جو شخص اپنے بھائی کی مصیبت میں تعزیت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو عزت کے لباس میں ملبوس فرمائے گا۔ اس پر مولوی صاحب نے بھی حاشیہ آرا کی ان الفاظ میں کی

ہے۔ کہ تعزیت تین دن تک کرنا جائز ہے۔ مگر پہلے دن تعزیت کے لئے جانا افضل و بہتر ہے۔ کہ پہلے دن اضطراب و گھبراہٹ زیادہ ہوتی ہے۔ اور تین دن کے بعد تعزیت کرنا مکروہ ہے پھر لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی مرد یا عورت کسی اہل میت کی بغرض خیر خواہی و ہمدردی تعزیت کے لئے جائیں۔ تو ان کو تسلی و دلاہ دیں۔ سنت طریقہ تعزیت کا یہ ہے۔ کہ اہل غم کو صبر کی ترغیب دیں۔ اور یہ کلمات اس کے سامنے کہیں۔

اعظم اللہ اجرک واحسن عزاک و غفر لمتک (الحديث بحوالہ شامی) یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں بہت ثواب دے۔ تمہاری تعزیت کو اچھا کرے اور تمہارے مردے کو بخش دے۔ اب مولوی صاحب کے استدلال سابقہ کو لے کر اگر غور کیا جائے۔ تو کہنا پڑتا ہے۔ کہ اگر ہر عورت یا مرد اپنی اپنی جگہ بطریق ہمدردی تعزیت کو اہل میت کے ہاں چلا گیا۔ جو ان سے قرابت داری یا پڑوسی ہونے کا واسطہ رکھتا ہے۔ تو خواہ مخواہ اجتماع ہو جائے گا۔ اور یہ مولوی صاحب کے نزدیک ناجائز و بدعت اور اگر تعزیت نہ کی جائے تو حکم شرعی اور حدیث مقدس کے خلاف ہے کس پر عمل کیا جاوے۔ اور کس کو چھوڑ دیا جائے جہی تو مولوی صاحب کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتے۔

دوگو نہ رنج و عذاب است جان مجنوں را
بلائے فرقت لیلیٰ و صحبت لیلیٰ

اس مخمسہ میں مولوی صاحب نے ایک اور بے ڈھنگی بھی تلاوت کی ہے کہ تعزیت لینے کی غرض سے مکان کے سامنے یا باہر دروازے پر بیٹھنا مکروہ

تحریکی ہے اور زمانہ جاہلیت کی رسم ہونے کی وجہ سے ناجائز و حرام ہے۔
پوچھا جائے حضرت؟ یہ کیا انوکھی منطق ہے۔ اگر تعزیت کو ہر آنے والا اور
آنے والی اہل میت کے گھر میں گھستے ہوئے چلے آئیں۔ تو پھر آپ ہی کو بے
پردگی کی تکلیف ہونے لگے گی۔ اور جو باہر کھڑے ہو کر تعزیت کریں۔ اور
گھر والے کو اڑوں کے پاس بیٹھ کر سنا کریں۔ تو پھر بے تہذیب ٹھہریں۔ کہ
آئے گئے بھائی بند کو پوچھتے تک نہیں۔ اور بیٹھنے کو جگہ نہیں دیتے۔ اور اگر
دروازے سے باہر آکر آپ سے سلام و پیام کر کے آپ کے تعزیتی کلام کو
آرام سے بیٹھ بٹھا کر سنیں۔ تو مکروہ تحریمی کے گنگار ٹھہریں۔ اب جائیں تو
کہاں اور بیٹھیں تو کدھر۔ بہر حال معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولوی صاحب بزم
خود بدعت کا شکار ہو کر نہ کبھی کہیں گئے ہوں گے اور نہ کوئی ان کے پاس آیا
ہو گا بمصدق اس شعر کے

یوفائی سے عزیزوں کی کھلا یہ عقدہ
ہم زمانہ میں کسی کے نہ ہمارا کوئی

اور یہی مذہب مولوی صاحب کا ہے۔ مولا کریم ایسے حضرات کو حقوق العباد
اور اخلاق انسانی کی توفیق عطا کرے۔ مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ
دروازے کے باہر بیٹھنا عوام کا محض تعزیت لینے کے لئے ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ
اس لئے ہوتا ہے۔ کہ تین دن تک تعزیت کو جو آئے گا۔ اس کو اہل میت
کی تلاش نہ کرنی پڑے گی۔ اور اس کا قیمتی وقت ہرج نہ ہو گا۔ دوسرے جو
آئے گا۔ وہ میت کے لئے کوئی کلمہ ایصال ثواب کرے گا۔ الحمد شریف۔

قل شریف یا کلمہ شریف پڑھ کر بخشے گا۔ جس کی نسبت حدیث شریف میں
وارد ہے۔ کہ اگر میت کی نیت سے ایک لاکھ بار لا الہ الا اللہ پڑھے۔ تو اس
کے درجات بلند کر دیئے جائیں گے اور ایک روایت میں ستر ہزار بار پڑھنا لا
الہ الا اللہ کا آیا ہے۔ چنانچہ بزرگان دین نے اس پر عمل بھی فرمایا ہے۔
جیسا کہ کسی گذشتہ بحث میں فقیر نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
اور حضرت جنید بغدادی کے واقعات نقل کئے ہیں۔ اور یہی وہ فعل ہے۔ کہ
ایک لاکھ بار کلمہ طیبہ پورا کرنے کے لئے لوگ پنے پڑھتے ہیں۔ جن کی تعداد
بزرگوں کے تجربہ کے مطابق اسی قدر ہوتی ہے۔ اگر ساڑھے بارہاں سیر پنے
درمیانہ حجم کے جو نہ بہت چھوٹے ہوں اور نہ بہت بڑے ہندوستان کے
مروجہ وزن پر لئے جائیں۔ تو وہ ازروئے شمار ایک لاکھ ہو جاتے ہیں۔ اور
اسی کی تصدیق مولف براہین قاطعہ نے بھی ص ۸۹ - ۱۶۲ میں کی ہے۔ اور یہ
بھی لکھا ہے۔ کہ فی الواقع اول میں انہ نخود کے اختیار کرنے کی یہی وجہ
تھی۔ اب بتائیے گھر کے دروازے پر کلمہ طیبہ پڑھنے پڑھانے اور ایصال
ثواب کے لئے اگر اہل میت بیٹھ جائیں۔ تو کیا معصیت کاری ہے۔ اکیلا اگر
میت کا وارث ایک لاکھ بار کلمہ طیبہ نہیں پڑھ سکتا۔ اور تین دن میں تعزیت
کا سلسلہ ختم بھی کر دیتا ہے۔ تو بتائیے کون سا گناہ لازم آتا ہے۔ پنے خرید
کر کلمہ طیبہ پڑھانے اور پڑھنے سے ایک یہ بھی فائدہ ہوا۔ کہ اس کو
گھٹلیاں۔ یا کنکریاں یا شیج کے دانے جمع کرنے میں جو دقت ہوتی تھی وہ رفع
ہو گئی۔ اور سہل طریق پر جہاں سے چاہا خرید کر کام چلا لیا۔ شمار کی شمار بھی
قائم رہی اور بعد فراغ و حصول مطلب ان کو تقسیم کر دیا۔ جو کھانے میں کام

آگئے۔ اور کلمہ طیبہ کا ثواب میت کو پہنچ گیا۔ اس کے علاوہ سب سے بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا۔ کہ عام طور پر مجالس میں جہاں دس بیس آدمی مل کر بیٹھنے کا عوام کو موقع ملتا ہے۔ تو خواہ مسجد ہو یا قبرستان۔ میت کا گھر ہو یا دولہا کا۔ آپس میں فضول باتوں اور دنیوی قصوں مقدمات کے جھگڑوں اور اخباری ڈھکوسلوں۔ ملکی تذکروں۔ بلکہ ایک دوسرے کے گلوں شکووں میں وقت گزارتے ہیں۔ اور چٹلی چٹلی یا یا وہ گوئی کے بغیر عوام کو کوئی شغل ہی نہیں ہوتا۔ اس طرح تعزیت کو بیٹھنے اور چنے پڑھنے۔ ذکر خداوند علیٰ جل مجدہ کرنے سے ان تمام برائیوں کا التوا ہوتا ہے۔۔ اور ہر آنے والا جتنی دیر بیٹھتا ہے اللہ اللہ کرتا رہتا ہے۔ کلمہ طیبہ یا کوئی اور کلام پڑھتا رہتا ہے۔ جب جانے لگتا ہے ایصال ثواب میت کر کے دعا مانگتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ اگر یہ ذکر خیر اور اللہ اللہ کرنا بھی ناجائز ہے اور وہ یہودہ باتیں اچھی ہیں تو خدا ان ہی حضرات کو مبارک کرے جو میت سے شریعت کی آڑ میں باریک دشمنی کر کے بظاہر اپنے آپ کو شریعت کا پابند ثابت کرتے ہیں۔ اور توحید پرستی کا ڈھول بجانے میں اپنی تشویر چاہتے ہیں۔ متقدمین اہل اسلام نے اس قسم کے جو اعمال ایسے مواقع کے لئے جاری کئے ہوئے ہیں۔ وہ عین شریعت کے ماتحت اور ذکر الہی میں مشغول رکھنے والے ہیں۔ اس قسم کے افعال سے نہ ممنوعیت اور نہ ہی کوئی کراہت ثابت ہو سکتی ہے اس کی دلیل میں وہ ابو داؤد سے مروی حدیث بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا۔ کہ گٹھلیاں یا کنکریاں لے کر اللہ کا ذکر شمار کر رہی ہے۔ اور آپؐ نے اس کو منع نہ فرمایا۔ اس قدر ثبوت سے فقہا

رحمہم اللہ نے مسئلہ نکال لیا ہے۔ لا باس باتخاذ السبحة یعنی تسبیح ہاتھ میں لے کر پڑھنے سے کچھ مضائقہ نہیں۔ اور اس پر فقہانے یہ اشارہ بھی فرمایا ہے۔ کہ ایسی باتوں کو منع میں کچھ دخل نہیں۔ ایسی چیز سے مقصود شمار ذکر ہے۔ سو شمار ذکر کا جواز حدیث سے پایا گیا۔ بنا علیہ دلائل خود کے شمار کو واقعہ قصہ حدیث سے زیادہ مشارکت ہے۔ سو تعزیت کے لئے بدیں غرض اپنے گھر کے سامنے یا کسی اور جگہ گھر سے باہر بیٹھنا ممنوع نہیں بلکہ کار ثواب اور عام اہل تعزیت کے لئے موجب عمل خیر ہے رب العزت مسلمانوں کو اپنے موتی سے ہمدردی اور ایصال ثواب کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق رفیق فرمائے۔ اور ایسے علماء دین کو ہدایت دے۔ کہ وہ لوگوں کو نیک اعمال سے روک کر خود گناہ کے مرتکب نہ ہوں۔ آمین

میت کے لئے خاص دنوں اور خاص اشیاء سے ایصال
ثواب کرنا

اور جمع ہو کر قرآن شریف پڑھنا

گر نہ بھند بروز شہرہ چشم چشمہ آفتاب راچہ گناہ

مولوی سنبھلی ملتانی صاحب نے مراسم المرتعین میں بدعت کا شغف رکھتے ہوئے من احب شیئا لاکثر ذکرہ کے ماتحت زبان کے چٹکارے لے لے کر بدعت کا یوں درد کیا ہے۔ کہ گویا مجنون بدعت ہیں۔ جو چیز دماغ معطل اور ذہن نارسا میں آئی۔ بلا سوچے سمجھے بدعت کہتے ہوئے چلے گئے ہیں۔ یہ زحمت ہی گوارا نہیں فرمائی۔ کہ غورو خوض سے قلم اٹھاؤں اور ہر جائز و مندوب کو بدعت و حرام نہ لکھ دوں۔ مگر ان سے کون کہے۔ کہ ناجائز اور جائز میں تمیز فرمائیے۔ پھر شریعت حقہ کے ماتحت قلم اٹھائیے۔ کیونکہ یہ تو ساری تعصب کی کرشمہ سازیاں ہیں تبلیغ حق مقصود ہو۔ تو طریق حقیقت پر چلیں اسوہ حسنہ پر عمل کریں مگر ایمان تو ہے۔ پارٹی بازی میں۔ اگر دین دیوبند کا ہے تو توحید امر تشرکی۔ نہ کہہ سے کلمہ توحید اور نہ سرکار مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین بدی۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کا قلم جب اٹھا۔ تو یارسول اللہ کہنے والوں پر۔ صلی اللہ علیہ وسلم یارسول اللہ پڑھنے والوں پر۔ روضہ نبی علیہ السلام کی زیارت کو جانے والوں پر۔ آخر الزمان نبی کے

عاشقوں پر مدح خوانوں پر۔ اور خدا کو امکان کذب کے مسئلہ سے منزع جاننے والوں پر۔ بزرگان دین کے غلاموں اور درویشوں کے تابعداروں اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقلدوں پر کیونکہ وہ ان کے نزدیک سب سے زیادہ گنہگار۔ سب سے زیادہ مجرم۔ اور سب سے زیادہ مشرک خیال کئے جاتے ہیں۔ چوران کے نزدیک بری۔ ڈاکو ان کے نزدیک اچھے۔ شرابی اور زانی ان کے منظور نظر دائمی منڈے ان کے عزیز۔ شریعت کے خلاف جانے والے متمول ان کے قبلہ و کعبہ۔ سینماؤں اور بائیسکوپوں کی رونقیں بڑھانے والے مومن ان کے پیارے۔ درہم و دینار سے چندہ دینے والے (خواہ مال کیسا ہو) ان کے محبوب رشوتیں کھانے والے ان کی آنکھوں کے تارے۔ مشرکوں سے اتحاد کرنے والے ان کے لیڈر۔ اور مسجدوں کی بربادی کے درپے ان کے توحید پرست۔ کیونکہ نہ ان میں سے کسی پر قلم اٹھے۔ نہ فتویٰ لگے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ان کے لئے عدا "خاموش ہیں۔ اور ڈرتے ہیں۔ کہ کہیں کلمہ حق کہہ کر کسی خداوند نعت کو ناراض نہ کر لیں۔ مگر جہاں کسی نے درود شریف پڑھا۔ مردے کو کلام الہی پڑھ کر بخشا۔ قبر پر فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ مدینہ منورہ کے سفر کی تیاری کی بس مشرک و بے دین ہوا۔ لے دے کے خدا پرستوں پر ہی تمام نزلہ گرایا جاتا ہے۔ تاکہ کوئی بھی اسلام کو زندہ رکھنے والا معتمد نہ رہے۔ اور ہم اپنی نقصانیت کے ماتحت من بھاتی کریں۔

بھلا یہ کوئی مسئلہ ہے۔ کہ مولوی صاحب نے ایصال ثواب کرنے اور وقت معین پر کرنے اور پسندیدہ و بہترین اشیاء کو خدا کی راہ میں دینے کو

رسومات و بدعات سے تعبیر فرما دیا ہے۔ چنانچہ آپ ص ۲۳ پر لکھتے ہیں:-

”بدعات کے ارتکاب میں بدعتی آدمی حسد حسد کرتے ہوئے بدعتی اور دین سے بے دین اور مردود ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں صد ہاتھ کی رسومات اور بدعات آج دین و ایمان کا جزو بن گئی ہیں اور ان کو ایصالِ ثواب موتی کے نام پر لازمی قرار دے لیا گیا ہے۔“ پھر ص ۲۵ میں ہے۔ کہ کسی نے ایصالِ ثواب کے لئے خاص خاص دن مقرر کر لئے۔ اور کسی نے صدقہ کے لئے خاص خاص چیزیں اور ان کی مقدار معین کر لی ہے کسی نے مقامات کی قیود وغیرہ کی تعین کر لی ہے۔“

گویا مولوی صاحب کے نزدیک وقت معین کر کے ایصالِ ثواب کرنا بدعت و ناجائز۔ اور اچھی و مرغوب چیزوں کا صدقہ رسم و مردود ہے۔ نہ خاص دن مقرر کیا جائے اور نہ ایصالِ ثواب ہونے میں عمدہ اور پاکیزہ چیزیں صدقہ کی جائیں۔ کس قدر بودی اور بے بنیاد گفتگو ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یا تو مولوی صاحب کو کہیں سے حصہ نہیں ملا۔ یا کہیں مختاری میں فرق لایا گیا ہے۔ اور یا ملتان کے امامانِ مساجد آپ کی پرواہ نہیں کرتے۔ جو یوں آپ منہ میں جھاگ بھر رہے ہیں یہ تو وہی قصہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک معمولی حیثیت کا آدمی کسی چوہدری کے سامنے پاؤں کھاتا ہوا آیا۔ اور اس نے چوہدری صاحب کو صلح نہ کی دیکھ کر رالیں چوہدری صاحب کی بھی ٹپکنے لگیں۔ مگر اپنے وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے ذلیل طریق پر مانگ بھی نہ سکے۔ آخر جب طبیعت بالکل بے تاب ہو چلی تو بولے ارے کم بخت یہ کیا پڑ پڑ لگا رکھی ہے۔ یا اس کو پھینک دے یا مجھے دے دے۔ (لطیفہ) چک نمبر

۴۲ چچا وطنی میں ایک حنفی نما وہابی مولوی صاحب (جن کی تعلیم دیوبندی مدرسے ہی کی تھی) تشریف لائے اور امام مسجد معین ہو گئے۔ چند یوم تو مولفتہ القلوب کی حیثیت سے حنفی بنے رہے۔ جب دیکھا کہ لوگوں میں کچھ تعظیم و تکریم ہونے لگی ہے۔ تو ان مولوی سنبھلی ملتانی صاحب کی طرح ختم۔ درود چلم۔ ساتے تیجے۔ استقاط وغیرہ لگے حرام کرنے۔ آخر کار لوگوں نے سوچا۔ کہ مولوی صاحب کے لئے یہ سب کچھ حرام ہے۔ کام ان سے لیا کرو۔ اور یہ تمام ختم و درود کی اشیاء یتیم خانہ میں دے دیا کرو۔ پھر کیا تھا۔ مولوی صاحب کے لئے فاقہ پر فاقہ آنے لگا اور نہایت رذالت کی زندگی گزارنے لگے۔ امامت کرانا۔ نماز پڑھانا۔ مسجد جانا سب ترک کر دیا۔ فقیر کے ایک دوست نے مولوی صاحب کی یہ حالت دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا حال ہے۔ اور آپ نے کیوں یہ سب کچھ اپنے آپ پر حرام کر لیا ہے۔ اور افلاس کا شکار ہو رہے ہو۔ تو مولوی صاحب فرماتے گئے۔ اب تو میں کتا ہوں۔ کہ سب کچھ جائز ہے۔ مگر کوئی کم بخت مانتا ہی نہیں۔ خدا رحم کرے ایسی ہی ایک شکم سیر ہستی یہ مولوی ملتانی سنبھلی جی بھی نظر آتے ہیں۔ خیال فرمائیے۔ یہ بھی کوئی توحید پرستی اور متابعت سنت ہے۔ جو دو دن کے فاقہ سے اپنے ہی حرام کردہ کو حلال سمجھ لے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ حرام ہوں تو حلال نہ کی جاسکیں۔ جب ہیں ہی حلال تو پھر یہ محض ایک متعصبانہ طرزِ تکلم ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

ورنہ پہلے دن ہی (جس دن مردہ دفن کیا گیا ہو) خود حضور علیہ السلام نے اہل میت سے کھانا تناول فرمایا۔ جیسا کہ اشعۃ اللامعات شرح مشکوٰۃ جلد

چہارم ص ۶۰۷ میں روایت عن عاصم ابن کلیم عن ایہ عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازة فرأیت رسول اللہ صلی علیہ وسلم وهو علی القبر یوسی الحافر بقول اوسع من قبل رجلہ ومن قبل راسہ فلما رجع استقبلہ واعی امراتہ فاجاب ونحن معه فحجر بالطعام فوضع بارہ ثم وضع القوم فاکلوا فنظرنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلوک لفتہ فی فمہ ثم قال اجد لحم شاة اخذت بغیر اذن اهلہا فارسلت الامراة تقول یارسول اللہ انی ارسلت الی النقیع وهو مریض بباع فیہ الفنم لشتری لی شاة فلم توجد فارسلت الی جاردلی قد اشتری شاة یرسل بہا الی ثمنہا فلم یوجد فارسلت الی امراة فارسلت الی بہا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اطعمی هذا الطعام الامری۔ رواہ ابودنود و البیہقی فی دلائل النبوت۔ (ترجمہ) روایت عاصم ابن کلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے باپ سے اس نے ایک اصحابی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا اس نے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ایک جنازہ کے ساتھ نکلے۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ قبر پر گورگن کو فرماتے تھے کہ پاؤں کی طرف سے قبر کو فراخ کر اور سر کی طرف سے بھی فراخ کر۔ پھر جب آپ بعد دفن واپس ہوئے۔ تو اس میت کی پیوی نے آدمی بھیجا۔ کہ کھانا تیار ہے۔ نوش جان فرمائیے۔ آپ نے قبول فرمایا۔ ہم سب جو ایک جماعت جو حضور کے ساتھ تھے گئے۔ وہاں کھانا سامنے آیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک کھانے کی طرف بڑھایا اور کھایا۔ پھر دیکھا ہم نے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کہ لقمہ منہ میں چبا رہے ہیں اور نکلے نہیں۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ یہ گوشت ایسی بکری کا ہے۔ جو مالک کی بے اجازت لی گئی ہے (علم غیب) پھر اس عورت نے ایک آدمی کی زبانی کہلا بھیجا۔ کہ یا رسول اللہ میں نے آدمی نقیع میں بھیجا تھا۔ جہاں بکریاں بکتی ہیں۔ تاکہ بکری مول لے آوے۔ لیکن وہاں نہ ملی۔ تب میں نے اپنے ہمسایہ کے پاس آدمی بھیجا۔ کہ جو اس نے بکری خریدی ہے۔ وہ مجھ کو قیمت پر بھیج دے۔ اتفاق سے وہ ہمسایہ بھی گھر میں نہ تھا میں نے اس کی پیوی کے پاس آدمی کو بھیجا۔ کہ بکری میرے پاس بھیج دے اس نے بغیر اذن اپنے خاوند کے بکری میرے پاس بھیج دی۔ تب حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دے۔ ان قیدیوں کے متعلق شاہ عبدالرحمن محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں۔ کہ وہ قیدی کفار تھے۔ اور دائرہ تکلف شرعی سے خارج تھے۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ اہل میت کی دعوت خواہ وہ پہلے ہی دن کی ہو۔ قبول کرنا جائز ہے۔ اور اس میں غنی اور فقیر کی قید نہیں۔ اور پہلے دن کی تخصیص پائی جاتی ہے۔

نجاح الحاجہ شرح ابن ماجہ مصنفہ شاہ عبدالغنی صاحب محدث استاد مولوی رشید احمد صاحب دیوبند میں ہے۔ وماضعتہ الطعام من اهل بیت اذا کان للفقراء فلا بأس بہ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل دعوة المرأة التي مات زوجها کمانی سنن ابی داود۔ بلفظ۔

(ترجمہ) یعنی کھانا تیار کرنا اہل میت کا جب بہ نظر ثواب فقراء اور غریا کے لئے ہو۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

دسلم نے اس عورت کی دعوت قبول فرمائی تھی۔ جس کا خاندان فوت ہو گیا تھا جیسا کہ ابوداؤد میں ہے۔ جس حدیث شریف کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

مرواة شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ زیر حدیث
عاصم بن کلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، 'هذا الحديث بظاهره يرد على ما قرره اصحاب مذهبنا من انه يكره اتخاذ الطعام في اليوم الاول والثالث او بعد الاسبوع كما في البزاة فنبغى ان بقيد كلامهم بنوع خاص من اجتماع يوجب استحياء اهلية الميت ليطعمونہ کرھا او يحمل علی کون بعض الورثۃ صغیرا او غائبا اولم يعرف رضاہ و نخوذ انک' وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا انتہی ملخصا۔"

(ترجمہ) یہ حدیث عاصم بن کلیم کی ظاہر اور بظاہر رو کر رہی ہے۔ اس مسئلہ کی جو ہمارے مذہب والوں نے قرار دیا ہے کہ کھانا تیار کرنا پہلے دن اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد مکروہ ہے۔ اس کے بعد خلاصہ کلام محقق مذکور کا یہ ہے کہ اگر مردوں کے لئے کھانا بطور ضیافت تیار کریں اور اصحاب حاجات کی دعوت کریں تو یہ سب مستحسن اور مستحب ہے اگرچہ پہلے دوسرے۔ تیسرے دن مصیبت کے ہوں۔ اور کتب فقہ میں جو ان تین دن میں طعام لینے کی کراہت کا ذکر ہوا ہے۔ وہ دن ایک خاص صورت کا ہے۔ کہ صاحب مصیبت کے گھر میں بغیر دعوت کے لوگ جمع ہو جائیں۔ پس بکراہت اور ناخوشی از روئے حیا طعام لیویں یا میت کی بعض اولاد یا وارث چھوٹے ہوں۔ یا وہ غائب یا دور ہوں۔ یا ان کی رضا معلوم نہ ہو۔ تو اس

صورت میں کھانا مکروہ ہو گا۔ لیجئے مولوی جی کی عبارت بزازیہ کی اصلیت بھی معلوم ہو گئی۔ جو انہوں نے بحوالہ شامی دی ہے۔ آپ کو لازم تھا۔ کہ ان کتابوں کو دیکھ کر منہ کھولتے۔ تاکہ ندامت نہ اٹھانی پڑتی اس کا مطلب تو یہ تھا۔ کہ اگر وہ کھانا بطور دعوت تیار کیا جائے تو مکروہ ہے اور اگر ایصال ثواب میت کے لئے ہو تو مکروہ نہیں۔ مگر آپ کی اس وہابیانہ روش سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو کلمہ حق کہنا اور سننا پسند نہیں۔ جہاں کہیں ایک آدھ سطر کسی غیر مقلد بے تحقیق کے رسالہ میں دیکھ لی۔ بلا سوچے سمجھے لکھ ڈالی۔ حالانکہ تبلیغ دین میں دھڑا بندی سے ہٹ کر امانت و دیانت سے کام لینا چاہیے۔ غیر مقلدین کی طرفداری بدعوائے مدعی ایک مقلد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے لئے جائز نہیں۔

اور سنئے بزازیہ نے کتاب الاستحسان میں لکھا ہے۔ وان اتخذوا للمیت طعاما للفقراء کان حسنا الا ان یکون فی الوائتہ صغیر فلا یتخذ ذالک من الترمک

یعنی اگر میت کے ولی نے فقراء کے لئے کھانا پکایا۔ تو یہ بہتر ہے۔ مگر جب وارثوں میں کوئی یتیم ہو تو ترکہ سے نہ لیا جائے۔

اسی طرح علامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں بزازیہ کی عبارت نقل کی ہے۔ فہذا بدل علی اباحتہ صنع اهل الميت الطعام والدعوة الیہ یعنی یہ حدیث عاصم بن کلیم کی اہل میت کے کھانا پکانے پر دلالت کرتی ہے۔ (اس پر واضح تر سنئے۔ زادا لا خرت نے مراۃ الاخرت میں لکھا ہے۔

کہ اجابت طعام کہ برائے میت پختہ باشند مکروہ است وائیں آنگاہ مکروہ است کہ ازالہ ترکہ میت باشند۔ زیرا کہ ترکہ حق وارثان است و اگر وارثان نہ باشند۔ حق بیت المال است۔ لہذا اگر کسی ازالہ خود برائے میت طعام میکند و خلق را میخورد بے شبہ حلال است۔ زیرا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بروج حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ طعام شام و سوم روز و دہم روز و چہلم روز و ششماہی و سالانہ دادہ است۔ و بعضے صحابہ رضوان اللہ علیہم نیز ہمچنین کردہ اند۔ ہر کہ ایسے را منکر پس او فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ رضوان اللہ علیہم را منکر شدہ باشد۔

یعنی قبول کرنا طعام میت کا جو میت کے لئے پکایا جائے۔ اس صورت میں مکروہ ہے کہ ترکہ کے مال سے پکائیں۔ اس لئے کہ ترکہ وارثوں کا حق ہے۔ اگر وارث نہ ہوں، بیت المال کا حق ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے مال سے میت کے لئے پکائے اور لوگوں کو کھلائے تو بے شبہ جائز اور حلال ہے۔ اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے کھانا شام کا تیسرے دن کا اور دسویں روز کا اور چہلم ششماہی اور سالانہ کا دیا ہے۔ اور بعض صحابہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے جو کوئی اس کا منکر ہے وہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و فعل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا منکر ہے۔

اسی طرح خلاصۃ الفقہ و مسائل شیخ الاسلام دہلوی شارح صحیح بخاری میں بھی ہے یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن مولوی سنبھلی صاحب پر کیا موقوف ہے۔ ایسے بہت سے مدعی بزرگی خفی نما دہائی

آج کل یہ وطیرہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ کہ جن مسائل میں سوائے تسلیم کے چارہ نہیں اور ان میں وہابیت کا پرچار نہیں کر سکتے۔ تو ذرا ذرا سی جھٹیں اٹھا کر عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کی سعی کرتے رہتے ہیں۔ جیسے بظاہر دہلی آواز سے اس مسئلہ ایصال ثواب میں بھی کر رہے ہیں کہ ایصال ثواب قرآن پڑھنا، صدقات و خیرات و اسقاط موتی مندوب ہے۔ اب علانیہ ناجائز کہیں تو اپنے استادوں اور محققین کے مجرم ہوتے ہیں کریں تو کیا کریں ہو نہ ہو بات کرنے کی جگہ یوں نکالو کہ یہ سب کچھ جائز ہے۔ مگر وقت معین پر نہ کرنا چاہیے۔ واہ کیا مضحکہ انگیز فلسفہ ہے۔ کہ نماز کا وقت معین۔ روزہ کا معین۔ حج کا معین۔ موت کا معین۔ مدارس و تدریس کے ایام تعلیم و تعطیل معین۔ عقیقہ و پیدائش کا دن معین۔ نکاح کا دن معین اور بغیر تعین کے کام نہ چلے۔ نہ بے وقت نماز ہو نہ روزہ کی فرضیت ادا ہو۔ نہ قتل از وقت اور نہ بعد از وقت میں حج کا ثواب حاصل کر سکیں۔ نہ نکاح بغیر تعین وقت اور بلا معاہدہ فی مابین ہو سکے۔ پھر اس میں کونسی چیز بدعت ہے۔ کہ خاص خاص ایام میں تمام مسلمان بھائیوں کو معین وقت دے کر بخوف ہرج ضروریات دین و دنیا بلا لیا جائے۔ اور مل کر ایک نیک کام کو سرانجام دے دیا جائے۔ آپ تو جلسہ کریں تو اشتہار دے کر وقت معین پر کریں۔ ہر ایک کی صدارت و تقریر کا وقت معین۔ اور اس کا اعلان مستحب بنا لیں۔ اور یہ بدعت و حرام ہو جائے۔ عجیب سنت کی ادائیگی ہے خدا ایسی بے راہ روی سے محفوظ فرمائے۔ جو اوروں کو نصیحت اور خود میاں نصیحت۔ مولوی صاحب اول تو وقت کا معین کرنا اس لئے نہیں ہوتا۔ کہ فرضیت میں کوئی

فرق نہ آئے۔ بلکہ اس لئے ہوتا ہے۔ کہ بغیر معین کرنے وقت کے میت کے وارثوں کو غیر معین مدت تک دور دراز سے آنے والے رشتہ داروں کے ساتھ ماتم پر سی کا وقت دینا پڑتا۔ اور وہ اپنے خاص خاص خاگی و معیشت کے کاموں سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اگر سال بھر تک بیرونی رشتہ دار آتے رہتے تو سال بھر تک کچھ ان کی مسمان نوازی کرتے اور کچھ اپنا روٹی کا روٹا روتے۔ اس ظاہری و باطنی نقصان سے بچنے کا واحد ذریعہ یہ اختیار کیا گیا کہ ایک وقت معین کر کے تمام کی آمد کا انتظار کیا جاوے اور میت کی اعانت میں جو کچھ کوئی نیکی کر سکتا ہو۔ بیک وقت کرے۔ تاکہ درء میت بھی فراغت پا کر اپنے کسی دھندے میں لگنے والے بنیں۔ دوسرے قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ **تعاونوا علی البر والتقوی** یعنی آپس میں مدد کو نیک کام اور تقویٰ پر اور تقویٰ یہ ہے کہ درء میت نے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ کلمہ طیبہ جو کوئی ایک لاکھ بار میت کی نیت پر ایصال ثواب کے لئے پڑھے۔ اور ثواب اس کا اس میت کو بخشے۔ اگر وہ قابل عذاب ہو۔ تو اس کو عذاب نہ کریں گے۔ اور اگر وہ قابل عذاب نہیں تو اس کے درجات بلند کر دیئے جاویں گے) پڑھنے کا اہتمام کیا۔ اور ایک روایت میں ستر ہزار (۷۰۰۰۰) بار پڑھنا کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللہ" کا آیا ہے۔ جیسا کہ بزرگان دین میں اس پر عمل بھی پایا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی کلام کا حوالہ دیتے ہوئے مولوی صاحب نے اپنی بدعت گوئی کی دلیل لی ہے) دوستوں کو جلد ثانی میں فرماتے ہیں۔ کہ ہفتاد ہزار بار کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ بروحانیت مرحومی خواجہ محمد صادق بروحانیت

ہمیشہ اداام کلثوم بخوانند و ثواب ہفتاد ہزار بار را بروحانیت کیے بخشد و ہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے۔ ازدوستاں با و فاتحہ مسکول است اب ایک لاکھ بار کلمہ طیبہ وارث میت اکیلا تو جلدی پڑھ نہ سکے گا۔ اور نہ پڑھ سکتا ہے۔ اور یہاں میت کا کام تمام ہوا جاتا ہے۔ لہذا چند میت کے عزیز آشنا و ہمسایہ مل کر اس کا رخر کو انجام دے لیں۔ تو تعاونوا علی البر والتقوی کے ماتحت ان کی شرکت باعث ثواب و خیر ہوگی۔ نہ گناہ۔ یا آپ کہہ دیں کہ کلمہ طیبہ پڑھنا بھی گناہ ہے۔ اور اس میں شرکت بھی گناہ۔ پھر ممکن ہے لوگ باز رہ جاویں۔ اگر یہ دلائل بھی ناکافی ہیں۔ تو لیجئے اپنے دیوبندی گھروالوں کی سنئے۔ جن پر ایمان رکھتے ہو۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی تحذیر الناس مطبوعہ بریلی کے ص ۴۰ میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا۔ تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا۔ کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔۔۔ حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کبھی کلمہ طیبہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ طیبہ پڑھے جانے کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے۔ اپنے جی ہی میں اپنے مرید کی ماں کو بخش دیا۔ اور اس کو اطلاع نہ کی۔ مگر بخشنے ہی کیا دیکھتے ہیں۔ کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا۔ کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔ تو آپ نے اس پر یہ فرمایا۔ کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث معلوم سے معلوم ہوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوئی۔ اب کیا فرماتے ہیں۔ مولوی جی سچ اس فعل کے۔ کہ کلمہ طیبہ کسی کا

پڑھنا اور کسی کو بخشا۔ اور امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا دوستوں کو مل کر پڑھنے اور دو ہستیوں کو بخشے کا ارشاد فرمانا۔ آپ کی مجوزہ بدعت میں داخل ہے۔ یا اہل دین و بزرگان مذہب کا دستور العمل رہا ہے۔ اگر آج کوئی ایسا کلمہ کلام ایصالِ ثواب کے لئے مل کر پڑھا جائے تو یہ حرام و ناجائز کیونکر ہوا۔ کیا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر بھی ایمان ہے یا وہی ایک ہی اپنے مطلب کی بات تلاش کر رکھی تھی۔ اور نئے حضرت سرتاج اولیاء امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں مکتوبات نمبر ۱۰۴ جلد اول۔ بدعا و استغفار و تصدق امداد بایہ نمود۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ما الميت فی القبر الا کا الغریق المتغوث ينتظر دعوة تليقہ من اب او ام او اخ۔ او صديق فاذا لحقته كان احب الیہ من الدنیا و ما فیہا وان اللہ تعالیٰ لیدخل علی اهل القبور من دعاء اهل الارض امثال العبال من الرحمتہ وان ھدیتہ۔ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم۔

(ترجمہ) (حدیث شریف) : فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مردہ قبر میں ڈوبنے والے کی مانند ہے۔ فریاد کرنے والا ہے اور انتظار کرتا ہے دعا کی جو اس کے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست نے کی۔ جب یہ دعا اس کو پہنچے۔ دوست تریا زیادہ محبوب ہے۔ وہ دعا اس کے لئے تمام دنیا سے اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بھی۔ تحقیق اللہ تعالیٰ اہل دنیا کی دعا اہل قبر کو پہنچاتا ہے مانند پہاڑوں رحمت کے۔ اور تحقیق زندوں کا ہدیہ یا تحفہ یا صدقہ مردوں کے لئے بخشش ہے۔ یا ذریعہ نجات۔ اب تو امام صاحب کا قول اور حدیث

شریف متفقہ طور پر فاتحہ خوانی اور طریق ثواب رسائی کی تاکید فرما رہے ہیں۔ کیا اب بھی امام صاحب کے نزدیک جواز ایصالِ ثواب پایا گیا ہے یا نہیں۔ اور اگر آپ کے یہی لیل و نہار ہیں۔ تو مولا کریم رحم فرمائے۔ تیسرے یہ بات بھی تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو۔ جب وہ وقت آئے تو یاد آجاتا ہے۔ اور ہو رہتا ہے۔ نہیں تو سالہا سال گذر جائیں کبھی خیال بھی نہ آئے گا۔ اس قسم کی بیسیوں مصلحتیں ہر امر میں ہیں۔ جن کی تفصیل طویل ہے۔ سمجھ دار آدمی غور کر کے خود ہی سمجھ سکتا ہے۔ قارئین ذرا خیال فرمائیے کیا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مصنف تفسیر فتح العزیز پر ان توحید پرستوں کو ترجیح دی جاسکتی ہے جن کا ایمان ہے کہ چلم ساتے تیجے سب جائز ہیں۔ چنانچہ ص ۹۰ میں فرماتے ہیں:-

”مد زندوں کی مردوں کو ایسی حالت میں پہنچتی ہے۔ اور مردے ایسی حالت میں مد کے منتظر ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا اس وقت صدقے۔ اور دعائیں اور فاتحہ ان کے بہت کام آتے ہیں۔ اور اسی واسطے اکثر لوگ ایک سال تک علی المخصوص ایک چلے تک موت کے بعد کوشش و سعی کرتے ہیں۔ جیسا کہ فقہانے لکھا ہے۔ ینبغی ان یواظب علی الصدقۃ للمیت الی سبعتہ ایام وقیل الی اربعین فان المیت یشوق الی یتہ.... الاخر

یعنی چاہئے کہ سات دن تک ہمیشہ صدقہ دیا جائے میت کی طرف سے اور بعضوں نے کہا چالیس دن تک۔ کیونکہ میت اپنے گھر کی طرف آرزو مند اور مائل ہوتی ہے۔ اسی طرح ارشاد فقہائے خزانہ الرواۃ و شرح برزخ وغیرہ میں مندرج ہیں۔ يستجب ان تصدق عن المیت الی ثلاثہ ایام یعنی

مستحب ہے کہ میت کی طرف سے تین دن تک صدقہ کیا جائے۔ لیجئے شاہ صاحب کے عقیدہ میں چلہ تک سعی للمیت کرنا مستحسن ثابت ہوتا ہے ورنہ آپ خود ہی ناجائز ہونے پر اس کی تردید فرمادیتے۔ نہیں بلکہ مدوسے تعبیر فرما رہے ہیں۔ پھر انوار محمدی مصنفہ شیخ محمد غوث صاحب مرحوم تھانوی استاد مولوی رشید احمد صاحب دیوبندی ص ۴۶ سوال ہشتم کا جواب پڑھئے۔ جہاں لکھتے ہیں: سوال

”آنکه خوردن طعام بروز سویم- و دهم و چهلیم و غیره از اہل میت (جواب) محتاج را منع نیست۔“

کیا یہاں بھی تخصیص ایام کا کھانا جائز ہوا یا نہیں۔ شاید سوم۔ دہم۔ چہلم آپ کے نزدیک کس جانور کا نام ہے۔ صاحبزادہ ابراہیم جب فوت ہوتے ہیں۔ تو خود سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے دن ختم پڑھتے ہیں۔ روٹی سامنے رکھ کر دعا فرماتے ہیں۔ اور حضرت ابوذرؓ کو ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اس کو لوگوں میں تقسیم کر دے۔ چنانچہ اصل عبارت یوں ہے۔ وفی فتاوی الاوز جندی لملا علی قاری الحنفی رحمۃ اللہ وکان یوم الثالث من وفات ابراہیم ابن محمد صلی اللہ علیہ وسلم جاء ابوذر عند النبی علیہ السلام بتمرة یا بستانه ولبن فيه خبز من شعره فوضعها عند النبی فقرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للفاتحة و سورة اخلاص ثلاث مرات الى ان قال رفع يديه لل دعاء و مسلح بوجهه فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اباذر ان يقسمها بين الناس وايضا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهبت ثواب هذه لابني ابراہیم۔

(بلفعلہ ہدیۃ الحرمین الباب الثالث عشر ص ۶۸) ترجمۃ اور درمیان
فادی اور جندی ملاں علی القاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ کے ہے۔ کہ تیسرا
دن وفات ابراہیم فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ کہ آئے ابوذر
رضی اللہ عنہ نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھجور خشک اور دودھ
کے کہ اس میں بھیگی ہوئی روٹی جو کی تھی۔ پس رکھا اس کو نزدیک نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کے پس پڑھی حضرت نے فاتحہ اور سورۃ اخلاص تین بار۔
یہاں تک کہ کہا حضرت نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے منہ پر پھیرے۔ پھر
حضرت ابوذرؓ کو حضور علیہ السلام نے حکم فرمایا کہ اس کھانے کو لوگوں کے
درمیان تقسیم کر دے۔ اور یہ بھی اس میں ہے۔ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس کا ثواب اپنے بیٹے ابراہیم کو بخشا۔

یقیناً اس حوالہ سے یہ سمجھ میں آگیا ہو گا کہ تعین وقت اور تیسرا دن بعد وفات کے اس انکار کا صریح جواب ہے۔ اور وقت کا معین کرنا مسنون۔ اور اگر اس کے تسلیم کرنے میں بھی تاہل ہے۔ تو اور دلائل ملاحظہ فرمائیے۔ حدیث شریف مشکوٰۃ باب الاستسقاء عن عائشہ رضی اللہ عنہ قالت شکا الناس الى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحوط المطر فامر بمنبر نوضع له فی المصلی ووعدا الناس یوما ینخر جون فیہ قالت عائشہ فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین بداء حاجب الشمس الحلیث (ترجمہ) لوگوں نے مینہ نہ برسنے کا حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکوہ کیا۔ تو حضور علیہ السلام نے عید گاہ میں منبر کے رکھنے کا حکم دیا اور ایک دن معین فرمایا کہ اس دن سب لوگ عید

گاہ کو چلیں۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ حضور اس دن آفتاب کے طلوع کے وقت نکلے۔ اور عید گاہ کو تشریف لے گئے۔ اس حدیث سے دن کا معین کرنا نماز استسقاء کو نکلنے کے لئے ثابت ہوتا ہے۔ اور صحیح بخاری میں ہے عن ابن عمر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتئ مسجد قبا کل سبت ماشا ووا کبا ووصل فیہ رکعتین۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے روز مسجد قبا میں تشریف لایا کرتے تھے کبھی پیدل اور کبھی سواری پر اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ پھر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ عن شقیق قال کان عبداللہ بن مسعود یذکر الناس فی کل خمیس یعنی کہ شقیق فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کے دن لوگوں کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ یعنی وعظ کے لئے یوم جمعرات معین کر رکھا تھا اسی طرح حضور علیہ السلام کے وہ ارشادات بھی ہیں جن میں حضور نے تعین یوم فرما کر زیارت قبور کے لئے پیر۔ جمعرات۔ ہفتہ اور جمعہ بعد نماز بیان فرمایا ہے۔ کیا یہ تمام احادیث معین یوم میں تیسرے دن کے ختم پڑھنے میں اور کھانا سامنے رکھ کر پڑھنے میں اور اس پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے میں اور معین اشیاء ہونے میں۔ اور پھر لوگوں میں تقسیم کردانے میں فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کرتی ہیں یا نہیں۔ اور اگر مسنون سمجھ کر کھجور خشک دودھ اور جو کی روٹی خالی یا دودھ میں بھیگی ہوئی ہر مسلمان ختم میں رکھنا لازم کر لے تو معین اشیاء پر جواز کا حکم الگ جائے گا اور سنت ادا ہو جائے گی۔ پھر ہر بہتر چیز کو لے کر

دینے میں آپ کا کیا نقصان۔ تکلیف تو دینے والے کو محسوس کرنی چاہیے نہ کہ آپ کو کیا آپ ایمانداری سے کہتے ہیں۔ کہ تیجہ وغیرہ پر ختم۔ یوم معین۔ قرآن خوانی اور کھانا سامنے رکھ کر اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وائمہ عظام سے بالکل ثابت نہیں۔ اور یہ کہ عمد نبوت و عمد صحابہ و تابعین میں یہ طریقہ رائج نہ تھا۔ کہ میت کے لئے جمع ہو کر قرآن پڑھیں۔ نہ قبر پر نہ دوسری جگہ یہ تمام کی تمام بدعت ہیں۔ افسوس اگر مولوی جی کسی تحقیق سے کام لیتے تو یقیناً ایسا نہ لکھتے۔ کیونکہ متقدمین سے یہ ثابت ہے۔ کہ موتی کے لئے قرآن پڑھنا ہر زمانہ میں اہل ایمان کا شیوہ رہا ہے۔ مگر معلوم نہیں کہ ان کو قرآن پڑھنے سے کیا عداوت ہے۔ ہاں اگر وہ واقفیت نہیں رکھتے تو لیجئے یعنی شرح ہدایہ باب الحج عن الغیر سے معلوم کر لیں۔ ان المسلمین یجتمعون فی کل عصر و زمان و یقرؤن القرآن و یهدون ثوابہ لموتہم و علی هذا اہل الصلاح والدیانت من کل مذہب من المالکیۃ والشافعیۃ وغیرہم ولا ینکر ذالک منکر لکان اجماعاً

(ترجمہ) بیشک مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ اور ہوتے رہے ہیں۔ ہر عصر اور ہر زمانہ میں اور پڑھتے رہے ہیں قرآن اور پہنچاتے رہے ہیں۔ ثواب اپنے موتی کو اور اس بات پر جمع ہیں صلاح اور دیانت والے ہر مذہب کے مالکی۔ شافعی وغیرہ اور کوئی منکر اس کا انکار نہیں کر سکتا پس اس امر پر اجماع ہو گیا ہے۔ اور دیکھئے فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ قرات القرآن عند القبور عند محمد وحمہ اللہ لا تکروہ و مشائخنا رحمہم اللہ اخذوا بقولہ وھل یشفع

والمختار الدہ منتفع کذا فی المضمرات۔ (ترجمہ) یعنی قرآن پڑھنا قبروں پر امام محمد کے نزدیک مکرمہ نہیں اور ہمارے مشائخ نے اسی کے قول کو لیا ہے۔ اور مردہ نفع پاتا ہے۔ قرآن خوانی سے یا نہیں سو مختاریہ ہے۔ کہ نفع پہنچتا ہے۔ یہ مضمرات میں ہے۔ اور فتح القدیر میں ہے۔ واختلف فی اجلاس القارئین لبقروا عند القبر والمختار عدم الکوهنت۔ اور فتح القدیر میں ہے۔ کہ علماء کا اختلاف ہے قاریوں کے بٹھانے میں تاکہ قبر پر بیٹھ کر قرآن پڑھیں۔ مگر مختاریہ ہے کہ مکرمہ نہیں۔

مراتی الفلاح میں کبیر طبرانی سے یہ حدیث منقول ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مر جائے اور اس کی قبر کی مٹی برابر کر چکو تو چاہئے کہ ایک آدمی قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر (اے فلاں بیٹے فلاں کے) قبر والے کو مخاطب کر کے کہے وہ تمہاری آواز سنتا ہے گو جواب نہیں دیتا پھر اسی طرح کہو وہ بیٹھ جاتا ہے پھر اسی طرح اس کو تیسری دفعہ پکارو۔ وہ کہتا ہے تجھ پر خدا رحم کرے مجھ کو ہدایت کر مگر تم نہیں سنتے لہذا چاہئے کہ اب خطاب کرنے والا کہے کہ یاد کر تو اس بات کو جس پر تو دنیا سے رخصت ہوا ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وصیت باللہ رہا وباللہ سلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا وبالقرآن اماما۔ یہ سن کر تکبیریں کہتے ہیں چلو اب یہاں بیٹھنا فضول ہے یہ تو اپنی حجت تلقین کر دیا گیا۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ اگر میت کی ماں کا نام معلوم نہ ہو۔ فرمایا آپ نے فلاح بن حوا کہہ کر پکارے۔ اسی واسطے شافعیہ اس طرح تلقین کو مستحب فرماتے ہیں اور حنفیہ

بھی اچھا سمجھتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کے لئے قبر پر بعد دفن قرآن کریم اور ہر قسم کی تلقین جائز و مسنون ہے۔ جس سے مردے کو حجت تلقین ہو جائے۔ اور وہ سنتا ہے اور جواب دیتا ہے۔ گو اس کو اہل دنیا نہ سنتے ہوں۔

اور مولوی اسحاق صاحب نے ماتہ مسائل کے جواب سوال ہشتاد و سوم میں لکھا ہے۔ حافظاں را برائے قرأت قرآن نشانند نزد قبر و اس مسئلہ علماء کا اختلاف است مختار ہمین است کہ جائز است الاخر۔ مولوی اسحاق صاحب لکھتے ہیں۔ کہ حافظوں کو قرأت قرآن کے لئے قبر کے نزدیک بٹھانے میں علماء کا اختلاف ہے۔ مگر مذہب مختاریہ ہے۔ کہ جائز ہے۔ اور امام حجت الاسلام غزالی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ کہ لا باس بقرا القوان علی القبور یعنی قبور پر قرآن کریم پڑھنے میں کوئی خطرہ نہیں۔ اور اس جگہ امام صاحب نے ایک عجیب قصہ بھی لکھا ہے۔ کہ علی بن موسی کہتے ہیں۔ کہ میں ایک جنازہ پر امام احمد بن حنبل کے ساتھ تھا۔ کہ بعد دفن میت کے ایک اندھا قرآن پڑھنے لگا۔ امام احمد نے فرمایا کہ اے آدمی یہ کام بدعت ہے۔ جب ہم مقبرہ سے نکلے محمد بن قدامہ نے امام احمد سے پوچھا کہ تم مبشر بن اسماعیل حلبی کو کیسا جانتے ہو۔ فرمایا وہ ثقہ یعنی معتبر ہے۔ اس نے پوچھا تم نے ان سے کچھ علم سیکھا ہے۔ امام نے فرمایا۔ ہاں جب معلوم ہوا اقرار ان کے سے کہ وہ امام احمد کے استاد ہیں تو تب محمد بن قدامہ بولا۔ کہ خبردی مجھ کو مبشر بن اسماعیل نے ان کو خبر پہنچی عبدالرحمن سے کہ جب ان کے باپ علا بن الحلاج کا انتقال ہوا۔ تو وصیت فرمائی۔ کہ جب میں دفن کیا جاؤں

میرے سرہانے قبر کے پانچ آیت اور آمن الرسول پڑھو۔ اور یہ کہا کہ میں نے ابن عمر کو سنا ہے۔ وہ وصیت کرتے تھے۔ اس بات کی اس وقت امام احمد نے فرمایا۔ کہ مقبرہ میں دوبارہ جاؤ۔ اور اس اندھے کو کہہ دو کہ قرآن پڑھتا رہے۔ اس کے علاوہ ایک اور حدیث بھی نقل کروں۔ تاکہ مولوی جی کے دل میں نور قرآن کی محبت ہو جائے اور اس مغالطہ سے بچ جائیں۔ کہ اکٹھے ہو کر قرآن پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ اور ابو افضل کے فتویٰ کے روبرو حدیث مکرم کی کیا قدر و منزلت ہونی چاہئے ترجمہ حدیث۔ مسلم نے روایت کیا ہے کہ جس گھر میں آدمی جمع ہوتے ہیں اس لئے کہ تلاوت کریں کلام اللہ کی اور پڑھیں آپس میں اترتا ہے ان کے دلوں میں آرام و قرار و طمانیت اور سب طرف سے گھیر لیتی ہے ان کو رحمت اور گرداگرد ان کے پھرتے ہیں فرشتے تمام ہوا ترجمہ حدیث مسلم شریف کا۔ دیگر کتب طریقہ میں بھی آیا ہے۔ کہ آدمی جمع ہوتے ہیں اور پڑھتے ہیں قرآن اپنے مردوں کے واسطے کسی نے اس پر انکار نہیں کیا (یعنی کوئی بڑا عالم و محقق اس کا منکر نہیں جس کی سند لی جائے) لہذا یہ اجماع ہو گیا۔ قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ تذکرۃ الموتی والقبور میں فرماتے ہیں۔ کہ حافظ شمس الدین ابن عبدالواحد گفتہ کہ از قدیم در ہر شہر مسلمانان جمع میشوند و برائے اموات قرآن سے خوانند پس اجماع شدہ غرضیکہ ملا علی قاری سیوطی قاضی ثناء اللہ پانی پتی تمام نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ عن سفیان قال کان الانصار اذا مات لهم البیت اتفقوا علی قبرہ بقرون القرآن یعنی روایت ہے سفیان سے کہ انصار کی یہ عادت تھی جب کوئی میت ان کی ہوتی تو وہ اس کی قبر پر جاتے اور متفق ہو کر

قرآن پڑھتے تھے ان کے علاوہ بے شمار دلائل ہیں۔ جو بخوف طوالت کتاب ہذا نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ العاقل تکفیت الاشارة خدا کرے کہ یہ مولوی جی بھی اپنی موت کے بعد قرآن سننے کے متمنی ہو جائیں۔ اور اپنی اس عبادت پر جس کے مقبول یا مردود ہونے کا علم نہیں رکھتے نازاں نہ ہوں۔

مسئلہ تعظیم انبیاء و بزرگان دین و اہل القبور

فرقہ دہا یہ اور اس کا چھوٹا بھائی دیوبند یہ کچھ اس قسم کے اہل الخصام اور حاسدان اہل اللہ واقع ہوئے ہیں۔ کہ جس کسی مرد خدا کی خلق خدا میں تعظیم و تکریم ہوتی دیکھتے ہیں۔ جل بھن کر کوئلہ ہو جاتے ہیں۔ اور تو اور انبیاء علیہم السلام تک کی تعظیم تو ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ دوسرا بے چارہ کون ہے۔ جو ان کی نظر بد سے بچ جائے۔ درویشی تو ان کے لئے کچھ ایسی دلرشی بن گئی ہے۔ کہ جہاں کہیں دنیا کے خطہ پر آسمان کے نیچے کوئی درویش نظر پڑا ان کی جان گئی اور تیور بدلے۔ داڑھی سکڑنے لگی۔ نتھنے پھولنے لگے۔ آستینیں چڑھنے لگیں۔ گویا سرتاپا عذاب بن گئے۔ پیش نہ جائے اور بس نہ چلے تو وہ ایک دوسری بات ہے۔ ورنہ بس چلے تو دیکھو کیا بنتا ہے۔ جو منہ دریا آیا۔ (کافر، کتا، بندر، سور) بے شرع کہہ دیا۔ اگر ہمت پائیں تو ڈانگ ڈنڈا بھی دکھانے سے نہ شرمائیں اور اس کے علاوہ بھی جو اس وقت بن پڑے دریغ نہ کریں۔

اس تمام ناک بھون چڑھانے کی وجہ صرف حسد ہے۔ اور یہ مرض ان کو آج سے نہیں پرانی ہے۔ جو لاعلاج ہو چکی ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ اور شاید انہی کے لئے ہی کہا ہے۔

یہ درد وہ ہے کہ جس کا کوئی طیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

کیونکہ عوام الناس درویشوں۔ پیروں اور فقیروں کی خدمت کرتے ہیں۔ اور ان کا ادب بجا لاتے ہیں۔ اور یہ دیکھ کر سہار نہیں سکتے۔ چاہتے ہیں کہ درویشوں کو لوگوں کی نظروں سے گرائیں۔ واویلا چائیں۔ ہتھکنڈے چلائیں مگر جب کچھ بنتا نظر نہیں آتا۔ تو پھر اس حسد کے پردے میں شریعت کی آڑ رکھ کر فتوے چلانے شروع کر دیتے ہیں۔ اور پیچ پیچ کر کے ان کو مشرک بدعتی۔ بے راہ رو۔ اور خلاف سنت کہنے لگ جاتے ہیں۔ اور لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کے لئے جو بہتان ہاتھ آئے لگا کر اپنا اعمال نامہ سیاہ کر لیتے ہیں۔ اگر اپنے مدعا کی کوئی حدیث کسی دوسرے کو کہنے کے لئے مل جائے۔ تو لوگوں کو دکھا دکھا کر کہیں گے۔ کہ حدیث سے انکار کرنے والا بڑا ہی گنہگار ہے۔ اور قول و فعل نبوی سے روگردانی کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ لیکن جب درویش اپنے شعار کی کوئی حدیث پیش کرتا ہے۔ تو یہ نہ اس کے انکار سے گنہگار اور نہ برا جاننے سے کافر ہوں۔ ان کی آتش حسد اس قدر شعلہ زن ہوتی ہے۔ کہ قول و فعل پیغمبر علیہ السلام سے بھی ثابت کرنے پر فرد نہیں ہوتی۔ بتاؤ پھر سوائے لعنت اللہ علی الظالمین ان کا کیا علاج ہے۔ ان کو کسی ایک قاعدہ پر چلنا چاہئے تھا۔ یا تو کہیں کہ سب حدیثوں کا انکار گناہ ہے۔ یا یوں کہیں کہ ہمارے مدعا کی حدیثوں کا انکار کفر ہے۔ اور ہم کسی حدیث کو مانیں یا نہ یہ ہمارے اختیار کی بات ہے۔ خدا انہیں ہدایت

ہی دے۔ دعوے تو زمین و آسمان کے کرتے ہیں۔ کوئی کتا ہے۔ میں دیوبند سے حدیث پڑھ آیا ہوں۔ کوئی کتا ہے میں دلی سے کوئی کہیں سے اور کوئی کہیں سے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ چھانٹیں حدیثیں پڑھی ہیں۔ یا سب۔ حدیث کی پوری کتاب تو ہاتھ میں تھی اگر استاد نے نہیں پڑھایا۔ تو کیا اپنی نظر بھی ان پر نہیں پڑی۔ اور اس وقت نہیں تو اب سہی۔ حدیث النہد یا کل الحسنات کما تا کل النار الحطب کی زد سے اپنے آپ کو بچاؤ اور اہل اللہ کو برا نہ کہو۔ ورنہ پھر ہم بھی تم کو انہی الفاظ کا مستحق قرار دیں گے۔ جن الفاظ سے تم ہمیں ہر وقت یاد کرتے ہو۔

اسی ضمن میں مولوی صاحب نے اپنی مرضی کے چند وہ سوال لکھ کر جن کا جواب آپ لکھ سکتے تھے۔ خود ہی جوابات میں دل کی بھڑاس نکال کر علماء و صلحاء کو خوب کو سا ہے۔ (اور مقصود اس کا تبلیغ دین لیا ہے۔ ہمیں تفاوت راہ از کجا است تا کجا ایک سوال میں لکھتے ہیں۔ قادیانی۔ رافضی۔ چکڑالوی خارجی۔ خصوصاً "رضائی کہ بیروں۔ فقیروں۔ رسولوں انبیاء علیہم السلام کو عالم الغیب مشکل کشا۔ حاجت روا جانتے ہوئے حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ تعزیموں اور مزاروں پر چڑھاوے۔ نذرانے۔ سجدے۔ طواف وغیرہ کرتے ہیں۔ تو کیا ان کی تعزیم و مصاحبت وغیرہ ناجائز ہے۔ ملخصاً۔" پھر خود ہی جواب میں جاہل اور عقیدہ شنیعہ والے کہ سن کر لکھ دیا ہے۔ کہ ان کو تبلیغ کی جائے اگر ایسے عقاید باطلہ و حرکات شنیعہ سے باز نہ آئیں۔ تو پھر ان سے قطع تعلق لازمی ہے۔ مولوی صاحب کے اس طریق کار سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی پیر پر اپنا ذاتی رنج نکال رہے ہیں۔ ورنہ کیا وہ عالم ہو کر سجدے

اور قدم بوسی میں فرق نہیں جانتے۔ یا اور انبیاء علیہم السلام اور سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو کتابوں سے تمیز نہیں کر سکتے۔ یا خدا کے ذاتی علم کا اور رسول اللہ کے عطائی علم غیب کا سمجھنا ان کے لئے ناممکن ہو گیا ہے۔ یا نبی الانبیاء کی حاجت روائی کی طاقت سے ناواقف ہیں۔ یا مزاروں پر جانے اور فاتحہ خوانی کرنے کی حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر از روئے امانت و دیانت خود مولوی جی کو دیکھا جائے تو وہ پس پردہ ان تمام چیزوں کے قائل نہیں بلکہ عامل نکلیں گے۔ مگر عوام کے سامنے کھانے کے دانت اور رکھتے ہیں۔ اور دکھانے کے اور۔ کیونکہ اگر انہوں نے حدیث پڑھی ہے۔ اور پڑھانے والے حضرات اور اپنے استادوں کے اعمال پر غور کیا ہے۔ تو وہ یقیناً ان باتوں سے انکار نہیں کر سکتے۔ جن پر ان کے حقدین حضرات عامل رہے ہیں۔ ہاں ہٹ دہرمی اور چیز ہے۔ اور ایمان و انصاف اور چیز۔ مولوی جی نے جن جن عقائد میں درویشوں۔ فقیروں کو کوسا ہے۔ یا انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات کا انکار کیا ہے۔ فقیران کو یہاں بالا اختصار جواباً "عرض کرتا ہے۔ اثر کی توفیق رب العزت کو ہے۔

مولوی صاحب اگر جناب نے ان مسائل کو بیگانہ نظری سے مطالعہ کیا ہے تو یہ آپ کا قصور ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے۔ کہ سجدہ اور شے ہے۔ اور قدم بوسی اور چیز ہے۔ سجدے کا کرنا نیت پر موقوف ہے۔ اگر کسی کو معبود جان کر کیا۔ تو کرنے والا اور کرانے والا دونوں کافر ہیں۔ اگر سجدہ عبادت کی نیت نہیں لیکن صورت سجدہ کی بن گئی ہے۔ تو بھی اس لئے کہ عبادت الہی کے مشابہ ہے۔ حرام ہے۔ اور سوائے معبود حقیقی اللہ واحد جل شانہ کے

ہرگز جائز نہیں۔ مگر کسی بزرگ کے ہاتھ پاؤں چومنا سجدہ نہیں اور نہ محض سر نیچا کرنا خواہ کسی غرض کے لئے ہو سجدے کا حکم رکھتا ہے۔ ہاتھ پاؤں پر بوسہ دینا۔ تو افعال صحابہ میں برائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے۔ اور جو فعل یا قول حضور علیہ السلام سے ثابت ہو۔ وہ آپ کے نزدیک بھی بدعت نہیں بلکہ حدیث ہے۔ اور حدیث کا منکر وہی ہے۔ جس کا پیچھے ذکر ہوا۔ اگر باور نہ ہو۔ تو لیجئے۔ حدیث پڑھ کر معلوم کیجئے اور فتوے دیجئے۔

ابن ماجہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۱۷ باب الرجل یقبل بد الرجل
حدیثنا ابو یوسف بن ابی شیبہ۔ محمد بن فضیل ثنا یزید بن ابی زہاد عن
عبد الرحمن بن لیلی عن ابن عمر قال قبلنا بد النبی صلی اللہ علیہ
وسلم۔ ابن ماجہ میں ہسند مذکور حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے۔ کہ
ہم سب نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ چومے۔ کیا سیدنا
عمر رضی اللہ عنہ کی بات بھی قابل قبول اور ایمان میں داخل ہے یا نہیں۔
پھر ابوداؤد مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۶۳ کو ملاحظہ فرمائیے۔ حدیثنا
احمد بن یونس ثنا زہیر ثنا یزید ابن زہاد ان عبدالرحمن بن لیلی حدیثہ
عن عبداللہ بن عمر و ذکر قصہ قال فد نونا یعنی من النبی صلی اللہ
علیہ وسلم قبلنا ہد۔

(ترجمہ) عبدالرحمن بن لیلی بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی
اللہ عنہما نے میرے پاس ایک حدیث متضمن اوپر ایک قصہ کے بیان کی اور
بعد بیان قصہ کے یہ کہا۔ کہ پھر ہم سب نے قریب ہو کر آپ کے ہاتھ
مبارک چومے وروی البیہقی وابن عساکر والغنائی فی مکارم

الاخلاق عن تیم بن سلمہ قال لما قدم عمر الشام استقبلہ ابو عبیدہ
الجراح فصاحہ وقبل ہدہ واما بیکیان وکان تیم بقول تقبیل الید
سنتہ۔ تیم بن سلمہ سے روایت ہے۔ کہ جب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ
شام کو گئے۔ تو ابو عبیدہ بن الجراح نے ان کا استقبال کیا اور ان کے ہاتھ
چومے اور دونوں ایک دوسرے کو مل کر روئے۔ تیم فرمایا کرتے تھے کہ ہاتھ
چومنا سنت ہیں۔

ان احادیث سے معلوم ہو گیا کہ کسی بزرگ کے ہاتھوں کو بوسہ دینا
شرعاً صرف جائز ہی نہیں بلکہ سنت ہے۔ ممکن ہے معترضین یہ کہیں کہ ہاتھ
چومنا تو سنت مان لیجئے لیکن پاؤں چومنے کا جواز کہاں سے نکلتا ہے۔ سو بہتر
معلوم ہوتا ہے۔ کہ پابوسی کی بھی دو تین حدیثیں نقل کر دوں۔ جن کے
پڑھنے سے ممکن ہے کہ معترضین کا ایمان صحیح ہو جائے۔ ترمذی شریف
مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۹ جلد ۲ باب ماجاء فی قبلتہ الید والرجل میں صفوان
ابن عسال سے روایت ہے کہ کسی ایک یہودی نے دوسرے ایک یہودی کو
کہا۔ کہ آ اس نبی کے پاس چلیں اس نے کہا۔ کہ نبی نہ کہ اگر سن پائے گا
تو برا خوش ہو گا (کہ یہودی بھی مجھے نبی مانتے ہیں) خیر وہ دونوں آپ کے پاس
آئے اور سوال کیا۔ کہ وہ نو (۹) احکام جو موسیٰ نبی کی معرفت یہود کو دیئے
گئے کیا تھے۔ فرمایا حضورؐ نے (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ (۲)
چوری نہ کرو۔ (۳) زنا نہ کرو۔ (۴) کسی کو ناحق قتل نہ کرو۔ (۵) کسی ناکرہ
گناہ کو جھوٹا الزام دے کر بادشاہ کے پیش نہ کراؤ کہ وہ اسے جان سے مار
دے (۶) جادو ٹونہ نہ کرو (۷) بیاج نہ کھاؤ۔ (۸) کسی پاک و بے گناہ عورت

کو عیب نہ لگاؤ۔ (۹) دشمنانِ خدا کے مقابلہ سے نہ بھاگو (۱۰) خاصہ یہود ہفتہ کی گنہداشت کرو وصیفوان ابن عسال جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ جب ان دونوں نے آپ سے یہ سنا تو حق جان کر آپ کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں چومے اور بولے۔ کہ ہم بلاشبہ آپ کے نبی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر اطاعت کرنے میں تمہیں کیا رکاوٹ ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ داؤد نبی کی دعا تھی۔ کہ نبی میری ہی اولاد سے ہوں گے۔ ہم اگر علانیہ آپ کی متابعت کریں گے۔ تو اندیشہ ہے کہ یہود ہم کو مار ڈالیں۔

ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو جدا سند سے بیان کیا ہے۔ مگر غرض اس کی بھی اس حدیث کے بیان کرنے سے یہی ہے۔ کہ ان دونوں یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں چومے۔ حدیث چونکہ طویل ہے۔ اس لئے اس خوف سے اس کی عربی عبارت نقل نہیں کی گئی۔ کہ یہ مختصر رسالہ بڑھ جائے گا۔ جس کو اصل متن عربی دیکھنی ہو تو وہ ہمارے اس مندرجہ حوالہ میں دیکھتے اسی طرح کی ایک طویل حدیث دلائل النبوة حافظ ابو نعیم مطبوعہ مطبع دائرة المعارف حیدر آباد دکن ص ۱۳۸ میں بھی ہے۔ جس کا بخوف طوالت یہاں ترجمہ ہی درج کیا جاتا ہے۔ ابن بریدہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے۔ کہ ایک اعرابی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ میں مسلمان تو ہو چکا ہوں۔ لیکن ازو یار یقین کے لئے چاہتا ہوں۔ کہ آپ مجھے کوئی نشان دکھائیں۔ فرمایا کہ کیا دیکھنا چاہتا ہے۔ عرض کیا اس درخت کو بلائیے۔ فرمایا۔

جا تو ہی اس کے پاس جا کر کہہ کر تجھے رسول اللہ بلاتے ہیں۔ وہ کبھی دائیں جھٹکا کبھی بائیں جھٹکا کبھی آگے کبھی پیچھے۔ گویا اپنی جڑیں زمین سے چھڑا کر آپ کے حضور میں حاضر ہوا۔ اور سلام کر کے کھڑا رہا۔ اعرابی یہ دیکھ کر بولا بس یہ مجھے کافی ہے۔ پھر آپ نے اسے اپنی جگہ واپس ہو جانے کا حکم دیا۔ تو وہ جیسے آیا تھا۔ ویسے ہی اپنی جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا اعرابی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا۔ کہ آپ مجھے اپنا سر مبارک اور پاؤں مبارک چومنے کی اجازت دیں۔ چنانچہ آپ نے اسے اجازت فرمائی۔ اور اس نے آپ کا سر اور پاؤں چومے۔ پھر اس نے عرض کیا۔ کہ آپ مجھے اجازت دیجئے۔ کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ فرمایا کسی کو نہیں چاہیے کہ وہ خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرے اگر کسی مخلوق کو سجدہ کرنا جائز ہوتا۔ تو میں حکم دیتا۔ کہ عورتیں اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ اس حدیث کا فقہ ابو الیث سمرقندی۔ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب تنبیہ الغافلین مطبوعہ مصر ص ۱۸۶ میں جدا گانہ سند سے روایت کیا ہے۔

کنز العمال جلد ۷ ص ۶۹ مطبوعہ حیدر آباد میں ہے۔ روى البخاری فی الادب و ابن المقرئ فی الرخصة فی تقبیل الید عن صہیب قال رايت علیا یقبل ید العباس ورجلته (ترجمہ) بخاری نے ادب المفرد میں اور ابن مقرئ نے الرخصة فی تقبیل الید میں صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں چومتے پچشم خود دیکھا ہے۔

کنز العمال ص ۵۰ راوی طبرانی عن حصین بن وحوح الانصاری ان طلحتہ بن البراء لما تقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجعل یلمص ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویقبل وجلیہ۔ (ترجمہ) کنز العمال ص ۵۰ میں ہے۔ کہ طبرانی نے حصین بن وحوح انصاری سے روایت کیا ہے۔ کہ طلحتہ بن براء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت فیضد رجعت میں حاضر ہوئے تو کھسک کھسک کر آپ کے قریب ہوئے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے ساتھ جا لگے اور پاؤں چومے۔

ایسی بہت سی حدیثیں کنز العمال۔ دلائل النبوة۔ حجتہ اللہ علی العالمین وغیرہ میں بوضاحت آئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی ہاتھ اور پاؤں پر بوسہ دینے والے کو منع نہیں فرمایا۔ بلکہ خود بھی ان سے اپنے ہاتھ مبارک یا پاؤں مبارک پیچھے تک نہیں کھینچا۔ مقبولان خدا کی قدم بوسی یا دست بوسی کو حرام۔ برا اور ناجائز کہنے والوں کو غور کرنا چاہئے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا پر کفر و شرک مٹانے کو تشریف لائے تھے۔ نہ کہ نعوذ باللہ شرک کی تائید کرنے۔ قدم بوسی اگر شرک ہے۔ تو آپ لوگوں کو ضرور منع فرماتے۔ اور اس کی برائی بھی ان پر واضح فرما دیتے اور اگر حضور کو منع فرمانا بالفرض یاد نہ رہا ہو (حالانکہ یہ نبی کی شان کے بالکل خلاف ہے) تو کیا کوئی دوسری ہستی بھی پاس نہ تھی۔ جو کرنے کرانے والوں کو یاد دلاتی کہ یہ منع ہے۔ حیرانگی ہے۔ کہ کرنے والے نے کیا سمجھ کر کیا اور کرانے والے نے کیا جان کر کیا۔ اگر یہ المرسلین کا فعل بھی ان محققین دیوبند یہ اور وہابیہ کی تحقیق میں نعوذ باللہ

من ذالک شرک ہے۔ تو پھر اپنی برائے نام مسلمانی سے ہاتھ دھو رکھیں۔ اور رحمۃ العالمین کے سوا کوئی اور دروازہ تلاش کریں۔

مولوی سنبھلی جی نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ قبروں پر چڑھاوے۔ نذرانے۔ چراغ۔ روشنی کرنا وغیرہ وغیرہ خلاف شریعت اور حرام ہیں۔ اور یہ اس سوال کی دوسری شق ہے۔ اس کے جواب میں فقیر ایک فاضل مفتی اہل سنت والجماعت نور اللہ مرقدہ کا فتوے ہی نقل کئے دیتا ہے۔ جس سے یہ پتہ چل جائے۔ کہ جس اہتمام کے ماتحت علمائے احناف کو بدنام کیا جاتا ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے۔ اور وہ قبروں پر چڑھاوے۔ باجے۔ نذرانے دینے اور چراغ روشن کرنے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور ان پر جو متبدع اور مشرک ہونے کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ وہ کہاں تک صحیح ہیں۔ اور آیا یہ تمام مسائل محض مشرکانہ رسوم ہی ہیں یا ان کی کوئی حقیقت بھی ہے۔
وباللہ توفیق

مسئلہ دراصل یہ ہے۔ کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ انما الاعمال بالنیات اور جو کام دینی ناکدے اور دنیوی نفع جائز دونوں سے خالی ہو عبث ہے۔ اور عبث خود مکروہ ہے۔ اور اس میں مال صرف کرنا اسراف ہے۔ اور اسراف حرام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ولا تسرفوا ان اللہ لا یحب المسرفین۔ اور مسلمانوں کو نفع پہنچانا بلاشبہ محبوب شارع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من استطاع منکم ان ینفع اخاه فلینفعہ تم میں سے جس سے ہو سکے کہ اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہنچا سکے تو پہنچا دے۔ رواہ مسلم عن جابر بن

عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور معظمت دینی کی تعظیم قطعاً مطلوب ہے۔ قال اللہ۔ ومن يعظم شأنا الله فانها من تقوى القلوب۔ جو خدا کے شعاعوں کی تعظیم کرے۔ تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں۔ وقال اللہ تعالیٰ ومن يعظم حرمت الله فذا لك خير عند ربك جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اس کے رب کے پاس اور قبور اولیائے کرام و عباد اللہ الصالحین بلکہ تمام مقابر مومنین ضرور مستحق ادب و تکریم ہیں۔ لہذا ان پر بیٹھنا ممنوع۔ چلنا ممنوع۔ پاؤں رکھنا ممنوع۔ یہاں تک کہ ان سے تکیہ لگانا ممنوع امام احمد و حاکم و طبرانی۔ مستند و مستدرک و معجم کبیر میں عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند حسین راوی راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالسا علی قبر فقال یا صاحب القبر۔ انزل من علی القبر لا تؤذي صاحب القبر ولا يؤذيک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا۔ فرمایا۔ او قبر والے قبر پر سے اتر آ۔ نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے نہ وہ تجھے دے۔ امام احمد کی روایت یوں ہے۔ وانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکتا علی قبر فقال لا تؤذي صاحب هذا القبر ولا تؤذه مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر تکیہ لگائے دیکھا فرمایا اس قبر والے کو ایذا نہ دے یا فرمایا اے نہ ستا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لان اشی علی حميرة اوسيف اوخصف نعلی برجلی احب الی من ان اسی علی قبر مسلم۔ یہ کہ میں آگ پر تلوار پر چلوں یا اپنا جوتا اپنے پاؤں سے گانٹھوں۔ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے۔ کہ کسی مسلمان کی قبر پر چلوں۔

رواہ ابن ماجہ عن عتبہ بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند جید یہ پانچ اصول شرعیہ ہیں۔ مسائل مسئلہ کی صورت مختلفہ کے احکام انہیں اصول پر مبنی ہیں قبر پر چراغ جلانے سے اگر اس کے معنی حقیقی مراد ہیں یعنی خاص قبر کے اوپر چراغ رکھتا تو مطلقاً ممنوع ہے۔ اور اولیائے کرام کے مزارات میں اور زیادہ ناجائز ہے۔ کہ اس میں بے ادبی۔ گستاخی اور حق میت میں تصرف و دست اندازی ہے۔ قنیہ وغیرہ میں امام علاء ترمذی سے ہے۔ یا ثم یوطئ القبور لان سقف القبر حق الميت۔ حدیث والمتخذین علیہا المساجد والسرج کی حقیقت یہی ہے۔ علی القبر کے حقیقی معنی یہی ہیں۔ کہ خاص قبر پر ہو و لہذا کنار قبر میں مسجد بنانا ہرگز ممنوع نہیں۔ بلکہ مزار بندہ صالح سے تبرک مقصود ہو۔ تو محمود ہے مجمع سجاد الانوار میں ہے۔ من اتخذ مسجدا فی جوار صالح اوصلی فی مقبرة قاصدا بہ الاستطہاء بروحہ او وصول اثر من اثار عبادتہ الیہ لا التوجه نحوه والتعظیم لہ فلا حرج فیہ الا ہری ان مرقد اسمعیل علیہ الصلوۃ والسلام فی الحجرتی المسجد الحرام والصلوۃ فیہ افضل۔ یعنی جو کسی نیک بندے کے قریب مزار میں مسجد بنائے یا مقبرے میں اس ارادے سے نماز پڑھے۔ کہ میت کی روح سے استمداد کرے۔ یا اپنی عبادت کا اثر برکات اس تک پہنچانا چاہے۔ نہ یہ کہ نماز میں اس کی طرف منہ کرے یا نماز سے اس کی تعظیم کا قصد رکھے۔ تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ کیا نہیں دیکھتے کہ سیدنا اسمعیل علیہ الصلوۃ والسلام کا مزار پاک خود مسجد الحرام شریف میں حطیم مبارک میں ہے۔ پھر اس میں نماز تمام مساجد سے افضل ہے۔ یہ اسی تقدیر پر ہے۔ کہ حدیث

مذکور کی صحت مان لی جائے۔ والا فضیہ با دام مضیف وان حسنہ الترمذی فقد عرف رحمۃ اللہ تعالیٰ بالتساهل فیہ کما بینا فی مدارج طبقات الحدیث اور اگر قبر سے جدا روشن کریں اور وہاں نہ کوئی مسجد ہے۔ نہ کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کے لئے بیٹھتا ہے۔ نہ وہ قبر پر سر راہ واقع ہے نہ کسی معظم ولی اللہ یا عالم دین کا مزار ہے۔ غرض کس منفعت و مصلحت کی امید نہیں تو ایسا چراغ جلانا ممنوع ہے۔ کہ جب مطلقاً فائدے سے خالی ہو اسراف ہوا اور بحکم اصل دوم ناجائز ٹھیرا۔ خصوصاً جبکہ اس کے ساتھ یہ جاہلانہ زعم ہو کہ میت کو اس چراغ سے روشنی پہنچے گی۔ ورنہ اندھیرے میں رہے گا۔ کہ اب اسراف کے ساتھ اعتقاد بھی فاسد ہوا۔ وانما اذا باللہ تعالیٰ۔ اور اگر وہاں مسجد ہے یا تالیان۔ قرآن یا ذکر ان رخص کے لئے روشن کریں۔ یا قبر سر راہ ہو۔ اور نیت یہ کی جائے۔ کہ گزرنے والے دیکھیں۔ اور سلام و ایصال ثواب سے خود بھی نفع اٹھائیں۔ اور میت کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ یا وہ مزار ولی یا عالم دین کا ہے۔ روشنی سے نگاہ عوام میں اس کا ادب و اجلال پیدا کرنا مقصود ہے۔ تو ہرگز ممنوع نہیں۔ بلکہ بحکم چار اصول باقیہ مذکورہ مستحب و مندوب ہے۔ بشرطیکہ حد افراط پر نہ ہو۔ جمع البحار میں ہے۔ ان کان ثم مسجداً وغیرہ ینفع فیہ التلاوة والذکر فلا یاس بانسراج فیہ امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی جہدہ ندبہ میں فرماتے ہیں کہ هذا کلام اذا خلد من فائدة وأما اذا کان موضع القبور مسجداً او علی طریق او کان هنا کاحد جالس از کان قبر ولی من الاولیا او عالم

من المحققین تعظیماً لروحہ المشرقتہ علی تراب جلدہ کاشراق الشمس علی الارض اعلاماً للناس انه ولی یعتبر کواہد ویدعوا اللہ تعالیٰ عنہ فستجاب لهم فہوا امر جائز لا منع منه والا عمال بالنیات۔ یعنی قبور میں شمعیں روشن کرنے کی ممانعت صرف اس حالت میں ہے۔ کہ نفع سے بالکل خالی ہو۔ ورنہ اگر موضع قبور میں مسجد ہو۔ یا قبر رہگذر پر ہے۔ یا وہاں کوئی بیٹھا ہے۔ یا کسی ولی یا عالم محقق کا مزار ہے۔ اس کی روح مبارک کہ اس کی خاک بدن پر اس طرح اپنا پر تو ڈال رہی ہے۔ جیسے آفتاب زمین پر۔ اس کی تعظیم کے لئے شمعیں روشن کیں تاکہ لوگ جانیں کہ یہ ولی اللہ کا مزار ہے۔ اس سے برکت حاصل کریں۔ اور اس کے بارے اللہ عزوجل سے دعا مانگیں۔ کہ ان کی دعا مقبول ہو۔ تو یہ جائز ہے جس سے اصلاً ممانعت نہیں اور کام نیتوں پر ہیں۔ فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسالہ طوابع النور فی حکم السجود علی القبور میں اس مسئلہ کو روشن تر لکھا ہے۔

انہیں اصول سے مزارات اولیائے کرام پر چادر ڈالنے کا بھی جواز ثابت۔ عوام میں قبور عامہ مسلمین کی حرمت باقی نہ رہی۔ آنکھوں دیکھا ہے۔ کہ بے تکلف ناپاک جوتے اپنے قبور مسلمین پر دوڑتے پھرتے ہیں۔ اور دل میں خیال بھی نہیں آتا۔ کہ یہ کسی عزیز کی خاک زیر پا ہے۔ یا کبھی ہمیں بھی یونی خاک میں سونا ہے۔ اور بار بار دیکھا کہ جملا قبروں پر بیٹھ کر جوا کھیلے۔ فحش بکتے۔ قمقمے لگاتے ہیں۔ اور بعض کی یہ جرات کہ معاذ اللہ مسلمان کی قبر پر پیشاب کرنے میں باک نہیں رکھتے۔ لانا للہ وانا الیہ

واجبوں۔ لہذا دردِ منداں دین نے ادھر مزاراتِ اولیائے کرام کو ان جراتوں سے محفوظ رکھنے اور ادھر جاہلوں کو ان کے ساتھ گستاخی کی آفتِ عظیم سے بچانے کے لئے مصلحت و حاجتِ شریفہ سمجھی کہ مزاراتِ طیبہ عام قبور سے ممتاز ہوں۔ تاکہ عوام کی نظروں میں عظمت و ہیبت پیدا ہو۔ اور بیابانہ برتاؤ کر کے ہلاکت میں پڑنے سے باز رہیں۔ اس سے کم حاجت کے باعث علماء نے مصحفِ شریف کو سونے وغیرہ سے مزین کرنا مستحسن سمجھا ہے۔ کہ ظاہر بین ایسی ظاہری زینت سے جھکتے ہیں۔ اور غور کیجئے تو پوششِ کعبہ معظمہ میں بھی ایک بڑی حکمت یہی ہے۔ تو یہاں کہ نہ فقط قلتِ تعظیم بلکہ معاذ اللہ ان شدید بے حرمتیوں کا اندیشہ تھا۔ چادر ڈالنے۔ روشنی کرنے امتیاز دینے۔ قلوبِ عوام میں وقعت لانے کی سخت حاجت ہوئی۔ اب ان سے منع کرنے والے یا تو سخت کج فہم و جاہل اور حالاتِ زمانہ سے نرے غافل ہیں۔ یا وہی بے ادب و محروم۔ جن کے قلوب میں عظمتِ اولیا سے خار ہے۔ والعماد باللہ رب العالمین فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے رسالہ مذکورہ میں ان مسائل کو آیہ کریمہ۔ ذالک ادنیٰ ان یعرفن بلا یوذن سے استنباط کیا ہے۔ ولله الحمد۔ سیدی علامہ ابن عابد بن شای تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں کشف النور عن اصحاب القبور۔ تصنیفِ امام علامہ سیدی نابلسی قدس سرہ و نفعنا اللہ برکاتہ سے نقل کرتے ہیں۔ لکن نحن الان نقول ان کان المقصد بذالک التعظیم فی اعین العامة حتی لا یحتقر و اصحاب هذا القبر الذی وضعت علیہ الثیاب والعمائم والجلب الخشوع والا دب لقلوب الغفلین الزائرین لان قلوبہم نافرة عندا الحضور فی

التائبین ہدی اولیاء اللہ تعالیٰ امد فونین فی تلک القبور کما ذکرنا من حضور روحا نیتہم المبارکہ عند قبور ہم فہو امر جائز لا ینبغی النہی عندلان الاعمال بالنیات ولکل امری ما نوے۔

یعنی لیکن ہم اس وقت میں یہ کہتے ہیں کہ اگر اس سے مقصود عوام کی نگاہ میں مزاراتِ اولیاء کی تعظیم پیدا کرنی ہو۔ تاکہ جس مزار پر کپڑے اور عمامے رکھے دیکھیں مزارِ ولی جان کر اس کی تحقیر سے باز رہیں۔ اور تاکہ زیارت کرنے والے غافلوں کے دلوں میں خشوع و ادب آئے کہ مزاراتِ اولیا کے حضور حاضری میں ان کے دل ادب کے لئے رام نہیں ہوتے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ مزارات کے پاس اولیائے کرام کی روحیں حاضر ہوتی ہیں۔ تو اس نیت سے چادر ڈالنا امر جائز ہے جس سے ممانعت نہ چاہیے۔ اس لئے کہ اعمالِ نیتوں پر ہیں۔ اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہے۔ چادروں کے سبز و سرخ ہونے میں بھی ہرج نہیں بلکہ ریشمین ہونا بھی روا ہے کہ وہ پہننا نہیں۔ البتہ باسجے اور لہو و لعب ناجائز ہیں۔ اور جب چادر موجود ہو۔ اور وہ ہنوز پرانی یا خراب نہ ہوئی ہو۔ کہ بدلنے کی حاجت ہو۔ تو بیکار چادر چڑھانا فضول ہے۔ بلکہ جو دام اس میں صرف کریں۔ ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصالِ ثواب کے لئے محتاج کو دیں ہاں جہاں معمول ہو کہ چڑھائی ہوئی چادر جب حاجت سے زائد ہو۔ خدام و مساکین حاجت مند لے لیتے ہیں۔ اور اس نیت سے ڈالے تو مضائقہ نہیں۔ کہ یہ بھی تصدق ہو گیا۔

اس ضمن میں تیسری قابلِ اعتراض چیز جو لکھی گئی ہے۔ وہ قبور پر

جانا۔ طواف کرنا اور استعانت چاہنا ہے۔ اس کے جواب میں مختصر دو چار وہ باتیں عرض کر دی جاتی ہیں۔ جن سے یہ کام متاخرین جماعت احناف یا بقول مولوی سنبھلی ملتان صاحب موجودہ بدعتی خفیوں کا گھڑا ہوا معلوم نہ ہو۔ بلکہ یہ پتہ چلے کہ حقدین میں یہ مومنانہ اوصاف و افعال پائے جاتے تھے۔ اور وہ لوگ ایسا کرنے کو موجب خیر و برکت گردانتے۔ روی الامام احمد فی مسندہ و رواہ الحاكم فی مستدرک علی الصحیحین اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجهه علی القبر فقال اتدري ما تضع فاقبل علیه فاذا ابو ایوب الانصاری فقال جت رسول الله ولم ات الحجره وسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لا تبکوا علی الدین اذا ولا اهلہ ولكن ابکوا علی الدین اذا ولا غیر اهلہ۔ (ترجمہ) امام احمد نے مسند میں اور حاکم نے مستدرک علی الصحیحین میں روایت کیا ہے۔ کہ ایک روز مروان قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گیا پس دیکھا اس نے ایک شخص کو کیا اپنا منہ قبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھے ہوئے ہے۔ پس کہا مروان نے تم کیا کر رہے ہو۔ پھر جب سامنے آیا۔ تو ان کو دیکھا کہ وہ حضرت ابوایوب انصاری (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ہیں۔ پھر کے پاس نہیں آئے۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تم لوگ دین پر اس وقت مت روؤ۔ جب اس پر حاکم قائل ہو۔ لیکن اس وقت تم لوگ دین پر روؤ جب اس پر حاکم وہ ہو جو اس کے قائل نہ ہو۔ یہ روایت مسند امام احمد میں ہے۔ جس کی

نسبت محدثین کی یہ رائے ہے۔ کہ اس کی کوئی روایت درجہ حسن سے کم نہیں ہے۔ اور علامہ حنفی محدث نے جو فن حدیث کے نقادین سے ہیں مجمع الزوائد میں ایک باب ہی قائم کیا ہے۔ باب وضع الوجه علی قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر یہ حدیث ساری ابوایوبؓ کی مسند احمد سے نقل کر کے اس کے رجال کی توثیق کی ہے سمہودی اور ابن حجر نے اس حدیث کو بسند حسن تسلیم کیا ہے پس اس روایت سے دو فائدے مترتب ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر بزرگان دین کے مزار پر جانا گویا خود ان کی خدمت میں حاضر ہونا اور انہی کے پاس جانا ہے۔ مزار محض ایک ظاہری چیز ہے۔ اس لئے کہ جب مروان نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر منہ رکھے ہوئے دیکھا۔ تو بڑے تعجب سے پوچھا۔ کہ تم کیا کر رہے ہو۔ یعنی آپ کا یہ فعل مروان کو تعجب خیز معلوم ہوا۔ تو اس کے جواب میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم پتھر کے پاس نہیں آئے۔ بلکہ سردار انبیاء محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ گویا آپ نے مزار پر حاضر ہونے کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری سے تعبیر فرمایا۔ نیز یہ کہ حضرت ابوایوب انصاری جو اکابرین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہیں۔ اپنے منہ کو سرکار دو جہاں کے مزار مبارک پر رکھنا موجب نجات خیال فرماتے ہیں۔ تو اور مومن بھی اگر ان کے اتباع میں اپنے منہوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر حضور کے خدام بزرگان دین کے مزاروں پر رکھیں۔ تو

وہ ہدایت پانے والوں سے ہوں گے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے اور اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوا۔ کہ حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کا یہ فعل بمنزلہ سجدہ نہ تھا۔ اور مروان کے اس خیال کو (جو آج کل کے توحید پرستوں کی طرح اس نے ظاہر کیا تھا) حضرت ابویوبؓ نے قابل گریہ سمجھا۔ اور حدیث سنائی پس اگر کسی مسلمان کا آج بھی ویسا ہی خیال ہو۔ جو مروان کا تھا اور مزارات بزرگان دین پر جانے اور منہ رکھنے کو مکروہ سمجھے تو بیشک اس کا یہ خیال بھی حسب ارشاد حضرت ابویوب انصاریؓ رونے اور ماتم کرنے کا مستحق ہے۔ اور اسی کے اہل مولوی سنبھلی ملتان صاحب بھی ہیں لیجئے اور حدیث مطالعہ کیجئے۔

ذكر القسطلاني في المواهب اللدنية والسمهودي في الوفاء و خلاصته الوفاء قال روى سعيد السمعاني عن علي كرم الله وجهه ان اعرابيا قدم علينا بعد ما دفن رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلثه ايام فري بنفسه على قبره وحشي من تراثه على راسه وقال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم قلت لسمعنا قولك وعيت عن الله فوعينا عنك وكان فيما انزل اليك ولوا انهم اذ ظلموا انفسهم جانوك الالبته وقد ظلمت نفسي و جئتكم تسغفر لي فتودي من القبر قد غفر لك (ترجمہ) قسطلانی نے مواہب اللدنیہ اور سمہودی نے وفا اور خلاصتہ الوفاء میں ذکر کیا ہے۔ کہ روایت کیا ابو سعید سمعانی نے فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہ تین روز بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اعرابی آیا۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر گذرا اور قبر کی مٹی کو اپنے سر پر ڈالا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے جو فرمایا ہم نے آپ کے قول کو سنا۔ اور جو اللہ تعالیٰ سے آپ نے محفوظ کیا۔ ہم نے اس کو آپ سے محفوظ کیا۔ اور آپ پر جو نازل ہوا اس میں یہ آیت ہے۔ ولوا انهم اوظلموا انفسهم جانوک۔ (یعنی جو لوگ اپنے اوپر ظلم کر لیں اور آپ کے پاس مغفرت کے لئے آویں) تو حضرت میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ اور اب آپ کے حضور میں آیا ہوں۔ کہ میرے لئے استغفار کیجئے پس قبر سے آواز آئی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو بخش دیا۔ اس روایت میں بھی اسی قسم کے دوسرے واقعہ کا بیان ہے۔ کہ صحابہ کا فعل قبر نبی علیہ السلام پر حاضر ہونا۔ مٹی کا سر پر ڈالنا۔ اور مغفرت طلب کرنا ذکر ہوا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ کہ وہ اعرابی بخشا گیا۔ اور اس کی نجات ہو گئی۔ جو بد عقیدہ لوگ روضہ مطہرہ پر حاضر ہونا اور مدد مانگنا۔ یا زیارت روضہ مطہرہ کے لئے سفر کرنا نعوذ باللہ شرک کہا کرتے ہیں۔ ایسی احادیث کو پڑھنے کے بعد اپنے ایمان کی تجدید کریں اور باطل عقائد سے تائب ہو کر رب العزت اور اس کے محبوب سے مغفرت کے طالب ہوں۔ اور بزرگان دین کے افعال واقوال کو اپنا جزو ایمان بنائیں۔ فی صفوة الصفوة لابن جوزی بسند الی احمد بن الفتح سالت بشرا عن معروف الکرخي فقال هيهاات حالت بنيا و بينه الحجب ان معروفا لم يعبد الله شوقا الى جنته ولا خوفا من ناره وانما عبده شوقا اليه لرفعه الله الى الرفيع الا على ثمن كانت له حاجته قليات قبره ولبد عوفانه يستجاب له انشاء الله تعالى۔ (ترجمہ) ابن جوزی نے

کتاب صفوة الصفوة میں بسند احمد بن الفتح کے یوں لکھا ہے کہ احمد بن الفتح نے کہا میں نے بشر بن حارث حافی سے معروف کرخی رضی اللہ عنہ کا حال پوچھا پس کہا انہوں نے کہ افسوس کہ ہمارے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہو گیا ہے۔ معروف کرخی نے خدا کی عبادت شوق جنت یا خوف جہنم سے نہیں کی تھی۔ بلکہ خدا کی عبادت خدا کے شوق میں کی تھی۔ پس ان کو اللہ تعالیٰ نے مقام بلند پر اٹھالیا پس جس کسی کو کچھ حاجت ہو تو اس کو چاہیے کہ ان کی قبر پر جائے اور دعا کرے انشاء اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول ہوگی۔ اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جب بشر بن حارث نے جو حافی کے لقب سے مشہور اور تابعین میں سے ہیں اور جن کے جنازے پر امام المحدثین علی بن مدنی پکار کر یہ کہتے تھے۔ هذا اشرف الدنيا والاخرة یعنی یہ دین اور دنیا میں بزرگ ہیں۔ یہ اجازت دی کہ جب جس کسی کو کچھ حاجت ہو تو اس کو چاہئے کہ قبر حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ پر جائے اور اپنا مطلب کہے وہ حاجت اس کی پوری ہو جائے گی۔ تو پھر ایسا فعل کیونکر شرک ہو سکتا ہے۔ اور کس مسلمان کی جرات ہے۔ کہ اجلہ تابعین کی طرف شرک کرنے کی اجازت کو منسوب کرے نعوذ باللہ من ذالک

دیکھئے اسی مسئلہ استعانت من اهل القبور اور نذریں ماننے کو شرح دربحار میں شیخ قاسم حنفی یوں بیان فرماتے ہیں۔ ان النذر الذي يقع بين العوام بان با تى الى قبر الصلحا ويرفع ستره ويقول يا سیدی فلان ان رد غائبی او عدنی سیرضی او قضیت حاجتی فلک من الذهب والفضة ولطعام فانکر النذرا ذالم یکن مصروفه الفقراء ولم ینکر

الا ستغاثته والطلب من الصلحاء الا ان ظنهم انهم متصرفون فی الامور من دون الحق سبحانه وهذا لا یعتقدہ مسلم بل یعتقدون انهم وسائل واسباب یتقضى الله علی ایدیهم ما یشاء باذنہ۔

(ترجمہ) تحقیق کہ نذر جو عوام میں معمول ہے۔ اس طرح کہ وہ لوگ قبور صلحاء پر جاتے ہیں۔ اور پردہ اٹھا کر یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے سردار فلاں اگر ہمارا غائب پھر آئے یا مریض شفا پائے یا فلاں حاجت ہماری بر آئے تو ہم اس قدر سونا یا چاندی یا کھانا نذر چڑھائیں گے پس اگر یہ چیزیں فقیروں کو دی جائیں گی تو یہ نذر جائز ہوگی۔ اور اگر یہ چیزیں فقیروں کو نہ دی جائے گی تو نذر ناجائز ہوگی۔ اور قبر پر جا کر اس طرح سے کہنا اور صلحاء سے کچھ طلب کرنا ناجائز نہیں ہے۔ مگر اس وقت کہ طلب کرنے والا یہ گمان کرے۔ کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے ان صلحاء کو کاموں کے کرنے میں اختیار حاصل ہے۔ مگر کوئی مسلمان ایسا اعتقاد نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ وہ لوگ وسیلہ و سبب ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے ان کے ہاتھوں سے لوگوں کی حاجات پوری کراتا ہے۔ اسی طرح علامہ شیخ احمد حوی حنفی نے اپنے رسالہ میں جس کا نام نفعات القرب والا اتصال با ثبات التصرف لاولیاء اللہ والکرامۃ بعد الانتقال ہے۔ میں طول بحث کرتے ہوئے کرامات اولیاء اللہ کو بعد موت کے ثابت کیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ جمیع مذاہب کے اہل تحقیق کا اتفاق اسی پر ہے۔ اور اس کے بعد یہ لکھا ہے۔ کہ تصرفات اولیاء اللہ ان کی زندگی میں ان کی کرامات سے ہے۔ اور بکثرت ہر زمانے میں ہوتا ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں۔ اور سوائے دشمن کے

کسی کو اس کا انکار نہیں۔ اور تصرفات بعد موت وہ بھی حکم اللہ سے ہوتے ہیں جس کا اس میں کوئی شریک نہیں۔ اور انہی تصرفات کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بزرگی دی ہے اور ان کے ہاتھ سے اور سبب سے بطور خارق عادت یہ سب تصرفات ہوتے ہیں۔ اور یہ کبھی بطور اہمام کے ہوتا ہے اور کبھی بوجہ ان کی دعا کے۔ اور کبھی ان کے اختیار سے اور کبھی بغیر ان کے اختیار اور قصد کے بلکہ ایسے امور تو کبھی لڑکے غیر ذی شعور سے بھی وقوع میں آتے ہیں۔ اور کبھی جو کوئی اولیاء اللہ کو خدا کے یہاں وسیلہ ٹھہراتا ہے تو ان سے ایسے امور زندگی میں اور بعد موت کے وقوع میں آتے ہیں۔ اور جو کوئی ان سے ان کی زندگی میں یا بعد موت ان سے کچھ مانگتا ہے تو وہ ان کو اس کام کا فاعل مستقل یا خالق نہیں جانتا ہے۔ کس واسطے کہ ایسا خیال کسی مسلمان کا نہیں ہو سکتا ہے۔ اور عوام کے دل میں بھی ایسی بات نہیں گذر سکتی ہے۔ چہ جائیکہ خواص۔ پس بات کو گھما کر اس طرف پھیرنا اور ایسی باتوں سے منع کرنا گویا دین میں چھپا ہوا فریب کرنا ہے اور عوام موحدین کو پریشانی میں ڈالنا ہے کس واسطے کہ کسی مسلمان اور عاقل کے دل میں وہم بھی اس بات کا نہیں گذرتا ہے کہ اولیاء اللہ خالق یا فاعل مستقل کسی کام کے ہیں۔ اور اعتقاد تو اس کا غیر ممکن ہے۔ اور وہ شخص جو کرامت اولیاء اللہ کا ان کی زندگی میں اور بعد ممات ان کی کے اعتقاد رکھتا ہے ایسی حالت میں کہ وہ خالق ان کاموں کا خدا کو جانتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ یہ سب خدا کی قدرت سے ہوتا ہے۔ کیونکر کافر کہا جاسکتا ہے۔ اور کیونکر اس سے انکار ہو سکتا ہے۔ حالانکہ تمام کتابیں مسلمانوں کی اس سے بھری ہوئی ہیں۔ اور

ایسا کرنا جائز ہے۔

جن لوگوں نے کرامات اولیاء اللہ کو ان کی زندگی میں اور بعد ممات ان کے ثابت کیا ہے ان میں سے شیخ الاسلام بن شحہ حنفی اور شیخ عبدالباقی مقدسی حنفی اور شیخ احمد غنیمی حنفی ہیں۔ جن کا حوالہ دیتے ہوئے برمادی نے اپنے رسالہ دلائل الواضحات میں یوں لکھا ہے۔ کہ ہر گاہ مرجع کرامات اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف ہے۔ تو ایسی حالت میں اولیاء اللہ کی حیات ممات میں کچھ فرق نہیں۔ اس واسطے کہ خالق اس کا خدا ہے۔ اور اولیاء اللہ کے ہاتھ سے اس لئے جاری کراتا ہے۔ تاکہ ان کو بزرگی حاصل ہو۔ اور یہ کبھی ان کی دعا سے ہوتا ہے۔ اور کبھی ان کے فعل اور اختیار سے۔ اور بغیر اختیار اور قصد ان کے۔ اور کبھی ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ٹھہرانے سے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی شرکت نہیں ہوتی۔ اور علماء اسلام اس بات پر متفق ہیں۔ کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات غیر منحصر ہیں۔ کچھ ان میں سے اللہ تعالیٰ جاری کر چکا۔ اور کچھ اولیاء اللہ کے ذریعہ سے بطور کرامت کے زندگی میں اور بعد موت کے قیامت تک جاری کرے گا۔ اور یہ امر ایسا ہے۔ کہ جس کا حصر غیر ممکن ہے۔

پس تحقیق کرامات اولیاء اللہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ایک معجزہ ہے۔ جو ان کی موت کے بعد باقی ہے۔ اور ہر وقت قیامت تک ان کی صحت نبوت پر دلالت کرے گا۔ جیسا کہ ابن صلح وغیرہ نے کہا ہے۔ اور کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ مگر وہ جو ذلیل اور بد اعتقاد ہے فقیر نے اسی مسئلہ تو سل میں اس کتاب میں کسی دوسرے مقام پر مفصل بحث کی

ہے۔ افسوس کہ فقیران حوالوں کی عربی عبارتیں بوجہ خوف طوالت کتاب ہذا نہیں لکھ سکا۔ اور نہ ہی وہ تمام دلائل اس مختصر میں ذکر کر سکا ہے جن کے مطالعہ سے کسی منکر کو تاب انکار نہ ہوتی۔ اب بھی اگر ایمان صحیح ہو۔ تو انشاء اللہ علماء احناف کے مندرجہ بالا عقیدہ سے تاب رد گردانی نہ رہے گی۔ اللہ کریم توفیق عطا فرما دے کہ مسلمان امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کی شان بلند کو سمجھ سکے۔ مزید تحقیق کے لئے دوسرے باب جواز توسل کو مطالعہ فرمائیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اکثر ناظم اور کور باطن جاہلوں اور بعضے صرف علم کا نام لینے والے ان پڑھوں کا یہ خیال ہے۔ کہ آنحضرت سید المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت علیہ السلام کے غلام اولیاء اللہ کسی چیز کے بھی مالک نہیں۔ اور ان کی زیارت کے لئے یا روضہ مطہرہ کی زیارت اور اولیاء کرام و مشائخ عظام کے مزارات شریفہ کے لئے واسطے حصول فیوض و برکات اور بامید نیل مراوات و انجاء مقاصد و حاجات ان کو وسیلہ جان کر حاضر ہونا شرک ہے۔ جیسے ہم محتاج ہیں ویسے ہی وہ بھی ہر امر میں محتاج ہیں۔ تو ان سے توسل یا ان سے کچھ مانگنا اور ان سے عرض معروض ایسا ہے جیسے محتاج سے سوال اور فقیر سے بھیک مانگنا۔ نہ وہ ہماری مدد کر سکیں اور نہ وہ سن سکیں۔ یہی عقیدہ مولوی سنبھلی ملتانی صاحب نے بھی اپنی حنفیت کے پردے میں مسلمانوں پر ظاہر فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب مواعظ المسلمین فی مراسم المرتحلین کے ص ۳۹ و ص ۳۰ پر لکھتے ہیں:-

”مسلمانوں کا خدا صرف ایک ہے وہی فریاد سنتا ہے اور وہی مصیبت دور کرتا ہے۔ کسی دوسرے کو مشکل کشا و حاجت روا جاننا ہی شرک ہے“

پھر لکھتا ہے:-

”حضرت امام ابو حنیفہ سراج الانامہ کے نزدیک موتی (مردوں) کا سنتا ہی ثابت نہیں۔ کہ ارشاد خداوندی ہے۔ نبی محترم آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور جو قبروں میں جا چکے ہیں آپ اپنی آواز ان کو نہیں پہنچا سکتے۔ ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک میت و مردہ نہیں سنتا۔۔۔۔

پھر امام بن ہمام کی عبارت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھ دیا ہے۔ کہ:-

”مردہ نہ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ اور مردوں کا سنتا ثابت ہی نہیں۔ ان کو پکارنا۔ ان سے فریاد کرنا فعل عیث ہی نہیں تو کیا ہے۔ افسوس ایمان گنوا یا اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ ملخصاً“

کیا ملتان کے حنفی مسلمان اپنے صدر و مبلغ و واعظ و مفتی کے غیر مقلدانہ عقیدہ سے واقف ہو کر بھی یہ سمجھیں گے۔ کہ ہمارے مولوی امام الجامعہ حنفیت کے غلام ہیں۔ ایسے عقیدہ شنیعہ اور ان شبہات کا بھی ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے جو کتاب مواظ المسلمین میں لکھے گئے ہیں۔ لہذا فقیر ان مسائل کو اپنے حنفی بھائیوں کے لئے بالاختصار مگر جامع طور پر ایسا بیان کرے گا۔ جس سے یا تو مولوی صاحب کے ایمان کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ یا متقدمین (نحوہ اللہ من ذالک) صراط مستقیم سے دور دکھائی دیں گے۔ اور یہ غیر ممکن ہے۔ کیونکہ دین کی تمام تر اساس متقدمین پر ہی ہے۔ اور دین وہی دین ہے جو اسلاف میں پایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ چودہویں صدی کو امرتسری توحید اور دیوبندی دین سر تپا مغالطہ اور فریب ہے۔

جاننا چاہئے کہ بے شبہ باعتبار اصل کے تمام مخلوق چھوٹے بڑے رب العزت کے محتاج ہیں۔ مگر حق تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے اپنے

محبوب مکرم فخر اولاد آدم نبی معظم حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اولیاء کرام کو غنی اور مستغنی عن الخلق کیا ہے اور خلق اللہ ساری ان کی محتاج ہے اور ان کو وسیلہ بنانے کی طرف ان کو احتیاج ہے۔ سرکار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا غنی اور مغنی ہونا اور دوسروں کو غنی کرنا نص قطعی قرآن کریم سے ثابت ہے۔ جس سے انکار کسی جاہل اور بد عقیدہ کے سوا دوسرے کو زیب نہیں دیتا۔ سورہ براۃ پارہ دسواں میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ولو انہم رضوا ما اتاہم اللہ ورسولہ یعنی کاش وہ راضی ہوتے اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اور اللہ کے رسول نے۔ نیز اسی سورت میں ہے۔ ولا تقیموا الا ان اغناہم اللہ ورسولہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو غنی کیا اور اللہ کریم کے رسول علیہ السلام نے ان کو غنی کیا۔ اس سے صریح معلوم ہوا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے غنی کیا ہے۔ اور آپ ایسے غنی ہیں کہ دوسروں کو بھی غنی فرمادیتے ہیں۔ تیسرے مقام پر اسی سورہ میں ہے میوتینا اللہ من فضلہ ورسولہ یعنی اللہ اپنے فضل سے ہم کو دے گا اور اللہ کے رسول علیہ السلام دیں گے۔ اس سے واضح ہوا کہ صفت ایما اور اغنا میں رسول خدا اور رب جل و علاء شریک ہیں۔ جس طرح حق تعالیٰ عطا فرمانے والا اور غنی کرنے والا اسی طرح حضور علیہ السلام رسول حق تعالیٰ دینے والے اور غنی کرنے والے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ جل مجدہ میں یہ صفت اور جمیع صفات بالذات اور بالاستقلال ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعطاء الہی نہ بالذات نہ بالاستقلال صحیح حدیث شریف میں ہے۔ کہ سرکار مرسلین و انبیاء علیہ السلام نے فرمایا۔ اعطیت مفاتیح الغزائن یعنی میں

دیا گیا ہوں اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کنجیاں۔ اس حدیث شریف سے بھی واضح ہو گیا۔ کہ مولا کریم کے خزانہ جو دو کرم سے جو کچھ کسی کو ملتا ہے اس کی کنجیاں حضور ہی کے قبضہ اور ہاتھ میں ہیں۔ کہ موافق حکم الہی کے حضور ہی عالم میں ہر ایک کو تقسیم فرماتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے انما قاسم والمعطی هو اللہ ونا سب کو اللہ تعالیٰ ہے اور تقسیم میں کرتا ہوں۔ اسی واسطے حضور کی کنیت ابو القاسم ہے یعنی ہر چیز کے تقسیم فرمانے والے۔ مدارج النبوت میں شیخ محدث مولانا عبدالحق صاحب حضور کی خصوصیات میں لکھتے ہیں۔ وازای جملہ انست کہ دادہ شد انحضرت راصلی اللہ علیہ وسلم مفتاح خزائن و مہرہ شد ہو سے مراد از خزائن اجناس عالم است کہ رزق ہمہ در کف اقتدار و سے سہر دو قوت تربیت ظاہر و باطن ہمہ ہو سے داد مفتاح خزائن رزق و قسمت ان در دست این سید کریم نہادند قوله صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم والمعطی هو اللہ انتہی۔ صحیح مسلم اور ابن ماجہ و معجم کبیر طبرانی میں ربیعہ ابن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے کہ خادم حضور علیہ الصلوٰات والسلام کے تھے۔ مروی ہے کہ حضور نے ان سے فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے جو مانگے گا ہم تجھے دیں گے۔ انہوں نے عرض کی حضور کی رفاقت اور خدمت جنت میں مانگتا ہوں۔ حضور نے فرمایا کچھ اور بھی۔ عرض کیا میری مراد تو یہی ہے۔ فرمایا تو میری اعانت کر اپنی جان پر سہر کی کثرت کرنے سے قال کنت ایت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانتہی بوضوہ و حاجتہ فقال لی سل (وہی روایت طبرانی)۔

یا ربیعہ سلنی لا عطیٰ لک قال لقلت اسئالک موافقتک فی الجنتہ قال او غیر ذالک قلت ہوا ذاک قال لا عنی علی نفسک بکثرة السجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بطور اطلاق فرمانا کہ مانگو کیا مانگتے ہو جو مانگو گے ہم تمہیں دیں گے۔ اس امر کی دلیل ظاہر اور برہان باہر و روشن ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو ہر چیز کا قاسم بنایا ہے اور آپ ہر قسم کی مدد فرما سکتے ہیں۔ ہر طرح کی حاجت روائی کر سکتے ہیں۔ دنیا اور آخرت کی سب مرادیں اور جملہ مطالب و مقاصد کا عطا کرنا آپ کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ ورنہ بلا تخصیص یہ کیسے فرما دیتے کہ جو مانگو گے میں تم کو دوں گا اور یہ ارشاد عوام کا الانعام کے طریق و عمل پر منطبق ہو نہیں سکتا۔ کہ آپ نے ویسے ہی (نور باللہ) فرما دیا ہو ما ینتقل عن الہوی کے ماتحت حضور نبی کریم ایسی گفتگو سے بری تھے اشعنتہ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں حضرت شیخ محمد عبدالحق صاحب محدث دہلوی اس حدیث شریف کے ماتحت افادہ فرماتے ہیں۔ از اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ تخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم میشود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست صلی اللہ علیہ وسلم ہرچہ خواہد باذن پروردگار خوددہد اور کسی شاعر و صاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا خوب لکھا ہے۔

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ زی شان گیا
ساتھ ہی منشی رحمت کا قلدان گیا

اور تو تم پہ مرے آقا کی عنایت نہ سی
نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

مندرجہ بالا حدیث شریف کے ماتحت مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضور علیہ وسلم نے جو سوال کرنے کا امر مطلقا فرمایا کوئی تقلید و تخصیص نہ لگائی اس سے مستفاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سرور انبیاء کو یہ قدرت بخشی ہے۔ کہ اللہ کریم کے خزانوں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں اور امام ابن سبع وغیرہ علماء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ بات ذکر کی ہے کہ جنت کی زمین کو اللہ کریم نے حضور کی جاگیر کر دی ہے کہ اس میں سے جو چاہیں اور جسے چاہیں بخش دیں۔ ایسا ہی امام محقق ابن حجر کی رحمۃ اللہ علیہ الجواهر المنظم میں تحریر فرماتے ہیں۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ الذی جعل خزائن کرمہ و موائد نعمہ طوع یدہ و تحت ارادۃ یعطی منها من یشاء و یمنع من یشاء۔ (ترجمہ) یعنی بے شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم کے خزانے اور اپنی نعمتوں کے خوان حضور علیہ السلام کے دست قدرت کے فرمانبردار اور حضور کے زیر حکم و ارادہ و اختیار فرما دیئے ہیں کہ جسے چاہیں عطا فرماتے ہیں اور جسے چاہیں نہیں دیئے۔ اس تھوڑی سی بحث سے پتہ چل گیا ہو گا کہ سرکارِ مدینہ کسی اختیار کے مختار و مالک ہیں یا نہیں۔ اور یہ مضمون حضور کی قدرت اختیار اور سلطان و مختار ہونے کا اور خزائن الہی پر قبضہ علی الاطلاق ہونے کا تحقیق محققین سے حد تو اتار کو پہنچا ہے۔ لہذا فقیر کو زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں اور

اسی طرح اولیاء و اقطاب و اغواث و مجدد جو حضور کے خواص ہیں وہ حضور کے تحت میں حضور کے قدرت و اختیار دینے سے حضور کی مرضی کے موافق اعطاء منع میں مختار ہوتے ہیں۔ اس جگہ بغرض دلیل صرف ایک بزرگ مسلم الثبوت اولین و آخرین کا قول پیش کر دیا جاتا ہے۔ جن کی کرامات اور ولایت متواتر اور متفق علیہ ہے۔ یعنی حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صدیقی حضرت شیخ السید محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ علیہ عنہ فرماتے ہیں۔

دوست العلم حتی موت قطبا
ولت السعد من مولی المعال

درس کیا میں نے علم کا یہاں تک کہ میں قطب ہو گیا
اور مجھے مولی الموالی سے سعادت پہنچ گئی

دولانی علی الاقطاب جمعا
لحکمی نافذ فی کل حال

میرا حکم ہر غوث و ابدال پر ہر حال میں جاری ہے۔ اور وہ میرے زیر فرمان ہیں۔ میرا دل و جان رب العزت نے صفا و مصفا فرمایا ہے۔

نظرت فی ہلا داللہ جمعا کخودلہ علی حکم اتصال

میں خداوند جل مجدہ کے تمام ممالک کو اس طرح ملاحظہ کرتا اور دیکھتا ہوں جیسے کف دست یعنی ہتھیلی پر رائی کا دانہ ہو۔

اور اگر گیارہویں والا پیر بھی کسی کو اپنے سینے کے باطنی بغض کے

ماتحت پسند نہیں آتا تو اپنے گھر والوں پر نگاہ ڈالیے اور سنئے وہ کیا کہتے ہیں
دیکھو صراط مستقیم ص ۱۰۱ سطر ۲ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی دہمچنیں اصحاب
اسی مراتب عالیہ و ارباب اسی مناصب رفیعہ مازدون مطلق در تصرف عالم مثال
و شادوت میباشند و اس کباراوی الاید و الابصار رامیرسد کہ تمامی کلیات
رابسوتے خود نسبت نماینند مثلاً ایماں رامیرسد کہ بگویند از عرش تا فرش
سلطنت ماست۔ بلالظہ۔

یہ ہے بندگان خدا کی قدرت و طاقت کہ عرش سے فرش تک اگر اپنی
سلطنت ہونے کے مدعی ہو جائیں تو ان کو حق پہنچتا ہے۔ کیا بزرگان دین کا
تصرف سمجھ میں آیا کہ ان کو بھی کوئی حیثیت حاصل ہے یا اسی طرح یہ بھی
دنیا سے مر جاتے ہیں جیسے ایک دنیا پرست دہائی دیوبندی۔ کچھ تو ہے جو فرمایا
گیا وان اراد عوناً فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی
یا عباد اللہ اعینوی دیکھو حصص حصین۔ جمع الجوامع امام سیوطی وغیرہ۔
اور طبرانی کی ایک روایت ہے۔ اذا ضل احدکم شیئاً او امراد غونا
فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی
فان للہ عباد الا براہم۔ پھر کس طرح مولوی سنبھلی ملتانی صاحب کہتے
ہیں۔ کہ کسی دوسرے کو حاجت روا جاننا بھی شرک ہے۔ یا ان کو پکارنا اور
ان سے فریاد کرنا فعل عبث نہیں تو کیا ہے۔ کیا ایمان اسی کو کہتے ہیں کہ تمام
مخلوق کے لئے عنایات ایزدی اور عطائے الہی کا بھی انکار کر دیا جائے۔ گر
ہمیں مکتب وہیں ملا۔ کار ظلال تمام خواہ شد۔ آئیے محبوبان الہی و محبوبان
محبوب الہی کی کچھ اور شان واضح کر دوں۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ یہ رب

الغزت کی عطا کردہ طاقتوں اور کن فیکونی قوتوں کے ماتحت کس طرح اس
عالم میں تصرف فرماتے ہیں اور کس کس طرح خلق خدا کی اعانت کرنے میں
حصہ لیتے ہیں۔ کیا کسی نے سچ فرمایا ہے شعر۔

نہیں ہم کو مضرا صلاہ جز حضرت کی خدمت کے
ٹھکانا خلق کا بندے خدا کے ہیں جو کامل ہیں

مولا کریم جل و علامہ نے حصول مقاصد دینی و دنیوی کے واسطے
اپنے اولیا کو واسطہ گردانا ہے۔ بلکہ انتظام و قیام عالم سب انہیں محبوبان خدا
کے وجود باجود سے وابستہ ہے جن کے مبارک القاب غوث۔ قطب۔ نقباء۔
نجباء۔ اور ابدال داوتا وغیرہ ہیں۔ اور یہ امر تمام امت کے بلند پایہ اہل باطن
و ظاہر کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ اور جریر و علامہ خطیب اور ابن منذر۔
امام محقق جلال الدین سیوطی۔ صاحب روح البیان۔ حضرت شیخ اکبر محی
الدین ابن عربی۔ صاحب فصوص و فتوحات مکمہ وغیرہم علیم الرحمتہ
والرضوان نے اپنی اپنی تفاسیر میں تحت آیت کریمہ لولا دفع اللہ الناس
بعضہم بعض۔ اس مضمون کے متعلق بہت سی احادیث و آثار نقل فرمائے
ہیں۔ جن سب کے ایزاد کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ ازانجملہ یہ
روایت حضرت عبادہ بن صامت کی لکھی جاتی ہے عن عبادہ بن صامت ان
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا بدان فی امتی ثلثون رسلاً بہم
تقوم الارض وہم بمطرون رہم بنضرون ثم قال العبادہ انی ارجوان
یکون الحسن منہم یعنی حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے۔ کہ

حضور علیہ السلام نے فرمایا میری امت میں تیس (۳۰) ابدال ہیں انہی کے سبب سے زمین کاظم ہے اور انہی کی برکت و سبب سے لوگ مینہ برسائے جاتے ہیں انہی کی وجہ سے مد اور فتح پاتے ہیں۔ پھر حضرت عبادہ نے فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ انہی ابدالان الہی سے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احادیث ابدال و اوتاد صحابہ و تابعین میں شائع ذائع تھے یہاں تک کہ ان کے مصداق کا بھی اظہار فرما دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت عبادہ نے حضرت حسن بصری کی نسبت ظاہر فرما دیا اور ایسا ہی امام شعرانی نے میزان میں حضرت سیدنا سراج الامت امام الائمہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور دیگر آئمہ مجتہدین کو اوتادوں میں سے گنا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لن تغلوا الارض من ثلاثین مثل ابراہیم خلیل الرحمن بہم تقا تلون وبہم ترزقون وبہم تمطرون۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین اللہ کے تیس مقبولوں سے خالی نہ ہوگی جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مانند ہوں گے کہ انہی کی بدولت تم کو جنگوں میں فتح و نصرت ملتی ہے۔ اور انہی کے سبب سے تم کو روزی ملتی ہے اور انہی کی وجہ سے تم مینہ برساتے جاتے ہو۔ ایسی بے شمار حدیثیں ملتی ہیں جن سے باتفاق مخالفین و موافقین اہل اللہ کا واسطہ اور وسیلہ ہونا خلق خدا کے لیے ثابت ہوتا ہے اور یہ امر واضح تر ہو جاتا ہے۔ کہ مولا کریم نے اپنے مقبولوں کو عالم کے انتظام اور تصرفات کو نبیہ کے لئے یعنی جو امور عالم میں وقوع پذیر ہوتے ہیں مثلاً "مینہ کا برسا۔ پیڑوں کا بڑھنا۔ حیوانات کی بقا۔ گاؤں اور شہروں کی

آبادی۔ لوگوں کے حالات کا تغیر و تبدل۔ زمانہ کے انقلابات۔ بادشاہوں کا اقبال و اودبار۔ سلطنتوں کا عروج و زوال۔ مسکینوں اور غنیوں کی تبدیلی۔ فقیر کا غنی اور غنی کا محتاج ہو جانا متفرقین کو جمع کر دینا۔ مجتہمین کو متفرق کرنا۔ لشکروں کا فتح و شکست دینا۔ بلاؤں کا دفع ہونا۔ وباؤں بیماریوں اور مصیبتوں کا ہٹانا۔ فریادیوں کی فریاد رسی کرنا۔ وغیرہ ہم کے لئے وسیلہ اور ذریعہ بنایا ہے۔ اور ان کو انبیاء و علیم السلام کی طفیل اور ان کے ذریعہ سے یہ سب درجات عالیہ حاصل ہوتے ہیں۔ جو شخص ایسے بندگان خدا کا طالب نہ ہو ان کی زیارت و ملاقات اور ان کی جانب سفر کرنے کو منع کرے اور اس کو بزم خود بدعت و شرک جانے اس کے اپنے ایمان میں نقصان ہے۔ یہ احکام نبویہ علیہ السلام اور وسیلہ و ذریعہ کی آیات قرآنیہ اس امر کا اشارہ ہیں۔ کہ ایسے گمراہوں سے (جو منع کرنے والے اور نیکیوں کی صحبت اور فیوض سے دور رکھنے والے ہوں) دور بھاگو۔ ان کا کہنا نہ مانو خدا کے اولیاء کی زیارت کرو ان کو خدا کے قرب کا وسیلہ سمجھو۔ ان سے دفع مصائب میں مدد مانگو اور انہی کی جناب میں رجوع کرو کہ تمہارے ایمان کی نشانی اور تقویٰ کی علامت یہی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ اولئک الذین یدعون یتغفون الی ربہم الوسیلہ الہم اقرب و یرجون رحمۃ و یخافون عذابہ۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ شریفہ اور عزیز اور ملائکہ کرام علیم السلام کے ابتداء وسیلہ کا بیان ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ طلب وسیلہ مقربین الہی کا کام ہے اور اللہ کریم کو مقبول اور پسندیدہ ہے اور آیت نلتقی ادم من وہ کلمات کے ماتحت اکثر مفسرین نے سیدنا آدم

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سرور کائنات و فخر موجودات مختار شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اور حضور علیہ السلام کے اسم مبارک کے ساتھ توسل اور دعا مانگنا لکھا ہے۔ اور موجب حصول مقصود فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی روایت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک روایت میں ارشاد ہوا ہے۔ اور حضرت ابوالہشمو آدم علیہ السلام کی سنت ہے۔ اسی واسطے بعد رحلت حضرت ختم نبوت علیہ افضل الصلوٰت و التحیۃ ایک اعرابی نے ضریح اقدس پر آکر آیت ولو انہم اذ ظلموا انفسہم پڑھی اور اس کے مضمون کو عرض کر کے مغفرت مانگی سرکارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرامگاہ یعنی قبر مبارک سے آواز آئی قد غفرلک اعرابی کے اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وسیلہ کے لیے مزار پر حاضری ایک ایسا امر ہے جو خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے زمانہ سے مروج ہے کوئی نئی بات نہیں نیز یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ جس کو وسیلہ بنانا مقصود ہو وسیلہ کی زیارت پر حاضر ہو کر عرض معروض کرنے کو قبولیت میں زیادہ دخل ہے اور مزار مقدس پر حاضر ہونے والا زیادہ بشارت کا مستحق ہے بہ نسبت اس شخص کے جو غائبانہ ذریعہ بنا رہا ہے۔ اسی واسطے ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ بزرگوں کے مزارات پر خلوص سے حاضر ہوتے ہیں ان پر ان بزرگوں کے وہ عنایات و کرامات ہوتے ہیں جو غیبت میں ہرگز نصیب نہ تھے۔ اور نہ ہو سکے۔ اسی آیت کریم میں ثم جاء وک کا ارشاد اس مضمون کی بین دلیل ہے کہ وسیلہ کی درگاہ عالم پناہ میں وسیلہ پکڑنے والے کی حاضری صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔ اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ

حاضری متوسل کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ مقدس میں عام ہے۔ کہ حضور کی حیات دنیوی میں ہو یا یہاں سے تشریف لے جانے کے بعد ہو۔ اس کی کوئی تخصیص نہیں۔ پھر ایسے وسیلہ کریم سے جو شخص پھیرے اور زیارت میں مانع آئے اور اس کے جواز کا شک کرے اس کے استجاب کا دافع بنے اس کے لئے سفر کرنا حرام و شرک قرار دے اس کی اپنے نفس پر جفا کاری اور بدنصیبی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ نافعی میں حیوانات سے گئے گذرے۔ اولئک کا الانعام بل ہم اضل واولئک ہم الغافلون۔ ہاں بعض کور باطن یہ کہہ دیں گے کہ یہ مسئلہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ دیگر اہل قبور اولیاء اللہ و صالحین پر جا کر وسیلہ گردانا اس کے ماتحت کیونکر آسکتا ہے۔ سوان کا دلی نعت ہونا پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ اور وہ واسطہ مطلق کے ماتحت من راج و داخل ہیں بالخصوص جبکہ ان کی تخلیق ہی واسطہ امداد خلق اور ذریعہ ہونے کے ہے۔ اور تمہارے اس خیال سے حق تعالیٰ اور اس کے محبوب پاک پر اعتراض وارد ہوتا ہے جن کے حکم میں وسیلہ کی طلب اور مشائخ و اولیا کے مزارات کی حاضری فرمائی گئی ہے۔ اور مرادات و حاجات کے حصول میں ان کو واسطہ گردانا ہے اور ہم کو ارشاد کیا کہ اذا تحیرتم فی الامور فاستعنوا بما محب القبور وزور وھاو اطلبوا حوائجکم من حسان الوجوه وعند حسان الوجوه۔ اور یہی طریقہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک توسل کا تمام انبیاء علیہم السلام میں اور حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک تمام اولیا عظام علیہم الرحمۃ و الرضوان میں جاری و معمول

رہا۔ تو کیا مولا کریم اور اس کے محبوب بنی کریم علیہ السلام والتسلیم نے نعوذ باللہ۔ خود شرک کی تعلیم دی۔ اور جملہ انبیاء و اولیاء متوسلین معترض کے عقیدہ میں پناہ بخدا مشرک ہیں۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ معترض ثابت ہو کر اعتراض کرتا ہے یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ عالم 'عالم اسباب' ہے ابتدائے خلقت جنہیں سے انتہا تک اور ہر امر معاش میں جو ہزاروں اسباب کے سلسلے حق تعالیٰ نے پیدائش اور پرورش اور قیض اور موت کے واسطے معین فرمائے ہیں سب بے ضرورت نہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ قادر تھا اور ہمیشہ ہے کہ بچہ بغیر نطفہ اور بے ماں باپ کے پیدا فرما دیتا اور بغیر غذا کے زندہ بھی رکھتا اور بغیر واسطے کے مارتا جلاتا۔ سوان اسباب کے واسطے اور ذریعہ سے جو امور ظہور میں لایا تو تمہارا خدا تمہارے خیالی ڈھکوسلوں پر خدا ہی نہ رہا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسکم۔ سنے تو سل کی تین صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ پہلی یہ کہ متوسل اور مستغنیث اس طرح کہے کہ یا اللہ میں تجھ سے مراد مانگتا ہوں بحرمت فلاں نبی یا ولی یا بحق فلاں بزرگ یا بطفیل فلاں بزرگ تو میری مراد بر لایا۔ میری حاجت روائی فرما۔ اور یہ صورت کثیر اور متعارف ہے اور عام دستور ہے کہ جب کسی کے سامنے اس کے معزز دوست یا ذی وجاہت محبوب کا واسطہ ذکر کیا جاتا ہے تو سائل پر رحمت و شفقت کا جوش ہوتا ہے اور وہ یعنی مسئول علیہ عنہ بوجہ واسطہ محبوب سائل کی مراد بر لانے میں ہمہ تن متوجہ اور ملتفت ہو کر اس کے مقصود کو پورا کرنے میں کوشش کرتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ انبیاء و اولیا و مشائخ کرام علیہم الصلوٰۃ اللہ تعالیٰ کے محبوب بنائے ہیں جب ان کے ذکر کے ساتھ ہماری دعا مقارن ہوگی بے شبہ

ہمارے واسطے دریائے رحمت الہی جوش میں آئے گا اور یہی بہتر ہے جو احادیث میں وارد ہے کہ جب کوئی دعا کرتا ہے تو آسمان کا دروازے نہیں کھلتا اور زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے یعنی قبولیت کو نہیں پہنچتی جب تک خدائے واحد کے محبوب پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے۔ دوسری صورت تو سل کی یہ ہے کہ انبیاء و اولیاء سے سفارش اور دعا کی درخواست کی جائے اور اس طرح کہا جائے کہ آپ ہمارے واسطے سفارش کیجئے اور دعائے خیر فرمائیے کہ مولا کریم ہم کو اپنے مقاصد میں فائز الرام فرمائیے اور اس کے جواز میں بھی کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بے شبہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مقدس اور مقبول ہیں۔ اور ان کی سفارش اور دعا یقیناً مقبول ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب کوئی امر مشکل اور کوئی بلائے عظیم عالم پر نازل ہوتی ہے تو ابدالان الہی اور اوتادان وقت دعا کرتے ہیں تاکہ اس کا دفعیہ ہو جائے اور اگر نہیں ملتی تو آخر میں قطب وقت دعا کو ہاتھ اٹھاتے ہیں اور ہوزان کی دعا تمام نہیں ہونے پاتی کہ درجہ قبولیت کو پہنچ جاتی ہے۔ اور مندرجہ بالا تینوں صورتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ میں پائی جاتی ہیں جس کو معجم کبیر طبرانی میں روایت کیا گیا ہے وہ طویل حدیث یوں ہے کہ ایک شخص حاجت مند اپنے کسی کام کو اکثر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا مگر وہ التفات نہ فرمایا کرتے اور نہ اس کی حاجت پر متوجہ ہوتے حضرت عثمان ابن حنیف سے اس شخص نے اس امر کا شکوہ کیا انہوں نے اس کی مطلب بر آری کی یہ تجویز سمجھائی کہ

وضو کر کے مسجد میں دو رکعت پڑھ اور اس طرح دعا مانگ کہ خداوند! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی پاک کے جن کا نام مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور لقب آپ کا نبی الرحمتہ ہے۔ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے ذریعہ سے اپنے پروردگار کی جانب متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میرا مطلب آپ پورا فرما دیں اور پھر ساتھ ہی اسی مطلب اپنے کا بھی ذکر کر دینا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا پھر جب حضرت خلیفۃ المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر گیا تو حضرت عثمانؓ بڑی خاطر سے پیش آئے اپنے ساتھ مسند پر جگہ دی اور اس کا دعا و مطلب پوچھا اور جو اس نے کام عرض کیا وہ کر دیا پھر فرمایا تو نے آج تک مجھ سے کیوں نہ کہا تھا جب بھی تمہارا کوئی کام ہوا کرے مجھے اطلاع کیا کرو پھر وہ شخص حضرت عثمان کے پاس سے واپس چلا آیا اور ابن حنیف سے ملاقات ہوئی تو اس کو کہا کہ خدا تمہارا بھلا کرے اور جزائے خیر دے حضرت عثمانؓ سے کہہ کر تم نے میرا کام کر دیا وہ میری طرف التفات ہی نہ فرماتے تھے ابن حنیف نے کہا خدا کی قسم میں نے تیرے معاملہ میں حضرت عثمانؓ سے کچھ بھی نہیں کہا اور نہ بات چیت کی اصل بات یہ ہے کہ ایک وقت میں حضور اکرم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک اندھے آدمی نے اپنی آنکھوں کی بینائی کا حضورؐ سے شکوہ کیا تو حضور علیہ السلام نے اس سے فرمایا وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور اس طرح دعا مانگ قسم خدا کی ہنوز مجلس برخاست نہ ہوئی تھی اور ہم لوگ ابھی باتیں کر رہے تھے کہ وہ شخص مجلس میں واپس آیا اور اچھا بھلا تھا گویا وہ پہلے اندھا

تھا ہی نہیں۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے توسل اور استغاثہ کا طریقہ خود تعلیم فرمایا اور اس سے نفع اٹھانے کا گر بھی سمجھا دیا۔ اور یہ تمیز بھی اٹھا دی کہ یا محمدؐ کہہ کر وسیلہ بنانے والا حاضر ہو یا غائب۔ قریب ہو یا بعید۔ ایسا کر سکتا ہے اور اس کو اجازت ہے اور اگر غیر اللہ سے توسل اور استعانت ممنوع یا شرک ہوتا تو یہ تعلیم سرکار انبیاء علیہ السلام سے محال تھی۔ لہذا واضح تر ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل اور استغاثہ اور استعانت سنت ہے۔

تیسری صورت توسل کی یہ ہے کہ خود انبیاء اور اولیاء سے مراد طلب کی جائے اور ان کو مظہر عون و قدرت الہی جان کر اور ان کو وسیلہ اور واسطہ بین الخالق و المخلوق مان کر ان اشیاء کی نسبت جن کے اوپر حق تعالیٰ نے انہیں خود تصرف اور طاقت عطا فرمائی ہے تو توسل کی یہ صورت اور اس عقیدے کے ساتھ انبیاء اور اولیاء سے حاجت چاہنا ہرگز ممنوع نہیں۔ ورنہ زندگی میں بھی چاہیے کہ ان سے استمداد و استعانت ممنوع ہو جائے۔ حالانکہ بالاتفاق جائز ہے بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ اسی تقدیر پر کسی مالدار سے بھیک مانگنا روٹی کی طلب کرنا، کھانا چاہنا خادم سے پانی لوٹا منگوانا۔ درزی سے نانکا لگوانا بڑھے کو ڈگوری اور لٹھیا سے مدد مانگنا۔ حاکم سے استغاثہ کرنا انصاف چاہنا اور طبیب سے علاج میں مدد لینا غرضیکہ تمام دنیوی زندگی کے کاروبار حرام و ناجائز ہو جاویں گے۔ جب ان تمام ضروریات میں استعانت بوجہ اسباب ظاہری ہونے کے جائز ہوئی تو انبیاء و اولیاء سے استعانت حرام و ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی۔ کیا اگر انبیاء و اولیا کو حاجات کے

اسباب ہی سمجھ لیا جائے تو پھر معترض کے نزدیک معاذ اللہ عام اشیاء کی سی بھی حیثیت انبیاء کی اور اولیاء کی نہ ہوئی۔ جیسا کہ دیوبندیوں نے اپنی لائٹھی کو زیادہ کام دینے والی حضور علیہ السلام اور اولیاء کرام کے مقابلہ میں تصور کر رکھا ہے۔ ایسے عقیدے میں صریح ان کی تو نہیں ہے جو موجب سلب ایمان ہوتی ہے۔ فقیر نے پہلے ذکر کر دیا ہے کہ انتظام نظام عالم کا دار و مدار قانون قدرت کے مقتضائے عالم اسباب میں اہل الہدین اور ان کے ارواح مقدسہ نفوس قدسیہ عوام کے مہربانیت امرا ہیں۔ پھر ان کی بیحد مفید کار آمد ہستیوں اور ذمہ دارانہ وبا اختیار حیثیتوں سے انحراف کرنا اور محض دنیا میں عضو شل کا عقیدہ رکھنا پرلے درجے کی ڈھٹائی ہے۔ حضرت شیخ محدث دہلوی جذب القلوب میں فرماتے ہیں۔ در روایت انس بن مالک آمدہ کہ فاطمہ بنت اسد فوت کرد آنحضرت بروے در آمد بر سردے بنشست فرمود یا بعد امی و ثنائے بسیار بروے کردو پیراہن خود را کفن دے ساخت بعد ازیں اسامہ بن زید و ابویوب انصاری و عمر بن خطاب راضی اللہ عنہم فرمود تا قبر برائے او کنند و لحد و میرا بدست شریف خود حضر کردو بدست مبارک خود خاکمادا بر آورد و بعد از فراغ درلد در آمد و نجفت و فرمود۔ اللہ الذی یحیی و یمیت و ہوحی لا یموت اغفر لامی فاطمتہ بنت اسد و وسع علیہا مدخلہا بحق نبیک و الانبیاء قبلی فانک ارحم الرحمن و چار تکبیر خواندو در لحد در آورد دو عباس و ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما نیز باوے بودند دریں حدیث دلیل است بر توسل در ہر روحانیت نسبت بانحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در حالت حیات و نسبت بانبیاء علیہم السلام بعد از وفات و چون توسل بانبیاء دیگر

صلوۃ اللہ علیہم اجمعین بعد از وفات جائز باشد ہسید انبیاء علیہ افضل الصلوۃ و اکملہا بطریق اولی جائز باشد بلکہ اگر باین حدیث توسل باولیائے خدا نیز بعد از وفات ایشان قیاس کنند دو نیست۔ اس حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حضرت شیخ محدث دہلوی کا یہ نتیجہ اخذ کرنا۔ کہ جب حضرت فاطمہ بنت اسد والدہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فوت ہوئیں تو حضور علیہ السلام تشریف لائے اور ان کے سرہانے بیٹھے۔ تعریف فرماتے رہے پھر اپنا پیراہن حضور نے ان کے کفن کو دیا۔ حضرت اسامہ بن زید ابویوب انصاری اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کو قبر کھودنے کا حکم فرمایا اور لحد کا گرہا اپنے دست مبارک سے بنایا اور یہ الفاظ فرمائے اے اللہ کریم میری ماں فاطمہ بنت اسد کے لیے مغفرت فرما اور اس کی قبر کو فراخ کر دے اپنے بنی کی طفیل یعنی (میری) محمد صلی اللہ علیہ السلام کی اور بطفیل ان انبیاء علیہم السلام کی جو مجھ سے پہلے پیدا ہوئے ہیں پس تحقیق تو بہت رحم فرمانے والا ہے۔ کہ توسل کی دونوں صورتیں جائز و مسنون ہو گئی ہیں۔ بحالت ظاہری دنیوی زندگی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ثابت ہو گیا اور بحالت وفات سابقہ انبیاء علیہم السلام سے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ جب انبیاء مقدسین کا توسل خود حضور علیہ السلام کے فعل سے ثابت ہو گیا تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل ہمارے لیے بطریق اولی جائز ہو گا۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے اولیاء کرام سے بھی توسل بعد از وفات قیاس کر لینا کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے۔

فقیر کہتا ہے۔ کہ جب توسل و استغاثہ جائز و مسنون ہوا تو توسل کے

واسطے سفر کرنا اور ان کے مزارات شریفہ پر جانا بھی جائز و ثواب ہوا۔ ہاں یہ ایک اور مغالطہ ہے کہ جانے والے ہی کے دماغ میں یہ بٹھانے کی سعی کی جائے۔ کہ تو سہل تو جائز ہی سہی مگر وہ تو جن کو تو وسیلہ بنانا چاہتا ہے۔ تیری بات سنتے ہی نہیں۔ تو وسیلہ کیسا اس مغالطہ دہی کا جواب بھی مختصراً ذکر کر دینا مناسب ہے۔ تاکہ یہ بہانہ بھی دور ہو جائے۔ پھر اگر ایمان ہوا تو عمل کر لیں گے۔ ورنہ سب معترضین کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ اس فتنے کے زمانہ میں گمراہ کرنے کا زیادہ تر طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ لوگوں کے ذہن میں یہ بات ڈالی جائے۔ کہ جب آدمی مر گیا اور روح اس کی اپنے مقام پر چلی گئی اور جسم گل مر گیا پھر قبر میں کیا ہے جس کے پاس تم جاتے ہو۔ اور اس میں کون ہے جس کو تم مخاطب کرتے ہو۔ اور ان قبور کی تشبیہ کہیں بتوں سے اور کہیں پتھروں سے دی جاتی ہے قرآن و حدیث میں وہ تمام آیات و ارشادات جو عرب کے بتوں کی شان میں ہیں وہ سب اپنے معانی و مطلب میں تغیر و تبدل کر کے یہاں لا کر جما دی جاتی ہیں عوام بیچارے جن کو علم نہیں ہوتا اس قسم کی موٹی موٹی باتیں سن کر جان لیتے ہیں اور جاہ اعتدال سے ہمک جاتے ہیں اور ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ مزار خواہ کیسے ہی بزرگ کا کیوں نہ ہو راہگزر میں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے، جانا اور عقیدت سے بیٹھنا تو درکنار بیسیوں خواصوں اور درویشوں کے ملنے والوں کو جنہیں بکے اہلسنت ہونے کا دعویٰ تھا دیکھا گیا ہے کہ وہ بھی اس الجادی تعلیم میں صحیح معتقدات کو کھو چکے ہیں۔ اللہ رحم فرمائے۔ لہذا مختصر طور پر یہ مسئلہ سمجھا دینا ضروری ہے۔ سنئے

جب مقبول بندگان خدا فوت ہو جاتے ہیں تو ان کی روح اگرچہ علین میں چلی جاتی ہے لیکن اس کو ایک قسم کا اتصال معنوی اپنی قبر کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ گویا وہ روح مقام علین اور قبر دونوں جگہ رہتی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کو کل حالات سے جو اس کی قبر پر گزرتے ہیں واقفیت ہوتی ہے اور اس کی مثال یوں سمجھنا چاہئے کہ آفتاب آسمان پر ہے اور اس کی روشنی تمام عالم میں پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ ان کا مقام علین ہے مگر روشنی اس کی قبر تک بلکہ تمام عالم میں ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب شرح الصدور شرح حال الموتی والقبور میں اس بحث کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے اگر اس چھوٹے مضمون میں مخجاش ہوتی تو فقیر اس کو من و عن نقل کرتا۔ تاہم بعض دو چار موٹی موٹی باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ کہ

ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ مومنین کی ارواح علین میں رہتی ہیں اور کفار کی ارواح سبعین میں اور ہر روح کو اپنے جسم کے ساتھ اتصال معنوی رہتا ہے۔ اور ابن عبد البر نے کہا کہ جس وقت مردہ ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل کیا جاتا ہے تو وہاں بھی وہ اتصال ہمیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ جب یہ سمجھ لیا گیا تو اب معلوم کرنے کی یہ ضرورت رہی کہ کیا مردے اس حالت میں اہل دنیا کی آواز دہکار سنتے ہیں یا نہیں مولوی سنبھلی ملتانی صاحب نے بڑی شد و مد سے لکھا ہے۔ کہ مردے کا سننا ثابت نہیں بلکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی سماع موتی کے قائل نہیں۔ مگر مزے کی بات یہ ہے کہ آپ کو اپنا ہی پتہ نہیں کہ پیچھے کیا لکھ آیا

ہوں۔ اور اب کیا لکھ رہا ہوں۔ چنانچہ خود ہی اپنی بے سرہا تصنیف موعظ
المسلمین کے ص ۱۱ پر فرماتے ہیں۔ اور واضح طور پر فرماتے ہیں۔ کہ بعد دفن
قبر کے سرہانے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات الم سے ہم المفلحون تک اور
پانچویں پر اسی سورہ بقرہ کی آخری آیات امن الرسول سے لے کر وانصرنا
على القوم الكافرين تک پڑھنا مسنون ہے نیز قبر پر تلقین کو بھی جائز کہا گیا
ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

يا فلان ابن فلان اذكر دينك الذي عليه من الشهادات ان لا اله الا
الله وان محمدا رسول الله وان جنت البخته حق والنار حق وان
الساعة آتية وان الله يبعث من في القبور وانك رضيت بالله ربا
وبالاسلام دينا وبمحمد نبيا بالقران اماما وبالكعبة قبلته
وبالمؤمنين اخوانا (شامی ص ۵۹۶)

اے فلاں بن فلاں یاد کر اپنے اس دین کو جس پر تو تھا یعنی گواہی اس
امر کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ
کے رسول ہیں۔ اور جنت حق ہے دوزخ حق ہے اور دوبارہ جینا حق ہے۔ اور
قیامت آنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ مردوں کو قبروں سے اٹھائے گا اور تو
راضی تھا اللہ کو رب مان کر اور اسلام کو دین مان کر اور حضرت محمد صلی اللہ
علیہ وسلم کو نبی جان کر اور قرآن کو امام اور کعبہ کو قبلہ اور مومنوں کو بھائی
بنانے پر۔ اس کے بعد واپسی میں جلدی نہ کریں کیونکہ حاضرین سے میت کو
انس ہوتا ہے۔ اور اس کو جوابات منکر و نکیر میں آسانی ہوتی ہے۔

مولوی صاحب سے پوچھا جائے کہ وہ آیات سورہ بقرہ کیوں پڑھی

جائیں اور یہ تلقین کیوں کی جائے کیونکہ آپ کے ایمان کے مطابق تو
مردے سنتے ہی نہیں اور جب وہ نہیں سنتے تو یہ سب کچھ بقول آپ کے
عبث ہو گا۔ اور اسلام نے کوئی عبث کام اپنے غلاموں کو نہیں بتایا بلکہ
اسلام ہر چیز فطرت اور عقل کے مطابق پیش کرتا ہے یہ ایک جداگانہ بات
ہے کہ بعض مسائل میں سمجھنے کو عقل انسانی انسان کا ساتھ نہ دیتی ہو۔ اب
یہاں تلقین جائز اور وہاں جس کو تلقین کرنا ہے وہ سنتا ہی نہیں تو پھر آپ
کی اس دورگی اعتقادی منطق کا کیا بنے گا۔ یا مردوں کا سننا جائز فرمائیے کہ
وہ سنتے ہیں پھر تلقین جائز ہوگی۔ اور اگر مردوں کا سننا بقول آپ کے شریعت
میں نہیں آیا تو تلقین بھی ناجائز قرار دے دیجئے۔ جہاں اتنے اسلامی
معتقدات پر ہاتھ صاف کئے ہیں وہاں بیچاری تلقین کی کیا ہستی جو آپ کے
علمی حربے سے جیتی رہ جائے۔ جائز تو آپ نہ لکھتے مگر حق حق ہے بے
اختیاری میں منہ سے نکل گیا۔ کیونکہ سارے کا سارا دین جھٹلایا جانا ذرا
مشکل کام ہے۔ پھر آپ ابھی علمی میدان میں نو آموز ٹھہرے ایسی آگے
پیچھے کی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں خدا آپ کی اس گھبراہٹ پر رحم فرمائے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ جس بات کا آپ نے ص ۱۳۰ پر اپنی کتاب میں
انکار صریح کیا ہے وہ قابل انکار نہیں اور نہ ہو سکتی ہے۔ حدیثوں پر
ازروئے دیانت و علم نظر ڈالیں مخالطہ دور ہو جائے گا۔ اگر آپ معذور ہیں
تو فقیر لکھ دیتا ہے۔ سننے فی الصحیحین عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قال ان العبد اذا وضع فی قبره وتولى عنه اصحابه وان لم يسمع قورغ
لعلهم يعني صحیحین میں انس سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے کہ جب آدمی کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور ساتھی اس کے لوتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مردے سنتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ امر عام ہے۔ حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی بطریق معجزہ خاص نہ تھا۔

(دوم) فی صحیح البخاری عن سعید عن ابیہ اند سمع ابی سعید الخدری ان رسول اللہ قال اذا وضعت الجنازة واحملها الرجال علی اعناقهم فان كانت صالحه قالت قدو مونی وان كانت غیر صالحه ثالثا ولها ابن تذهبرن بها بسمع صوتها کل شی الا الانسان ولو سمعه لصعق (ترجمہ) صحیح بخاری میں ہے روایت کیا سعید نے اپنے باپ سے کہ سنا انہوں نے ابوسعید خدری سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنازے کو جس وقت لوگ لے چلتے ہیں اگر وہ مردہ نیک لوگوں میں سے ہے تو کہتا ہے کہ جلدی لے چلو مجھ کو اور اگر برے لوگوں میں سے ہے تو کہتا ہے کہ خرابی ہے مجھ کو کہاں لیے جاتے ہو اور اس آواز کو سوائے انسان کے سب سنتے ہیں اور اگر انسان نے تو یہوش ہو جائے۔ اس حدیث سے ہر مردے نیک و بد کا بولنا اور کلام کرنا ثابت ہوتا ہے۔ جس میں اگر پکارنے اور بولنے کی اہلیت باقی رہتی ہے تو سننے کی بھی لازماً رہتی ہے۔

(سوم) احادیث سے ثابت سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ جب لوگ قبروں پر جائیں تو مردوں کو سلام کریں اور یہ کہیں۔ انتم لنا سلف ونحن لکم خلف وانا انشاء اللہ بکم لا حقون ابشروا فان الساعۃ لا بتہ لا ربہا وان اللہ یبعث من

فی القبور (ترجمہ) تم لوگ آگے ہو اور ہم تمہارے پیچھے ہیں۔ اور ہم انشاء اللہ تم میں ملنے والے ہیں خوش ہو پس تحقیق کہ قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں اور تحقیق کہ اللہ اٹھائے گا ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر مردے نہ سنتے اور سماع موتی صحیح نہ ہوتا تو سرکار انبیاء علیہ السلام ایسا حکم نہ فرماتے۔ کیونکہ بر تقدیر عدم سماع موتے کے نعوذ باللہ یہ حکم لغو بے معنی ٹھیرتا ہے۔

(چہارم) روی ابو الشیخ الاصبہانی باسنادہ عن عبید بن مرزوق قال كانت امراة بالمدينة يقال لها ام محجن تقم المسجد فماتت فلم تعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمر علی قبرها فقال ما هذا فقالوا ام محجن قال النبی كانت تقم المسجد قالوا انعم قصف الناس فصل علیها ثم قال ای العمل و جدت الفضل قالوا یا رسول اللہ اتسمع قال ما انتم باسمع منها فذكر انها اجابت تقم المسجد وهذا مرسل۔ (ترجمہ) ابو الشیخ الاصبہانی نے روایت کیا اپنے استاد سے عبید بن مرزوق سے یہ کہ عبید بن مرزوق نے کہا کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی جس کو ام محجن کہتے تھے اور وہ مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی پس وہ مر گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مرنے کی اطلاع نہ پائی پس گذرے حضور اس کی قبر پر اور پوچھا آپ نے کہ یہ کس کی قبر ہے پس عرض کیا لوگوں نے کہ ام محجن کی پھر پوچھا حضور نے کہ وہ جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی عرض کیا گیا ہاں پس صف بنائی لوگوں کی اور نماز پڑھی حضور علیہ السلام نے اس پر اور پھر پوچھا اس عورت سے کہ کونسا عمل تو نے

بہتر پایا پھر لوگوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ سنتی ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا تم اس سے زیادہ نہیں سنتے ہو۔ اور پھر فرمایا کہ اس نے یہ جواب دیا ہے کہ میں نے جارب کشی مسجد کو بہتر پایا ہے اور یہ حدیث مرسل ہے۔ اس حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مردے سے مثل زندوں کے سوال کرنا اور مردے کا سننا اور جواب دینا ثابت ہوتا ہے۔ اور سماع موتی کے متعلق خاص ارشاد ہے کہ تم اس سے زیادہ نہیں سنتے ہو۔ گویا وہ بھی دیے ہی سنتی ہے جیسے تم سنتے ہو اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ کے اپنے ارشادات اور عمل میں سماع موتی صحیح ہے پھر احادیث کو ٹھکرانا اور ارشاداتِ نبوتؐ سے صریح انکار کرنا کون سے ایمان کی دلیل ہے اس مختصر میں اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم اس مسئلہ کو مع عربی متن کے واضح تر کر دیتے لیکن صرف ترجمہ اردو پر اکتفا کرتے ہوئے چند اور احادیث اور لکھ دیتے ہیں۔

(پہم) ذکر طبرانی نے اوسط میں اور ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں یہ کہا کہ ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ ہم اطراف بدر میں پھر رہے تھے کہ ناگاہ ایک شخص ایک گڑھے سے نکلا اور اس کی گردن میں ایک زنجیر تھی پس پکارا اس نے مجھ کو کہ اے عبد اللہ پانی پلاؤ اور ہم کو یہ نہیں معلوم کہ آیا وہ میرا نام جانتا تھا یا موافق قاعدہ عرب کے اس نے پکارا پھر اسی گڑھے سے ایک شخص اور نکلا کہ اس کے ہاتھ میں کوڑا تھا پس پکارا اس نے مجھ کو کہ اے عبد اللہ اس کو پانی مت پلاؤ۔ اس واسطے کہ تحقیق یہ کافر ہے اور پھر مارا اس کو کوڑا یہاں تک کہ پھیر لے گیا اس کو اسی گڑھے میں پس میں نے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ حال بیان کیا پھر فرمایا آپؐ نے کہ تحقیق تو نے اس کو دیکھا ہے میں نے عرض کیا کہ ہاں پس آپؐ نے فرمایا وہ ابو جہل دشمن خدا تھا اور یہی عذاب اس پر قیامت تک رہے گا۔ یہ واقعہ حضور علیہ السلام کے سامنے کا ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح دنیا میں قیدی موقعہ پا کر بھاگنے کا قصد کرتا ہے اور محافظ زندان پھر اس کو گرفتار کر کے لے جاتا ہے اسی طرح ابو جہل نے بعد مرنے کے اپنی جگہ سے نکل بھاگنے کا قصد کیا تھا مگر موکل عذاب پھر اس کو لے گیا اسی طرح کا ایک اور واقعہ بزہانی ابن عمر رضی اللہ عنہ ابن براء نے روضہ میں لکھا ہے۔

(ششم) روایت کیا ابو یعلیٰ اور یسعیٰ اور ابن مندہ نے حضرت انسؓ سے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں اور نماز پڑھتے ہیں۔

(ہفتم) روایت کیا اور ابو نعیم نے کہ کما جیبو نے کہ قسم ہے خدا کی کہ سوائے اس کے کوئی خدا نہیں میں نے ثابت بنانی کو قبر میں رکھا اور میرے ساتھ حمید طویل تھے پس جب میں نے قبر پر اینٹ کو برابر کیا تو ناگاہ ایک دوسری اینٹ گر پڑی۔ پس دیکھا میں نے کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور ان کا یہ قاعدہ تھا کہ ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر تو نے کسی اپنی مخلوق کو قبر میں بھی نماز پڑھنا عطا کیا ہے تو یہ مجھ کو بھی عطا کر پس اللہ کریم نے ان کی دعا کو رد نہیں فرمایا۔ اس روایت سے صرف سننا اور بولنا ہی نہیں بلکہ عملی طور پر نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

ایسی بیشتر روایات حدیثوں کی کتابوں میں آتی ہیں۔ جن کو ضرورت ہو مطالعہ کرے اور خدا سے قبر کی زندگی کو بہتر و کامیاب بنا لینے کی توفیق مانگے وہ اللہ کریم ہر مومن کو اعمال صالح و عقیدہ حقہ کی توفیق رفیع فرمادے گا۔ **نقطہ**

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مسئلہ بزرگان دین اور ان کی قبور کے علاوہ ان کی مستعملہ چیزوں کو وسیلہ حصول خیر و برکت سمجھنا

اس باب میں ہم رفع شکوک منکرین کے لئے ان دلائل کو ذکر کریں گے جن سے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیگر بزرگان دین سے بذاتہ یا قبور بزرگان دین سے استعانت کرنا تو دور کنار ان کی ان چیزوں کی عظمت کرنا (جو انہوں نے اپنی زندگی میں استعمال فرمائی ہیں) اور وسیلہ حصول خیر و برکت ٹھہرانا جائز اور ان کے ذریعے سے حاجات کا بر آنا اور مصائب سے نجات پانا ثابت ہو گا ان دلائل کے لکھنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ فی زمانہ بداعتقادوں نے عوام کے گمراہ کرنے کا یہ طریق اختیار کر رکھا ہے۔ کہ ہر اس چیز کو جو عوام اپنے لئے محبت اہل اللہ کے ماتحت شرعی طور پر مفید اور سود مند خیال کریں بد عقیدہ لوگ ان کو شرک بیان کر کے چاہتے ہیں کہ ان کے دلوں میں گمراہی کا ایسا بیج بویا جائے۔ جس سے یہ نیک اعتقاد نہ رکھ سکیں۔ کہیں قبروں کو عرب کے بتوں اور پتھروں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ کہیں مشرکوں کی قبور والی حدیثیں بیان کر کے ایسی تقریریں پر زور دیا جاتا ہے کہ عوام بیچارے جن کو احکام شرع سے واقفیت نہیں ہوتی اس قسم کی موٹی باتیں سن کر اس کو تسلیم کر لیتے ہیں اور جاوہ ثواب سے ہمکنار جاتے ہیں بس ان کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ کیسے ہی

بزرگ کا مزار ہو یا ان کے تبرکات وہاں جانے کا تو کیا ذکر ہے اگر کہیں اتفاقاً اس طرف سے رہ گزر بھی ہو جائے تو منہ پھیر لیتے ہیں اور اس مزار کی طرف دیکھنا بھی گناہ سمجھتے ہیں اور یہ کچھ عوام پر ہی موقوف نہیں بلکہ بعض خواصوں کے دلوں میں بھی یہ خیالات پیدا ہو گئے ہیں کہ باوجود اہل اللہ سے نسبت بیعت ہونے کے بھی عقیدے میں اہل اللہ کے مخالف نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بد عقیدگی سے محفوظ فرمائے اور نیک عقیدہ کی توفیق بخشے۔

الحديث الاول في الصحيحين وفي صحيح مسلم عن اسماء بنت ابي بكر وفي بعض حديثها لقالت هذه جبته رسول الله لما خرجت لي جبته طيالسته كسروانيه لها لبته ديباج و فرجاها مكفوفتان باند بياج لقالت فهذه كانت عند عائشة رضي الله عنها فلها قبضت قبضتها فنحن نفلسيها لكم للمرض نستشفى بها۔ (ترجمہ) صحیحین یا صحیح مسلم میں اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جبہ تھا۔ جس کا تانا ریشی اور کناروں پر اس کے ریشی حاشیہ لگا ہوا تھا۔ پس وہ فرماتی ہیں کہ یہ جبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا اور بعد انتقال کے اس کو میں نے لے لیا۔ اور اس جبہ کو ہم مریضوں کو دھو کر پلاتے ہیں اور اس کے وسیلہ سے شفا چاہتے ہیں۔

الحديث الثاني في جمع الصحيحين للحميدي عن عبد الله بن موهب قال ارسلني امي الى ام سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم بقدح من ماء فجاءت بجلجل من فضته فيه شعر من شعر النبي صلى الله

عليه وسلم فكان اذا اصاب الانسان عين او شئ بعث با ماء اليها فحضمضت له فشرب منه فاطلعت في الجبل فرايت شعرات حمراء۔

(ترجمہ) حمیدی نے جمع الصحیحین میں عبد اللہ بن موهب سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ میری بی بی نے مجھ کو ایک برتن میں پانی لے کر ام سلمہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بھیجا پس لے آئیں وہ ایک چاندی کی ڈبیہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک تھا۔ اور لوگوں کا یہ معمول تھا کہ جب کسی کو نظریہ لگتی تھی یا اور کچھ ہوتا تھا۔ تو ان کے پاس برتن بھیجتے تھے اور وہ اس میں ہال کو حرکت دیتی تھیں۔ پس جھانکا میں نے اس ڈبیہ کو تو میں نے اس میں چند ہال سرخ دیکھے۔ ان دونوں حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ و ہال مبارک کو حصول صحت کے لئے ذریعہ کرنا جائز نہ ہوتا تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور دیگر عوام ہرگز ایسا نہ کرتے اور نہ صحت پاتے۔ الحديث الثالث في الجمع بين الصحيحين ايضا عن سهل بن سعد في البردة التي استوهبها من النبي صلى الله عليه وسلم فلابه الصحابة علمي طلبها منه وكان لا يسها فقال انما سائته اياها ليكون كفنني وفي راوايته ابي غسان انه قال حين لاموه رجوت بركتها حين لبسها النبي (صلى الله عليه وسلم) لعلي اكفن بها۔ (ترجمہ) اسی جمع بین الصحیحین میں سهل ابن سعد سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک معطوط چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگ لی جو آپ کے مصرف میں تھی۔ پس صحابہ نے ان کو اس فعل پر ملامت کی تو انہوں نے کہا کہ میں

نے اس کپڑے کو اس واسطے لیا ہے۔ کہ میں اس سے اپنا کفن بناؤں اور بعض روایت میں یوں ہے کہ جب صحابیوں نے ان کو ملامت کی تو انہوں نے یوں کہا کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنتے ہیں۔ اس واسطے میں نے اس کو باامید برکت مانگ لیا ہے۔ اور میں اس کا کفن بناؤں گا۔ اس روایت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ چادر ذریعہ بہودی آخرت نہ ہوتی تو حضرت سہل بن سعد اس کا کفن کیوں بناتے۔ انہوں نے باوجود اصحابی ہونے کے اس کپڑے کو اچھا ذریعہ نجات سمجھ کر کفن بنانے کا قصد کیا۔ تو اگر ہم لوگ بھی اس قسم کی متبرک چیزوں کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھیں تو کچھ بے جا نہیں۔ فقیر نے اپنے سفر حج میں مدینہ منورہ پہنچ کر ایک اوالعزم بزرگ کو دیکھا ہے کہ وہ احد پھاڑ کے چند پتھر اٹھا کر اپنے ساتھیوں کو یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ جب میں مروں تو یہ پتھر میرے کفن میں رکھ دینا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جبل احد جنت کے رکنوں میں سے ہے۔ ممکن ہے انہی پتھروں کی برکت سے حول قبر سے نجات پاؤں۔ اور عذاب سے محفوظ رہوں۔ برخلاف اس کے مولوی ملتانی صاحب ایسے تمام اعمال کو شرک سے تعبیر کرتے اور منع گروانتے ہیں۔

الحدیث الرابع وفي صحيح مسلم وغيره عن انس قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والحلاق بحلقہ وطاف بہ اصحابہ فما تربدون ان تقع شعرة الا فی ید وجہ منہم۔

(ترجمہ) صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ

سر کے بال ترشواتے تھے تو اصحاب آپ کے گرد جمع رہتے تھے۔ اور سب بالوں کو اٹھا لیتے تھے۔

الحدیث الخامس فی صحيح مسلم من باب الحلق قال صلی اللہ علیہ وسلم للحلاق احلق فحلقہ فاعطاه ابا طلحہ فقال اقسمة بین الناس ای شعرة الشریف۔

(ترجمہ) صحیح مسلم کے باب حلق میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجام کو سر کے بال تراشنے کو فرمایا پس جب حجام نے سر کے بال تراشے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب بال ابو طلحہ کو دے دیئے اور فرمایا کہ یہ سب بال لوگوں میں تقسیم کر دنا۔

الحدیث السادس فی البخاری ان انس بن مالک خادم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اوصی ان تدفن معہ شعرات للنبی معہ

(ترجمہ) بخاری میں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو بال مبارک تھے۔ ان کی نسبت حضرت انسؓ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ وہ موئے مبارک ان کے ساتھ قبر میں دفن کئے جائیں۔

الحدیث السابع روی الامام احمد فی المسند قال حدثنی یحییٰ بن یمان عن حسن بن صالح عن جعفر بن محمد قال کان الماء یستنقع فی جنون النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین غسلوه بعد موته فكان علیٰ یحسوه۔

(ترجمہ) امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے۔ کہ حدیث بیان کی مجھ سے

یحییٰ بن یمان نے حسن بن صالح سے کہا انہوں نے کہ کہا جعفر بن محمد نے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد انتقال کے غسل دیا گیا تو غسل کا پانی ایک کاسہ بزرگ میں جمع کیا گیا تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کو پیا تھا۔ الحدیث الثامن روى القاضى عياض فى الشفا انه كانت فى قلنسوة خالد بن الوليد شعرات من شعره صلى الله عليه وسلم فسقطت فى قلنسوة فى بعض حروبه فشد عليها شدة انكر عليها اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم من كثرة من قتل فيها فقال لم افعلها بسبب القلنسوة بل لما تضمنته من شعره صلى الله وسلم لثلا اسلب بركتها وتقع ابدى المشركين۔ (ترجمہ) مکمل روایت کی فی اسدالغابہ و فتوح الشام و حاکم وغیرہم و عبارت شفا قاضی عیاض کا یوں ہے۔ کہ خالد بن ولید کی ٹوپی میں چند موئے مبارک رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے کہ جنگ یرموق میں حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ ٹوپی گم ہو گئی۔ اور وہ عین اس وقت جبکہ میدان کارزار گرم ہو رہا تھا۔ اپنی ٹوپی ڈھونڈنے میں مشغول ہو گئے۔ لوگوں نے ایسے حال میں جبکہ مسلمانوں کی موت و حیات کا سوال درپیش تھا حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اس ٹوپی کی تلاش میں لگ جانے کو ناپسند کیا۔ لیکن وہ اسی ٹوپی کی تلاش میں لگے رہے۔ بالاخر ان کو ٹوپی مل گئی۔ تو انہوں نے اپنے آپ کو مطمئن پا کر بیان کیا کہ میری اس ٹوپی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کے بال ہیں جو کہ آپ ایک دفعہ عمرہ بجالانے کو تشریف لے گئے تھے اور سر مبارک کے بال اتروائے تھے اس وقت ہم سے ہر ایک شخص بال لینے کی

کوشش کر رہا تھا۔ اور ایک دوسرے پر گرا پڑا تھا۔ تو میں نے بڑھ کر پیشانی مبارک کے بال حاصل کر لیے۔ اور اس ٹوپی میں سی رکھے ہیں میں اس ٹوپی کو اس لیے ڈھونڈ رہا تھا کہ یہ ٹوپی جس جنگ میں میرے سر پر ہوتی رہی ہے میں اس جنگ میں ضرور فتح یاب ہوتا رہا ہوں۔ اسی طرح بھتیگی نے بھی نقل کیا ہے۔ پس اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر موئے مبارک ذریعہ حصول مقاصد کا نہ ہوتے۔ تو خالد بن ولید ان کو لڑائیوں میں اپنی ٹوپی میں نہ رکھتے۔ ہر گاہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرت کے موئے مبارک کی عظمت کرتے تھے اور اپنے مقاصد دینی و دنیوی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور اگر موئے مبارک کا رکھنا باعث خیر و برکت اور ذریعہ برآئے حاجات دینی و دنیوی کا نہ ہوتے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اصحابیوں میں تقسیم نہ فرماتے اور نہ وہ لوگ حضور کے بالوں مبارکوں کو اس کوشش سے حاصل کرتے اور نہ اپنے ساتھ قبروں میں دفن کرنے کی وصیت فرماتے۔ ان حضرات کو باوجود صحابی ہونے کے بھی اگر ایسی چیزوں سے برکت حاصل کرنے کی حاجت تھی تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ ہر گاہ جب اس کثرت سے موئے مبارک لوگوں کے پاس تھے۔ تو کیا عجب ہے کہ کچھ ان میں سے یکے بعد دیگرے زمانہ سلطنت اسلام کے ساتھ ہندوستان میں لوگوں کو بھی پہنچے ہوں۔ جو بعض مقامات پر دیکھے گئے ہیں پس اگر کوئی شخص کوئی روز معین کر کے ان کی زیارت کرائے اور ہر مسلمان جس کو اپنے پیغمبر علیہ السلام سے محبت ہے چاہے کہ اس کی زیارت کرے تاکہ اس کو خیر و برکت حاصل ہو تو موجب ثواب ہے۔ جن

لوگوں کا دل ایسی مقدس چیزوں کے دیکھنے کو نہیں چاہتا وہ اپنی طبعی نفرت کو چھپانے کے واسطے انواع و اقسام کے حیلے پیش کیا کرتے ہیں اور اس حدیث کا مصداق ہوتے ہیں۔ جو ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اپنا ایک بال مبارک ہاتھ میں لئے فرما رہے ہیں کہ جس نے میرے ایک بال کی بھی بے ادبی کی اس پر جنت حرام ہے۔

سند المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب مسمی بہ در النعمین فی مبشرات النبی الامین کی پندرہویں حدیث کے ضمن میں سرکار دو جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کے بالوں کا یوں ذکر فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد بزرگوار حضرت شیخ محدث شاہ عبدالرحیم دہلوی قدس سرہ العزیز نے بیان فرمایا کہ میں ایک وقت بیمار ہوا تو سرکار دو جہاں سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو آپ نے میرا حال دریافت فرمایا اور صحت و تندرستی کی بشارت فرمائی اور مجھ سے وضو کے لئے پانی طلب فرمایا پھر بعد وضو سے فراغت فرمانے کے ریش مبارک میں کنگھی فرمائی اور کنگھی سے ریش مبارک کے نکلے ہوئے دو بال مجھے عنایت فرمائے پھر جب میں نیند سے بیدار ہوا تو بالکل تندرست تھا اور وہ دونوں بال مبارک میرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے چنانچہ ایک والد بزرگوار نے مجھے مرحمت فرمایا جو اب تک میرے پاس موجود ہے اور ایک اپنے پاس بطور تبرک رکھا۔

سبحان اللہ وہ کونسا وجود تھا جو آنکھوں میں بغیر بوجھ کے آئے اور وجود

مقدس کے ساتھ آنے کا ثبوت اپنے بال مبارک دے جائے۔ اس مقام کو کوئی نااہل کیا سمجھے اس حقیقت سے آگاہی اہل اللہ اور عاشقان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی رکھتے ہیں۔ جن نااہلوں کو تبرکات و آثار اور منتسبات کا دیکھنا ہی بار ہو وہ ذات مظہر نبی الانبیاء کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جب کسی کو کسی شخص سے محبت ہوتی ہے تو وہ اس کے آثار و منتسبات سے بھی محبت رکھتا ہے اور جو شخص کسی کے آثار و منتسبات سے محبت نہ رکھے تو یہ اس شخص سے عدم محبت کی دلیل ہے جس کے وہ آثار ہیں۔ اور توسل اور تبرک بہ آثار انبیاء و صالحین دین کا شعار قدیم اور کتاب و سنت سے ثابت ہے اور ان کو نظر عظمت و تقدیس سے نہ دیکھنا یا ان کی تحقیر کرنا موجب نزول قہر الہی ہوتا ہے۔ تمام مومنوں کو نفس پرستی چھوڑ کر عقیدہ حقہ پر کار بند ہو جانا چاہئے اور یہ جو شرک کی مشینیں ہر نیک کام پر شرک کے فائر کرتی رہتی ہیں ان کا شرک ان ہی کو لوٹا کر انہی اعمال صالح کا عامل بننا چاہئے جن پر متقدمین رحمہم اللہ گزر گئے ہیں۔

نقطہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مسئلہ میلاد النبی علیہ السلام

مثل مشہور ہے۔ نیت بدراہمانہ بسیار۔ جس کام کو برا کہنے اور کہلانے کی غرض ہو۔ اس کے لئے بعض لوگ ہیر پھیر کر کے اپنا مطلب پورا کر لیا کرتے ہیں۔ اور دوسرے پر اعتراض کی کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکال لیتے ہیں۔ یہی وطیرہ مولوی ملتانی صاحب نے بھی کتاب مراسم المرتحلین میں مسئلہ میلاد النبی علیہ الصلوٰات والسلام کے متعلق اختیار کیا ہے یعنی غور کیا جائے تو بظاہر میلاد النبی علیہ السلام کا مردوں کے مسائل سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اور مولوی صاحب کا مقصود اس کو بھی اسی کتاب میں حرام کہنے کا ضرور تھا۔ لہذا اس پر حرمت کا فتوے دینے کے لیے ایک لایعنی سوال پیدا کر کے اور اس کا جواب لکھ کر اپنے عقیدہ میں اس مسئلہ پر بھی جوش دکھائی دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

سوال :- اگر چالیسویں وغیرہ پر مولود شریف کرا دیا جائے۔ تو کیا حرج ہے۔ پھر جواب دیتے ہیں۔ اگر مولود شریف سے مراد یہ روایتی مولود ہے جس میں سرلی آوازوں سے گانا اور گانے والوں کا اکثر و بیشتر حصہ بے نماز مخالف شرع ہونا اور موضوع و منکر روایتوں کا بیان کرنا اور پھر درمیان میں کھڑا ہو جانا فضول روشنی و اسراف وغیرہ ہوتا ہے تو شرعاً ایسا مولود ناجائز و بدعت ہوتا ہے ص ۱۰۸

پھر جو حوالہ جات دیئے ان میں صحیح طور پر مولود شریف کرنے اور کرانے

والوں کی تخصیص کے بغیر اپنے مشرب اور عقیدہ کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے جن سے پتہ چلتا ہے۔ کہ مولوی صاحب نہ روایتی مولود کے قائل ہیں نہ اصلی کے محض مغالطہ وہی ہے پہلے کے لیے دو سطروں میں یہ لکھ دیا ہے۔ کہ اگر مولود شریف سے مراد تذکرہ ولادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حالات و سیرت مبارکہ بیان کرنا مراد ہے۔ تو وہ ہر وقت مطلوب و مقصود مومن ہے۔ اور اس کی تشریح نہ کرتے ہوئے ایسی چپ سادھ گئے۔ کہ جواز کا ایک لفظ بھی نہیں لکھ سکے۔ ہاں اگر لکھا ہے۔ تو یہ کہ اس میلاد کو باطل پرستوں نے ایجاد کیا۔ اور خواہشات نفسانی کے باعث پیڑوں نے رواج دیا شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ بلکہ وہ بدعت اور برا طریقہ ہے محفل میلاد نہ منعقد کی جائے۔ کہ یہ محدث ہے۔ اور ہر محدث گمراہی اور ہر گمراہی آگ میں ڈالی جائے گی۔ ایک جگہ شامی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ بدترین کام مولود پڑھنے کی نذر ماننا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس پر طرہ یہ کہ لگے ہاتھوں محفل میلاد میں قیام کرنے کے مسئلہ پر بھی کچھ اچھالنے سے باز نہیں رہے۔ اور تحفۃ القضاۃ کا حوالہ دے کر یہ الفاظ سپرد قلم کر گئے ہیں۔

”کہ ان کا یہ گمان باطل ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ شرک ہے۔“

ان عبارات سے مولوی صاحب کا اندرونی حال اور مخفی عقیدہ ظاہر ہو گیا ہے کہ جب وہ ایسے عمل کے متعلق عقیدہ رکھنا بھی شرک سمجھتے ہیں۔ اور مولود شریف پڑھنے کی نذر ماننا بدترین کام جانتے ہیں۔ تو بتائیے مولود شریف کا وہ کونسا پہلو ہے۔ جس کو اس عبارت کے لحاظ اور مولوی صاحب کی منطق کی

رو سے مستثنیٰ سمجھا جائے۔ حقیقت حال یہ ہے۔ کہ ان کے نزدیک رواجی ہو یا اصلی جس مجلس پر مجلس میلاد کا نام آ جائے گا۔ وہ ناجائز و بدعت ہوگی۔ تو بتائیے یہ اصلی میلاد کس جانور کا نام ہے۔ اور اگر مولوی صاحب کے زعم میں اصلی میلاد تذکرہ ولادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سیرت مبارکہ کے حالات ہیں۔ تو جب بھی جس مجلس میں یہ حالات پیش کئے جاویں گے۔ وہی محفل میلاد ہو جائے گی۔ یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔ کہ مسلمانوں کے طریق کار پر عمل نہ کرتے ہوئے اپنے تعصب میں مولوی صاحب چراغان اور عطریات و پھولوں کا انتظام اور شیرینی وغیرہ کا اہتمام نہ کریں۔ اور یہ سمجھ لیں کہ میں محفل میلاد میں شامل نہیں ہوں۔ ورنہ فعل وہی ہے تو یہ وہی مثل ہوگی۔ جیسے کوئی کہے کہ یہ دھوپ نہیں بلکہ سورج کی روشنی ہے افسوس کہ یہ اتباع سنت کے مدعی اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے۔ کہ ایک شخص نے ادائیگی نماز کی سنت عام لباس کے ساتھ فرش زمین پر ادا کر لی ہے تو بھی وہی بات ہے اور اگر ایک نے عمدہ لباس کے ساتھ جائے نماز بچھا کر ادا کر لی تو بھی وہی مگر دوسرے نے اس اہتمام کے ساتھ کرنے میں کون سا گناہ کیا ہے۔ جو وہ مور و عتاب ہو رہا ہے۔ آپ تذکرہ ولادت سرکار رسالت مابہ اپنی خشک طبعی کے ماتحت بغیر اہتمام کے کریں۔ تو بھی وہ محفل میلاد مبارک ہی ہوگی۔ اور اگر ایک شخص نے اپنے عشق کے ماتحت مجلس کو اور مسجد کو معطر کر کے کیا۔ تو بھی محفل میلاد مبارک۔ اس میں بدعت اور حرام ہونا کہاں سے آگیا اور کیا صرف خلوص و عشق کے باعث کرنے سے اس کو شرک کہا جائے گا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ معلوم ہوتا ہے کہ دین کا کوئی

کام عشق و محبت میں اہتمام کے ساتھ کرنا مولوی صاحب کے نزدیک بدعت ہے۔ ورنہ اور کوئی بات نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک بھی مولود اصلی تو جائز ہے ہی۔ خواہ اس کا عملی وجود کوئی نہ ہو۔ اور محض لوگوں کو اپنی خدا پرستی کا چکر دے کر اور محبت نبی علیہ السلام جتا کر اعتبار جمایا گیا ہو۔ اس لئے کہ اصلی میلاد یہ نہ کریں اور رواجی کے قائل نہیں کہ بدعت ہے۔ اگر یہی بدعت مزعومہ ہے۔ تو لیجئے۔ متقدمین اسلام کی محبت پر ایک منصفانہ نظر ڈالئے۔ آپ کا مغالطہ رفع ہو جائے گا۔ کہ انہوں نے اپنے عمل سے کیونکر اسے جائز مستحسن اور ثواب دارین بیان فرمایا ہے۔ ہاں اگر آپ کی کنج نگاہی اسی امر کی مقتضی ہے۔ کہ وہ بھی نعوذ باللہ بدعتی تھے۔ تو آپ کے اس اسلام کو ہمارا دور ہی سے سلام ہے۔ جو محبت و عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسائل کو بدعت اور اختیار کرنے والوں کو مبتدع قرار دے۔ شعر

عجب دیوانگی چھائی ہے عقل اہل دنیا پر
جو دانائے جہاں ہو اس کو یہ دیوانہ کہتے ہیں

لیجئے مسئلہ میلاد النبی علیہ السلام اور مسئلہ قیام فی المجالس سنئے اور خدائے واحد توفیق عطا فرمائے۔ تو عمل بھی کیجئے۔ ورنہ بندگان خدا کو حق سے نہ پھیریے۔

رب العزت جل جلالہ نے فرمایا ہے۔ واذکر نعمتہ اللہ علیکم یعنی اللہ کریم کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اور ظاہر ہے۔ کہ مولا کریم کی تمام نعمتوں سے بڑھ چڑھ کر اگر کوئی نعمت از روئے ایمان و دیانت اور تقویٰ ہو سکتی ہے۔ تو

وہ صاحب لولاک سیاح ہفت افلاک نبی پاک علیہ الصلوٰات والتسبیحات کی ذات مظہر ہی ہے۔ کیونکہ انسان کو بیشمار انعامات فرما کر اللہ کریم نے کسی نعمت کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ میں نے یہ نعمت انعام کرنے سے تم پر کچھ احسان فرمایا ہے۔ بلکہ صرف ذات نبی مکرم اور حضور کی نبوت ہی وہ انعام ہے۔ جس پر ارشاد ہوتا ہے۔ لَقَدْ مِّنَ اللّٰهِ عَلٰی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا بَعَثْتُ فِیْہِم مَّرْسُوْلًا مِّنْ اِنْفُسِہِمْ لَّعَلَّ اللّٰہُ تَعَالٰی لَی مَوْمِنُوْنَ پَر احسان فرمایا کہ ان کا رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اس آیت کا ترجمہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ ہر آئینہ نعمت فراواں داد خدا بر مومنوں آں گاہ کہ فرستاد در میان ایشان پیغامبرے از قوم ایشان۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تستوی علیہ الرحمۃ ایک دوسری آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اِنْ تَعَدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تَحْصُوْہَا لَعَلَّی اِگر شمار کرو تم اللہ کی نعمتوں کو نہ گن سکو۔ اس سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ آپ ہی وہ نعمت عظمیٰ ہیں۔ جس کے منافع و فوائد حاصل شدہ بے شمار ہیں۔ اس لیے کہ آپ رحمت للعالمین ہیں اور زمین و آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ ہے۔ سب کچھ حضور ہی کی طفیل وجود میں آیا ہے۔ تو پھر اس کی شمار کس طرح ہو۔ حضرت سدی علیہ الرحمۃ تفسیر آیت کریمہ۔ بِعَرْفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ نَنْکُرْ دُنْہَا میں فرماتے ہیں۔ کہ نعمت اللہ حضور علیہ السلام ہیں۔ جن کو نبی جانتے ہوئے معجزات باہرہ دیکھ کر کفار انکار کرتے ہیں۔ پھر سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ الَّذِیْنَ بَدَلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا کَا مَطْلَبِیْہِہٖ۔ قَالَ ہُمْ

واللہ کفار قریش و محمد نعمة اللہ تعالیٰ یعنی اللہ کی قسم وہ لوگ نعمت اللہ سے ناشکری کرنے والے کفارہ قریش ہیں۔ اور نعمت اللہ کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہو گیا۔ کہ حضور علیہ السلام نعمت اللہ اور سب سے بڑی نعمت اللہ ہیں۔ تو پھر قرآن کریم کے ارشاد کے ماتحت آپ کا ذکر کرنا مومنوں کے لئے واجب و لازم ہو گیا۔ اب رہی یہ بات کہ یہ ذکر کیوں کر کیا جائے۔ اور موجودہ زمانہ میں جو ذکر حضور علیہ السلام کا طریقہ مروج ہے۔ وہ بقول معترضین بدعت کیوں ہوا۔ جب کہ متقدمین اسلام علیہ الرحمۃ والرضوان سے اس ذکر کرنے کی مختلف صورتیں نظر آتی ہیں۔ مثلاً "سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ہند بن ابی ہالہ سے حضور علیہ السلام کے حلیہ شریف کے متعلق سوال کیا۔ کیونکہ وکان وصفا عن حلیتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی وہ بہت وصف کیا کرتے تھے۔ وانا اشتہی ان یصف ہی شینا ا تعلق بہ اور میں چاہتا تھا کہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصف سنائیں اور میں اس سے دل لگاؤں پس ہند ابن ابی ہالہ نے وصف بیان کیا۔ یہ ایک طویل حدیث شاکل میں مذکور ہے۔ اسی طرح ابو عبیدہ نے مسامۃ ریح صحابیہ سے حضور کا وصف سنا اور ابو اسحق رحمۃ اللہ علیہ جو ایک جلیل القدر تابعی ہیں۔ اور صحابیات سے وصف رسول اللہ سنتے ہیں۔ اور وہ بڑے ذوق اور عشق سے بیان فرماتی ہیں۔ یہ تذکرہ میلاد کی ایک صورت ہے۔ کہ ایک شخص نے ایک سے سنا۔ اور انفرادی طور پر وصف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا گیا اب دوسری صورت ملاحظہ ہو کہ حضور علیہ السلام جب غزوہ

تبوک سے واپس تشریف لائے۔ تو پہلے مسجد میں اجلاس عام فرمایا۔ جیسا کہ کعب ابن مالک نے صحیح میں روایت کی ہے۔ پھر حضرت عباس ابن عبدالمطلب نے وصف کی اجازت چاہی تو آپ نے دعائے خیر فرما کر ان کو اجازت بخشی اور انہوں نے یہ اشعار پڑھے:-

من قبلها طبت في الظلال وفي مستودع حيث يخصف الورق
ثم هبطت البلاد لا بشر انت ولا مضغته ولا علق
بل نطفته تركب السفين وقد العجم نسرا واهله الغرق
تنفل من صلب الى رحم اذا مصنى عالم بله اطبق
وردت نار الخليل مكنما في صلبه انت كيف بهتوق
حتى احتوى بيتك المهيمن من خندق عليها تحتها النطق
ذانت لما ولدت اشرفت الارض وضانت نبورك الافق
فمن في ذالك الضياء وفي النور وسيل الرشاد تختوق

(ترجمہ) یعنی آپ قبل ولادت شریف صلب آدم علیہ السلام میں ایک عمدہ حالت میں تھے۔ جہاں پیوند لگائے جاتے تھے۔ یعنی جنت میں پھر آپ زمین پر اترے۔ نہ اس وقت آپ بشر تھے نہ گوشت کا ٹکڑا اور نہ خون جما ہوا۔ بلکہ صلب سام بن نوح میں آپ ایک نطفہ تھے سوار کشتی میں۔ اس حال میں آپ نے بت نسر کو ڈبویا۔ اور اس کے پوجنے والوں کو طوفان میں غرق کیا۔ آپ منتقل ہوتے رہے ایک پشت سے ایک رحم میں حتیٰ کہ ایک عالم گزرنے کے بعد دوسرا طریقہ ظاہر ہوا اور آپ صلب خلیل میں چھپے

ہوئے آتش میں داخل ہوئے۔ پھر وہ کس طرح چلتے۔ پھر آپ اصلاب کریمہ میں منتقل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا بلند نسب اولاد خندف اشرف نسب میں شامل ہوا۔ کہ بیچ اس کے اور طبقات بھی تھے اور جب آپ دنیا پر تشریف لائے یعنی پیدا ہوئے تو آپ کے نور سے زمین چمک گئی اور اطراف شام روشن ہو گئے۔ اور اب ہم اسی روشنی اور نور میں ہدایت کے رستوں پر چل رہے ہیں۔ یہ دوسری صورت مجمع عام میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذکر میلاد کرنے کی ہے۔ اور اس میں کسی اور وعظ کا کوئی موقع و محل نہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ایک مجلس میں تذکرہ ولادت حضور علیہ السلام جداگانہ اور بالوضاحت جائز اور فعل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہے۔ تیسری صورت خود نبی مکرم نضر اولاد آدم صاحب خیر الامم صلی اللہ وسلم کا عام مسلمانوں کے سامنے اہل مقدس ولادت اور نبوت اور زندگی کے ہر پہلو کو بیان فرمانا ہے جو کتب احادیث سے بعد ثواب ثابت ہے۔ جس سے معترضین کی صریح تردید ہوتی ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ میلاد النبی کے ذکر پاک کی تینوں صورتیں ہمارے عقیدہ حقہ اہل سنت والجماعت کی تائید میں ہیں۔ پھر بھی معترضین کا یہ کہنا کہ یہ متقدمین سلف صالحین صحابہ و تابعین سے ثابت نہیں یا وہ گوئی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ موجودہ مجالس میں جو تذکرہ ولادت کا رواج ہے یہ اسی اصل کی ایک صورت ہے۔ مثلاً "پاک و مصفا مکان یا مسجد میں انعقاد مجلس کرنا علماء و صلحاء و قراء و حفاظ قرآن کو اس مجلس میں دعوت دینا۔ عطر۔ پھول۔ لوبان۔ الاپچی وغیرہ سے مجلس کو مرکانا۔ گلہستے لگانا۔ قرآن کریم پڑھنا۔ درود شریف کی کثرت کرنا۔ اور

حضور علیہ السلام کا ذکر پاک حضورؐ کے نور کی پیدائش سے شروع کر کے مع حالات و واقعات حیات طیبہ سامعین کو نظم و نثر میں سنانا اور معجبین و عاشقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر زندگی گزارنے کی دعوت دینا۔ اور پھر حضور علیہ السلام پر بوقت اختتام ذکر مقدس سلام پڑھنا اور تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا۔ اور دعائے فاتحہ بالخیر مانگنا۔ اور شیرینی بعد ایصال ثواب روح پر فتوح محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تقسیم کرنا۔ اور اس سب کچھ کے کرنے میں حصول محبت رب العزت جل شانہ اور رسول کریم علیہ السلام کی غرض رکھنا۔ کس طرح متقدمین اسلام کے خلاف ہو سکتا ہے۔ جب حرمین شریفین اور تمام ممالک اسلامیہ میں اسی طریق میں میلاد النبی کی محافل ہوتی ہیں اور تمام دنیائے اسلام کے علمائے کالمین اور فضلاء صالحین عرب و عجم مصر و اندلس۔ روم و شام۔ ہندو سندھ کا اسی ہیئت کذائیہ پر اتفاق و اجماع ہے جس کا ماننا اربعہ اولہ میں فرض ہے۔ اس پر بھی معترضین کی یہ نکتہ چیںیاں اور کفر فشانیاں موجب تعجب ہیں۔ کہ اگر ذکر الہی اور ذکر رسول الہی ان کے نزدیک بدعت و حرام ہے۔ اور کرنے والے مبتدع۔ فاسق۔ فاجر اور مشرک ہیں۔ تو یہ لوگ کس اسلام کو لئے پھرتے ہیں۔ اور اس ذکر کے سوا ان کی زندگیوں کی غرض و غایت کیا ہے۔ مولا کریم ان کو ہدایت فرمائے۔ اور توفیق بخشے کہ یہ ذکر خدا جل شانہ اور ذکر محبوب خدا علیہ السلام کو اپنی حیات مستعار کا نصب العین اور شعار سمجھ سکیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ثبوت میلاد النبی میں کچھ دلائل ذکر کر کے معترض کے جوش عقیدت کو ٹھنڈا کر دیا جائے۔ ممکن ہے حق کو حق دیکھ کر اپنا عاقبت کا

رستہ صاف کر لیں۔ مگر مسئلہ میلاد النبی علیہ السلام کے دلائل کو پیش کرنے سے قبل یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولوی صاحب کی اس تاریخ دانی کا بھی جواب عرض کر دیا جائے۔ جو انہوں نے ابتدائے میلاد شریف کے متعلق اپنی کتاب میں ظاہر فرمائی ہے۔ اور وہ بزرگوں پر ناجائز فتویٰ دے دیا ہے ص ۱۰۸ پر لکھا ہے۔

”کہ اس کو ابوسعید ابن الحسن علی ہکستہن لقب بہ عمر بن محمد نے ایجاد کیا۔ اور اس کو ملک ابن المطفوف بن زین الدین گورنر اربل متصل موصل نے رواج دیا۔ اور یہ دونوں فاسق اور بدعتی تھے (قرۃ العیون)“ اس حوالہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ مولود شریف کرنے کے متعلق مولوی سنبھلی ملتانی صاحب کا عقیدہ کیا ہے۔ اور کرنے کرانے والوں کو کن الفاظ میں یاد کرتے ہیں بلکہ ان کی اس دورگی پر افسوس سے کہنا پڑے گا۔ شعر

عجب پردہ ہے کہ چلن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

اگر یہی تاریخی معلومات تھیں۔ تو اس علاقگی اور ہمہ دانی کے اظہار کی ضرورت کیا تھی۔ کہ دو نیک مردوں کے متعلق یوں زبان طعن کھول کر اپنی بھڑاس نکالی۔ ہاں اس تاریخ دانی سے قبل آپ کی حقیقت علیت تو آشکارا ہو ہی گئی تھی۔ اب حقیقت حنفیت بھی ظاہر ہو گئی۔ گویا اس پردہ میں میلاد کرنے والوں کو کوسنا اور اپنی تنگ دلی کا ثبوت دینا مقصود تھا۔ ورنہ حقیقت یہی دو انسان جن کو ابتدائے تذکرہ مولود لکھنے اور کرنے پر فاسق اور

بدعتی کہا گیا ہے۔ وہ آپ سے ہی نہیں بلکہ آپ جیسے بے شمار مذہبین بین
 ذالک سے اچھے اور دیندار تھے۔ اور یہاں یہ کہنے بغیر نہیں رہا جاتا۔ کہ اگر
 وہ بقول آپ کے فاسق اور بدعتی تھے۔ تو ان پر آپ جیسے لاکھوں موحد قربان
 ہوں جن کو تمام عمر میں سوائے اسلام دشمنی کے اور کچھ حاصل ہی نہیں
 ہوا۔ دیکھئے جن کو آپ نے گلا پھاڑ پھاڑ کر فاسق اور بدعتی کہا ہے۔ وہ
 متقدمین اسلام کی نظروں میں کیا تھے۔ علامہ زر قانی مواہب نے علامہ ابن
 کثیر کی تاریخ سے ملک ابوسعید بن المظفر کے متعلق نقل فرمایا ہے۔ کان
 شهما شعبا عا بطلا عاقلا عادلا محمودا السیرم۔ یعنی وہ بادشاہ تھا۔
 بہادر۔ جواں مرد۔ دلیر عقلمند منصف۔ اس کی عادت اور خصلت کی تعریف کی
 گئی ہے۔ اس بادشاہ کی دینداری کا یہ ثبوت ہے۔ کہ ذکر خدا اور ذکر رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں منعقد کیا کرتا اور ہر سال اس محفل میلاد
 پر مبلغ تین لاکھ اشرفی خرچ کر دیا کرتا تھا۔ اس کے زمانہ میں ایک عالم اجل
 ابوالخطاب بن وجیہ جو حضرت وجیہ کلبی صحابی کی نسل سے تھے۔ جن کے
 متعلق علامہ زر قانی نے لکھا۔ کہ وہ علم حدیث میں بڑا مبصر۔ پختہ کار۔ علم
 نحو۔ لغت و تاریخ عرب میں کامل اور تمام بلاد اسلامیہ کی سیر کئے ہوئے تھا۔
 ۶۰۳ھ ہجری میں وہ اربل میں وارد ہوا اور سلطان ابوسعید مظفر کی صحبت پا کر
 اس کے لئے صرف مولود شریف کے مسئلہ پر ایک کتاب تصنیف کی۔ جس کا
 نام کتاب التنویر فی مولد السواج المنیر رکھا۔ اور خود اس کے سامنے پڑھ
 کر مبلغ ایک ہزار اشرفی انعام میں پائی۔ بہت سی کتب معتبرہ میں ان دونوں
 حضرات کی تعریف و توصیف درج ہے مگر مکربین مولود محض اسی وجہ سے کہ

اس نے ابوسعید مظفر کے لئے مولود شریف کی کتاب لکھی۔ اور ابوسعید میلاد
 کرایا کرتا تھا۔ برا جانتے ہیں۔ اور برائی لکھتے ہیں۔ حالانکہ علامہ جلال الدین
 سیوطی نے فتویٰ الحسن المقصد میں لکھا ہے۔ احدثہ ملک عادل عالم
 وقصد بہ التقرب الی اللہ عزوجل و حضرت عندہ فیہ العلماء
 الصالحون من غیر نکیر یعنی عمل محفل مولود شریف کو ایک بادشاہ عادل
 عالم نے جاری کیا۔ اور اس میں اللہ عزوجل کی نزدیکی کا ارادہ کیا۔ اور اس
 میں علماء صالحین حاضر ہوئے اور کسی عالم اور صالح نے اس میں انکار نہیں
 کیا۔ مشائخ صوفیہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے۔ وکان بحضور عندہ فی
 المولد اعیان العلماء والصوفیہ یعنی اس کی محفل میلاد میں بڑے بڑے
 علماء عظام اور صوفیائے کرام حاضر ہوا کرتے تھے۔ کیا مولوی ملتانی سنبھلی
 صاحب عقل و شعور سے کام لینے کی زحمت گوارا فرمادیں گے۔ اور از روئے
 ایمان یہ بتائیں گے۔ کہ کیا یہ دونوں مومن واقعی فاسق و بدعتی تھے۔ اور اگر
 آپ کی دیانت فیصلہ کرنے سے قاصر ہو۔ تو اتنا ہی بتا دیجئے۔ کہ علامہ
 زر قانی۔ علامہ ابن کثیر۔ علامہ سیوطی۔ اور سبط ابن جوزی علیم الرحمتہ کی
 تحقیق صحیح ہے۔ یا یہ آپ کی تاریخ دانی۔ اور ابوسعید بن المظفر
 و ابوالخطاب بن وجیہ کے حالات بیان کرنے میں ان متقدمین عظام کو جھوٹا
 سمجھا جائے۔ یا آپ کی ذات شریف کو یہ بیباکی اور جسارت اہل اللہ کے حق
 میں اچھی نہیں۔ کیونکہ آج اپنے ہمنواؤں کے لئے تو باوجود بے راہ رو
 ہونے کے بھی کسی قسم کا فتویٰ قبول نہیں کیا جاتا۔ ہم حیران ہیں کہ متقدمین
 کے حق میں اس بے دردی سے یہ فتوے کس ایمانداری کے ماتحت دیئے

جاتے ہیں۔ اگر مولوی سنبھلی ملتانی صاحب میں رفق انصاف بھی باقی ہو۔ تو یقیناً ان مذکورہ بالا حضرات کی تحقیق کا اتباع کریں اور آئندہ کسی مومن کو بلا تحقیق مبتدع و فاسق کہنے کی دلیری سے کام نہ لیں۔ غضب خدا کا وہ حدیث بھی تعصب میں بھول گئے۔ کہ مرے ہوؤں کو برا نہ کہو۔ وہ اپنے اپنے ٹھکانے پہنچ چکے ہیں۔

مولوی صاحب آپ نے جن چند غیر معروف کتب کا حوالہ دے کر مولود شریف کا بزعم خود بدعت ہونا ثابت کیا ہے۔ ان سے ہی آپ کی متعصبانہ روش کا پتہ چل گیا ہے۔ (کیا مفتی اسی لیاقت کے ہی ہوتے ہیں۔ جن کو یہ بھی سمجھ نہ ہو۔ کہ غیر معروف کتب شاذہ پر فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ اور اگر دیا بھی جائے تو وہ قبولیت کی وقعت نہیں رکھتا۔ ہاں اپنے منہ اپنی تعریف کر کے رسالہ کی پشت پر خود بخود مفتی کہہ کر اپنے آپ کو چڑھا کر بیان کرنا ہی آپ کی زیرک و دانائی شاہد اور علم و فضل کا گواہ ہے سنتے۔

ثائے خود بخود گفتن نمے زہد ترا حافظ

کا مصداق اکساری سیکھے کسی زمانہ میں بھی کوئی مفتی ایسا نہیں ہوا۔ جس نے از خود اپنے آپ کو اپنی قلم سے مفتی لکھا ہو۔ مگر آپ ہیں۔ کہ اپنی خود پسندی میں زمانہ بھر سے مستی۔ خدا آپ کی اس خود پسندی کو عجز و اکساری اور کسر نفسی و بردباری سے تبدیل فرما کر آپ کو اس قابل بنا دے کہ آپ سے یہ لایعنی کلام اور جانبداری اوہام کی خود دور ہو جائے۔ وہ مسئلہ میلاد جس کو آپ نے بے حد زور لگا کر بدعت ثابت کرنا چاہا ہے۔ علمائے متقدمین و

بزرگان دین کے عقیدہ سے سنئے۔ دلائل تو قرآن کریم اور احادیث نبی رؤف و رحیم اور اقوال و افعال ائمہ مجتہدین دیگر بزرگان دین متین سے بیشمار ایسے ہیں۔ کہ اگر مفصل عرض کروں۔ تو ایک جداگانہ ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ مگر یہاں صرف ان چند حوالوں پر اکتفا کی جاتی ہے جو آپ کی تحقیق میں ان قریبی بزرگوں کے ہوں گے۔ جن سے آپ کو بھی براہ راست یا بذریعہ کتب شناسائی ہو گی۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ دنیا میں میلاد شریف کی محفلیں قائم کرنے والی جماعت مسلمانوں میں رہی ہے۔ اور اسی بدعت کا ارتکاب بڑے ذوق و شوق اور چنگی عقائد سے کرتی رہی ہے لیکن وہ بدعتی نہ تھی اور اگر باور نہ ہو۔ تو لیجئے۔

سب سے پہلے دیوبندی جماعت کے سرکردہ اور دیوبندیوں کے استاد مولانا مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر کی کی تحریر دیکھئے۔ کہ آپ مولود شریف کو اس وقت فرض کفایہ فرما رہے ہیں۔ چنانچہ کتاب انوار ساطعہ ص ۳۲۲ و ۳۲۳ میں فرماتے ہیں:-

”اس زمانہ میں جو ہر طرف پادریوں کا شور اور بازاروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کی مذمت کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف سے اور لوگ جو خدا ان کو ہدایت کرے پادریوں کی طرح کچھ ان سے زیادہ شور مچا رہے ہیں۔ ایسی محفل کا انعقاد ان شرائط کے ساتھ جو میں نے ذکر کی ہیں۔ اس وقت میں فرض کفایہ ہے۔ میں مسلمانوں بھائیوں کو بطور نصیحت کے کہتا ہوں کہ ایسی مجلس کے کرنے سے نہ رکھیں اور اقوال بے جا منکروں کی طرف جو تعصب سے کہتے ہیں۔ ہرگز التفات نہ کریں۔ بلفظہ“

اب فتویٰ دیجئے۔ کہ محفل میلاد کو فرض کفایہ کہنے والے آپ ہی کے گھر سے بدعتی نکل آئے جن کے نزدیک نہ مباح ہے نہ مستحب۔ نہ سنت نہ واجب بلکہ مولوی صاحب فرض کفایہ ہے فرض کفایہ۔ اور وہ بھی اس لئے کہ ان کو آپ جیسوں کی غیر حاضری اور محرومی کا خیال تھا۔ ورنہ شاید فرض میں ہی فرما دیجئے صرف فرض کفایہ کہہ کر آپ کو اور ہجو قسم کے دیوبندیوں کو گناہ سے بچا گئے ہیں۔ جو تعصب کی وجہ سے شامل مجالس ہونے والے نہ تھے۔

پھر مناجات النبوت ترجمہ مدارج النبوت حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ جلد دوم ص ۲۷ سطر ۱۵ میں ہے۔ بعض عالموں نے اس قول کے متفق ہونے پر دعویٰ کیا ہے۔ کہ ولادت شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارہویں تاریخ ربیع الاول کو واقع ہوئی۔ اور اہل مکہ کا عمل اسی پر ہے اور اسی شب میں مقام ولادت شریف کی زیارت کرتے ہیں۔ اور مولود شریف اور جو کچھ آداب اور اوصاف سے ہے۔ بارہویں شب کو پڑھتے ہیں۔ اور ولادت بارہویں روز دو شنبہ کو واقع ہوئی تھی۔

معجم البحار حضرت محمد طاہر محدث علیہ الرحمۃ ثلث اخیر ص ۵۵۰ میں ہے لانه شهر امرنا یا ظہار الجبور وفيہ کل عام بلطفہ یعنی ماہ ربیع الاول ایسا ہے کہ ہم حکم کئے گئے ہیں۔ اس بات کا کہ ہر سال خوشی و اکرام ظاہر کیا کریں یعنی مولود شریف سال بسال کیا کریں۔

ما ثبت بالسنتہ فی الامام والسنتہ حضرت شیخ عبدالحق محدث علیہ الرحمۃ ص ۷۹ سطر ۹ میں ہے۔ ولا ذال اہل الاسلام یختلفون بشہر

مولادہ صلی اللہ علیہ وسلم یعملون لولائم و تصدقون فی لیا لہہ بانواع الصدقات ویطہدون السرور یزیدون فی المبرات ویقننون لقراء مولدہ انکریم ویظہر علیہم من برکاتہ کل فضل عمیم و سماجر ب من خواصہ اندامان فی ذالک العام وبشری عاجل بنیل البغیہ والنعام فرحم اللہ امرنا تخذلیا لی شہر مولدہ المبارک اعیاد الیکون اشد علته علی من فی قلبہ مرض وعناد

(ترجمہ) اور اہل اسلام ہمیشہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے مہینہ میں محفل کرتے ہیں۔ اور کھانے کھلاتے ہیں۔ اور بڑی خوشیاں مناتے ہیں۔ اور اچھے اچھے نیک کاموں میں زیادتی پکڑتے ہیں۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مولود شریف پڑھتے ہیں۔ اور ان پر فضل عمیم سے ہر قسم کی برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور مولود شریف کی بحرب خاصیت یہ ہے۔ کہ اس سال بھر میں امان اور امن ہے اور حاجت روائی اور مطلب براری کی بڑی بشارت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے۔ جو مولد مبارک کے مہینہ کی راتوں کو عیدین بنائے تاکہ اس پر جس کے دل میں مرض عداوت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عناد ہے۔ سخت علت ہو۔ معلوم ہو گیا محفل میلاد کے منکروں پر یوں فتوے دیا گیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ تو مولود کی محفل قائم کرنے اور اس میں خرچ کرنے اور صدقات دینے کو معتقدین مومنین اور بزرگان دین کا فعل فرما رہے ہیں۔ اور یہ بھی کہ ہر فضل عمیم کی برکات ہوتی ہیں۔ اور مولود شریف کرانے والا تمام سال امن و امان میں رہنے کی خصوصیات پاتا ہے۔ اور اس کو ہر قسم کے حاجات و

تھی دستان قسمت راجہ سوداز رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں نشہ مے آرو سکنند را

مطالب میں پورا ہونے کی بشارتیں ہوتی ہیں۔ مگر مولوی سنبھلی ملتان صاحب
مرض عداوت و عناد میں کہے جاتے ہیں۔ کہ یہ گمراہی ہے۔ بدعت ہے۔ اور
بدترین کام مولود کی نذر ماننا ہے۔ فی قلوبہم مرض فزادہم اللہ مرضاً خود
اپنا دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں جل کر تحقیق حق سے منع
کرتا تھا۔ تو اپنے بزرگوں سے ہی سبق حاصل کرتے ان کے اعمال کو دیکھتے تو
ممکن تھا۔ آتش بغض سے نجات پا جاتے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب در شہین فی مبشرات النبی الامین ہی دیکھی ہوتی جس
میں بائیسویں حدیث میں وہ اپنے والد بزرگوار سے روایت فرماتے ہیں۔
كنت اضع في ايام المولد طعاما صلته بالنبي صلى الله عليه وسلم فلم
يفتح لي في سنته من السنن شئني اضع به طعاما فلم اجد الا حمصا
مقلبا فقسمته بين الناس قرايت صلي الله عليه وسلم و بين يديه هذه
الحمص مبتهجا بشاشا۔ (ترجمہ) یعنی میں ایام مولد شریف میں نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کی نیاز کا کھانا کیا کرتا تھا۔ ایک سال مجھے بھنے ہوئے چنوں کے
سوا کچھ بھی میسر نہ ہوا میں نے (حسب دستور) لوگوں میں وہی چنے تقسیم کر
دیئے۔ پھر میں حضور علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور میں نے
دیکھا کہ وہی چنے حضور کے سامنے رکھے ہیں۔ اور حضرت شاد مسرور ہیں
یعنی خوش ہو رہے ہیں۔۔۔۔۔ یہاں منکرین شان نبوی کا یہ حال ہے۔ کہ جو میلاد
کا تذکرہ کرے وہ بدعتی ہے۔ خواہ بڑے سے بڑا بزرگ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر
جج ہے۔

اذ افتتہ الا نام لعالی المولد والقیام ص ۸۲ میں حافظ امام ابن
جوزی کا فتویٰ پڑھئے کہ وہ ایسے عمل کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ لم یکن فی
ذالک الا ارغام الشیطان و ادغام اهل ایمان یعنی اس عمل مولود
شریف میں تذلیل شیطان اور تقویت اہل ایمان کے سوا اور کچھ نہیں۔ اب
بتائیے؟ اور اگر یہ حوالہ بھی تپ دروں کے لئے ناکافی ہے۔ تو فیوض الحرمین
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ص ۲۶ کو پڑھئے۔ جس میں بقول آپ کے
وہ اپنے ہی بدعتی ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ اور آپ جیسے مریض القلب
انسانوں کو فرماتے ہیں۔ کہ اپنی آنکھ کو حضور علیہ السلام کی طرف سے میلا نہ
کر۔ تیری نجات اخروی اور برکات دخی کے لئے محفل میلاد سے بہترین
ذریعہ اور کوئی نہیں۔ اور ساتھ ہی اپنا فعل پیش کرتے ہیں۔ کہ میں مکہ میں
محفل مولد میں شریک ہوا۔ تو مجھ پر برکات نازل ہوئیں۔ فرماتے ہیں۔ كنت
قبل ذالک بمکته المعظمتہ فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم
اولادہ و مشاہدہ قبل بعثتہ صلی اللہ علیہ وسلم بذکرون اوہا صبا تہ
انتی ظہرت لی ولادتہ و مشاہدہ قبل بعثتہ صلی اللہ علیہ وسلم
مراتب انوارا سطعت دفتہ واحدۃ لا اقول انی اد رکنتھا
ببصر الجسد ولا اقول بمر الروح فقط اللہ اعلم کیف کان الامرین
هذا و ذاک لنا ملت فلک الانوار لوجدتھا من قبل الملکتہ
الموکلین با مثال هذه المشاہدہ و امثال هذه المجالس و رايت بغالط

انوار المئکتہ بانوار الرحمتہ (ترجمہ) میں اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد مبارک میں تھا۔ میلاد شریف کے روز اور لوگ جمع تھے اور درود شریف پڑھ رہے تھے۔ اور بیان کر رہے تھے وہ معجزات جو ولادت کے وقت ظاہر ہوتے تھے۔ تو میں نے دیکھا کہ یکبارگی انوار ظاہر ہوئے میں نہیں کتا کہ ان آنکھوں سے دیکھے اور نہ کتا ہوں کہ روح کی آنکھوں سے دیکھے فقط خدا جانے کیا امر تھا۔ میں نے تامل کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نور ان ملائکہ کا ہے جو ایسی مجلسوں پر موکل ہیں۔ اور اسی مشاہدہ پر میں نے دیکھا کہ انوار ملائکہ اور انوار رحمت دونوں ملے ہوئے ہیں۔ کیوں صاحب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی بھی آپ کے نزدیک اسی بدعتی فتوے کے حق دار ہیں۔ جس کی نشر و اشاعت کا آپ نے ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ یا وہ موجودہ بدعتی خفیوں سے مستثنیٰ ہیں۔ فقیر کو ایک واقعہ یاد آگیا۔ ایک مرتبہ دوران وعظ جمعۃ المبارک میں فقیر نے یہ واقعہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا پیش کیا تو ایک صاحب خفی نما وہابی ابوالقاسم جو کسی انگریز کے دسترخوان پر ملازم تھے بول اٹھے کہ مولوی صاحب یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے اگر یہاں کا ہوتا۔ تو ہم مان لیتے۔ یہاں پر کوئی ایسا سلسلہ ہم نے نہیں دیکھا۔ میں نے کہا کہ یہ اور بھی مبارک قصہ ہے۔ آپ کے نزدیک محفل میلاد شرک و بدعت ہے۔ اور یہ واقعہ ہے۔ مکہ مکرمہ کا تو یوں سمجھ لیجئے۔

چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

اور اس پر طرہ یہ کہ جب آپ محفل میلاد میں شرکت کرنی ہی حرام خیال

فرماتے ہیں۔ تو بتائیے۔ آپ انوار ملائکہ اور انوار رحمت کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔ یہ جواب سن کر ٹادم سے ہو گئے اور پھر کبھی اس مسجد میں نہ آئے۔ یہ ہے۔ ان عاشقان اسلام کا نام نہاد جذبہ عشق کہ حق کو قبول کرنے کی بجائے مسجد ہی چھوڑ گئے.....

بحوالہ اخیر از اقتہ الامام لما لانی عمل المولد والقیام در منظم علامہ دہر علامہ طفریک میں ہے۔ قد عمل المجنون النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرجا بمولده الولائم فمن ذالک ما عملہ بالقاهرة من ولائہ الکبار الشیخ ابوالحسن المعروف ابن فضل قدس سرہ شیخ شیعنا ابی عبد اللہ محمد بن نعمان و عمل ذالک قبلہ جمال الدین عجمی الہمدانی و ممن عمل ذالک علی قدر وسعہ یوسف الحجاز بمصرو قدری النبی صلی اللہ علیہ وسلم و هو یحاص یوسف المذکور علی عمل ذالک یعنی میلاد مبارک کی خوشی میں مہمان رساتماہ علیہ الصلوٰات والسلام نے ولیمے کئے کھانے کھائے۔ پس قاہرہ کے بہترین کھانوں میں اور ولیموں سے وہ ولیمہ ہے جو ہمارے استاد ابو عبد اللہ محمد بن نعمان کے استاد شیخ ابوالحسن معروف ابن فضل قدس سرہ نے کیا۔ اور ان سے قبل جمال الدین ہمدانی نے کیا۔ اور یوسف حجاز نے مصر میں بقدر وسعت ترتیب دیا۔ اور سرکار انبیاء محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خواب میں تشریف لا کر انہیں اس عمل مبارک پر ترغیب و تحریص فرمائی۔ ہم مصنف مواعظ المسلمین سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا بدعتی اسی طرح کے ہوا کرتے ہیں۔ جن کے ایک ایک فعل کو دربار رسالت کی قبولیت حاصل ہو۔ اور عالم رویا میں

سرکار دو عالم خود تشریف لا کر ان کو مبارک اعمال پر ترغیب و تحریص فرمائیں۔ درحقیقت آئینہ سے اپنا چہرہ ہی نظر آتا ہے۔

شرک ٹھیرے جس میں تعظیم حبیب

اس برے مذہب پہ لعنت کیجئے

مولد النبی حضرت ابن جرزی محدث شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہے۔ جس کی عربی طویل عبارت کا صرف ترجمہ بخوف طوالت ہم یہاں درج کرتے ہیں جسے اصلی متن کی ضرورت ہو۔ کتاب مذکورہ میں دیکھے یا ہم سے طلب کرے۔ آپ لکھتے ہیں ہمیشہ سے اہل حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً و تعظیماً اہل مصوبین و شام اور تمام ملک عرب مشرق سے مغرب تک مولود شریف کی مجلس کرتے ہیں۔ اور ماہ ربیع الاول کے آنے کی خوشیاں مناتے ہیں۔ اور عمدہ عمدہ فاخرہ لباس پہنتے اور قسم قسم کی نہتیں خوشبوؤں سے کرتے اور سرمہ لگاتے ہیں۔ خوشی کو مناتے ہوئے آتے ہیں۔ اور لوگوں کو جو کچھ ان کے پاس ہے بخشش کرتے ہیں۔ اور بڑے بڑے انتظام اور اہتمام مولود شریف کے سننے میں بجا لاتے ہیں۔ اور اس فعل سے اجر جزیل اور مراد عظیم حاصل کرتے ہیں۔ اور مولود شریف کا عمل مجرب ہے۔ جو ان دنوں میں کیا جاتا ہے۔ مال میں کثرت و برکت مع سلامتی اور عافیت کے اور کشادگی و فراخی رزق میں اور زیادتی مال و اولاد کی اور ہمیشہ امن و امان اس ملک یا شہر میں رہتا ہے۔ اور مولود شریف کی برکت سے گھروں میں سکون اور قرار ہوتا ہے۔ بلفظ ترجمہ مواہب اللدینہ جلد اول ص ۲۷ سطر ۱۹

مطبوعہ مصری سے اس عمل خیر کی اور بھی وضاحت ہو جاتی ہے۔ ومما جرب من خواصہ انہ امان فی ذالک العام وبشری عاجلہ بنیل البغیتہ والمرام فرحم اللہ امراتہ اتخذ لیالی شہر مولدہ اطباء ک اعیاد الیکون اشد علته علی من فی قلبہ مرضی وعناداً بلفظہ (ترجمہ) مولود شریف کے کرنے میں تجربہ کیا گیا ہے۔ کہ کرنے والے کے لئے اس سال (جس میں مولود کرائے) ان کے گھر میں امن رہتا ہے۔ اور دنیا کی تمام مرادیں۔ مطلب اور حاجتیں حاصل ہونے کی خوشی ہے۔ پس اللہ کریم ان پر رحم فرمائے جو مولود شریف کے مہینہ کی راتوں کو عیدیں بناتے ہیں۔ تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و بغض کی بیماری ہے۔ ان کے لئے شدت کی بیماری ہو۔

ان حوالہ جات سے بھی معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ محفل میلاد شریف کرانے کی کیا کچھ برکتیں ہیں۔ اور کیا کیا فضائل اس میں پائے جاتے ہیں۔ جب متقدمین و متاخرین جمیع علماء کرام کے نزدیک یہ مجلس باعث رحمت و برکت ہے۔ تو پھر اس سے منع کرنا کسی دانائے راز اور رہنمائے ملت کا کام نہیں دوسرے آپ نے ایک بات جو ان لوگوں کے متعلق جو محفل میلاد میں اس لئے شامل تو ہوتے ہیں۔ کہ کچھ سنیں۔ کچھ سنا لیں۔ کچھ پڑھیں کچھ پڑھا لیں اور نعت خوانی یا میلاد خوانی کریں۔ مگر بے شرع اور بد عمل ہوں لکھا ہے۔ اور ایسی محفل یا یہ مولود رواجی بدعت و شرک کہا ہے۔ یہ ایک انوکھی منطق ہے۔ کہ فعل بد تو کریں بعض وہ لوگ جو شرک کے ارادے پر آتے ہیں۔ اور حرام ہو جائے مجلس میلاد پنجابی میں مثل مشہور ہے۔ کہ

جو کمیں پڑنے سے لحاف نہیں پھونک دیا کرتے۔ بلکہ جو کمیں جن کرنکال دیتے ہیں۔ اصلاح تو مقصود ہے۔ ان مسلمانوں کی جو اپنی بد عملی کو ساتھ لے کر ایسی محفل میں شریک ہو رہے ہیں تاکہ آئندہ کو وہ صحیح مومن بن جائیں۔ مگر یہاں آپ اپنے مخصوص استدلال کے ماتحت فرماتے ہیں۔ کہ ایسے لوگوں کے شامل ہونے سے مجلس بدعت ہو گئی ہے۔ لہذا مجلس کو چھوڑ دو اور آنے والے گمراہوں کو ہدایت نہ کرو۔ اور پہلی گمراہی میں رہنے دو۔ کیا بے معنی فلسفہ ہے۔ مولوی صاحب آپ کو یہ کہنا چاہئے تھا کہ ایسے لوگوں کو جو بے شرع ہو کر ایسی مقدس و پاکیزہ مجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شرکت کرتے ہیں ہدایت کی جائے کہ متشرع بنیں اور حضورؐ کے سچے غلام بن کر عوام میں میلاد خوانی اور نعت خوانی پڑھیں تاکہ اپنے سامعین کے لئے مومنین سابقین کا بہترین نمونہ ہوں۔ اور عوام کو ان کی متشرع صورتوں سے اتباع شریعت کا عشق پیدا ہو۔ مگر یہاں تو اونٹ رے اونٹ تیری کوئی کل سیدھی کا مصداق۔ کیا سے کیا کہے جاتے ہیں۔ بھلا کون نہیں جانتا کہ مبلغ خود پہلے سرکار مدینہ محبوب مگینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا غلام اور سچا متبع ہونا چاہئے اور ساتھ ہی ہائے محفل کو بھی دیندار۔ با اخلاص متقی محب رسول اللہ پابند شرع اور مال حلال کمانے والا۔ اور حلال طریق پر خرچ کرنے والا ہونا لازم ہے۔ مال جو محفل میلاد شریف پر خرچ کرنا ہو۔ اپنی ملکیت صحیحہ یا محنت مزدوری کی پاک تنخواہ کا۔ یا بطریق حلال تجارت کا کمایا ہوا۔ یا بیہ و میراث وغیرہ سے صحیح شرعی طریق پر پہنچا ہوا ہو۔ طعام و شیرینی و عطر گلاب وغیرہ میں تیاری یا خرید کے وقت پاکیزگی اور صرف جائز کا خاص خیال

ہو۔ فرش و فرش۔ برتن و ظروف وغیرہ سامان تجل وغیرہ میں کوئی امر خلاف شریعت نہ ہو۔ گانا بجانا خواہ وہ محض منہ اور ہاتھوں یا باجوں گانوں کے ساتھ ہو۔ اس سے قطعی مجلس کو پاک رکھا جائے۔ میلاد خوانی کی روایات جو سامعین کے سامنے پیش کی جائیں نہایت معتبرہ اور وہ ہوں۔ جن کو ثقات محدثین نے باب المعجزات و فضائل میں قبول کیا ہو۔ اشعار وہ پاکیزہ اور محبت خدا اور رسولؐ میں بھیکے ہوئے پڑھے جائیں۔ جن کے پڑھنے پر علماء ربانی اور مفتیان حقانی نے فتویٰ دیا ہو۔ دنیوی کلام اور بیہودہ انتظام سے پرہیز کر کے مجلس میں ایسا ادب سے بیٹھا جائے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محفلوں اور دربار رسالتؐ کا نقشہ جم جائے۔ پھر ان تمام امور کے بعد آداب و تسلیم و شان نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مد نظر ہو۔ درود سلام بکثرت پڑھا جائے غرضیکہ مجلس کی صفائی اور پاکیزگی کا جس قدر اہتمام کیا جائے گا۔ اور امور غیر شرع منہم سے جس قدر بچا جائے گا۔ اسی قدر رضا مندی حق سبحانہ تعالیٰ اور متوجہ ہونا روح پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف پایا جائے گا۔ اگر اس کی یہ محفل اور خدمت دین مقبول ہو گئی تو سمجھ لیجئے۔ کہ دین و دنیا کی بھلائیاں حصہ میں آ گئیں۔ اور اگر باوجود اس احتیاط و اہتمام کے بھی منکرین مجلس تذکرہ ولادت کو مردود باطل یا بدعت و شرک ہی کہتے جائیں اور کرنے والوں کو مشرک و مبتدع بتائیں۔ تو خداوند عالم ہی ان کو صراط مستقیم کی ہدایت کرے۔ کیونکہ اس سے آگے ان کا مطلب تبلیغ نہ ہو گا۔ بلکہ تعصب ہو گا۔ بحث کرنے اور مطلب کو زیادہ واضح کہنے کو تو اس قدر لکھا جاسکتا ہے۔ کہ ایک صحیح

کتاب تیار ہو جائے۔ مگر اس مختصر میں اس کی گنجائش نہ رکھتے ہوئے ہم چند دیوبندی علماء کی خط و کتابت کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ جو صاحب انوار صداقت نے اپنی تحقیق پر کتاب مذکورہ میں بحوالہ انوار ساطعہ درج فرمائے ہیں۔ خدا کرے۔ کہ ہمارے ان محبت محبوب خدا علیہ السلام کے نامحرموں کو وہی مشعل راہ بن جائیں۔ اور ان میں بھی عشق محمدیؐ اور محبت ایسی پیدا ہو جائے۔ لیجئے تمام دیوبندی حضرات کے پیرو مرشد حضرت مولانا حاجی شاہ امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ مہاجر کی صاحب کا وہ خط جو آپ نے بنام مولوی نذیر احمد صاحب رامپوری مدرس احمد آباد گجرات کو روانہ فرمایا۔ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:-

خط اول:- جواب ثالث کی تشریح یہ ہے۔ کہ فقیر مجلس شریف میلاد مبارک کا مع ہیئت کذا ایہ معمولہ علماء ثقافت صلحاء و مشائخ کرام بارہا اقرار کر چکا ہے۔ اور اکثر اس کا عامل ہے۔ جب کہ فقیر کی دیگر تحریرات و تقریرات سے یہ مضمون ظاہر ہے۔ فقیر کو اسی مجلس شریف کے باعث حسنات و برکات کے معتقد ہونے کے علاوہ یہ عین الیقین ہے۔ کہ اس مجلس مبارک میں فیوض و انوار و برکات و رحمت الہی کا نزول ہوتا ہے۔ بلفظہ انوار ساطعہ ص ۳۲۶ سطر ۵ (تاریخ خط ۷ رمضان ۱۳۰۷ھ)

خط دوم:- منجانب حضرت ممدوح الصدر بنام خلیل احمد صاحب انبیشوی و مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی درماہ ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ۔ از امداد اللہ عفی عنہ بخد مت عزیزم جی مولوی خلیل احمد صاحب انبیشوی و عزیز مولوی محمود حسن

صاحب دیوبندی سلمہما اللہ تعالیٰ

اسلام و علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہ تمام بلاد ممالک ہند مثلاً "بنگلہ و بہار و مدراس و دکن و گجرات و بمبئی و پنجاب و راجپوتانہ و رام پور و بہاول پور وغیرہ سے متواتر اخبار حیرت انگیز و حسرت خیز اس قدر آتی ہیں۔ کہ جن کو سن کر فقیر کی طبیعت نہایت ملول ہوتی ہے۔ اس کی علت یہی براہین قاطعہ و دیگر ایسی تحریرات ہیں۔ یہ آتش فتنہ انوار ساطعہ کی تردید سے مشتعل ہوئی کہ تمام عالم اس کی حمایت میں کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو کچھ ایسی مقبولیت عطا فرمائی ہے۔ کہ تمام ممالک کے علماء و مفتاحی نے ساری کتاب کو نہ دل سے پسند فرما کر اس پر اتفاق کیا ہے۔ دیکھو ہندوستان میں سینکڑوں مذاہب کفریہ و عقائد باطلہ مخالف دین و بیخ کن اسلام ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ اور کیسے کیسے الزام و اغراض و شبہات و شکوک مذہب اسلام پر وارد کرتے جاتے ہیں۔ ایسے وقت آپس کے مجادلہ کی جگہ اس کی تردید کرنی چاہیے اور قرآن شریف کی خوبیاں اور فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامد و مکارم اخلاق و محاسن اوصاف کو ہر مقام پر ہر شر و قریہ میں نہایت زور و شور سے مشترک کرنا چاہئے۔ اور ایسے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامد و اوصاف مکارم و اخلاق کو مشترک و اشاعت کرنے کے لئے ہر مقام میں مجلس مولود شریف کا چرچا بڑا عمدہ ذریعہ و مستحسن وسیلہ ہے بلفظہ انوار ساطعہ ص ۳۲۶۔

خط سوم:- از حضرت ممدوح الصدر بنام مولوی محمد عبدالسیح صاحب مصنف

انوار ساطعہ - مورخہ دہم رمضان ۱۳۰۷ھ

انوار ساطعہ کے اکثر مسائل میں فقیر دل سے متفق ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت التجا اور دعا کی۔ کہ اے اللہ اگر میں ان مسائل میں صراط مستقیم پر ہوں اور حق بجانب ہوں۔ تو اس کتاب کو مقبول علامے دیار و امصار و اہل اسلام کر۔ چنانچہ ظاہر ایسا ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قبول فرمایا۔ کہ تمام علماء حرمین شریفین و بلاد اسلام اس کے مسائل میں متفق ہیں۔ اور خود کتاب کو پسند کرتے ہیں۔

خط چہارم :-

از حضرت ممدوح بنام مولوی محمد عبدالمسیح صاحب مورخہ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ

میں خود مولود شریف پڑھواتا ہوں اور قیام کرتا ہوں اور ایک روز میرا یہ حال ہوا کہ بعد قیام سب بیٹھ گئے مگر میں بے خبر کھڑا رہ گیا۔ بعد دیر کے مجھ کو ہوش آیا۔ تب بیٹھا۔

ان مندرجہ بالا حوالہ جات میں ارشادات شاہ امداد اللہ مہاجر کی رحمتہ اللہ علیہ سے بالکل ظاہر و باہر ہو گیا ہے۔ کہ آپ کے ہی حقدمین اور مقتداؤں کے کیا عقائد مسئلہ میلاد شریف و قیام میں تھے۔ اب اگر آپ ان پر بھی بدعتی ہونے کا حکم صادر فرمادیں۔ تو پھر موجودہ خفیوں کو بھی آپ پر شکایت نہ ہوگی۔ کیونکہ آپ اپنے تعصب میں معذور سمجھے جائیں گے۔ خیال ہے کہ ایک خط شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ کا بنام علی محمد خاں رئیس مراد آباد

بھی اس مضمون کے ساتھ نقل کر کے پھر مسئلہ قیام پر بھی دیوبندی علماء کے ارشادات آپ کی رہنمائی کے لئے لکھ دوں۔ اور اگر ان پر بھی ایمان نہ آئے۔ تو پھر خداوند عزوجل سے ہدایت کی التجا کیجئے۔ جسے وہ ہدایت فرمادے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور جسے وہ گمراہ کرے اس کو ہدایت نہیں مل سکتی۔ شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ محدث دہلوی کے خط کی عبارت بالا اختصار یہ ہے۔

”در تمام سال دو مجلس درخانہ فقیر منعقد میشو اول کہ مردم روز عاشورہ یا یک دو روز پیش از اس قریب چار صد یا پانصد کس بلکہ قریب ہزار کس و زیادہ آں فراہم سے آئند و درود سے خوانند۔ بعد ازاں کہ فقیر سے آید سے نشینند و ذکر فضائل حسنین کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان سے آید۔ و آنچہ در احادیث و اخبار شہادت اس بزرگاں وارد شدہ نیز بیان کردہ سے شود۔ و بعد ازاں ختم قرآن و پنج آیت خوانند برماحضرت فاتحہ نمودہ سے آید پس اگر اس چیز ہائز و فقیر جائز نہ سے بود اقدام بر آں اصلاً نہ سے کرد۔“

باقی ماندہ مجلس مولود شریف پس حالش اس است کہ بتاریخ دوازہم شہور ربیع الاول ہمیں مردم کہ موافق معمول سابق فراہم شدند۔ و در خواندن درود شریف مشغول گشتند فقیر سے آید اولاً از احادیث فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مذکور سے شود۔ بعد ازاں ذکر ولادت باسعادت و نیز سے از حال رضاع و حلبہ شریف و بعضے از آثار کہ در اس آواں بظہور آئند بمعروض بیاں سے آید پس برماحضرت طہام یا شیرینی فاتحہ خوانند تقسیم آں بحاضریں مجلس سے شود۔

اس مذکورہ عبارت سے معلوم ہو گیا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب سال بھر میں دو مجلس ذکر و فکر کی کیا کرتے تھے ایک بموقعہ عاشورہ جس میں سینکڑوں آدمی شریک ہوتے۔ فضائل حسنین علیہما السلام پر وعظ ہوتا۔ شہادت کے واقعات بیان فرمائے جاتے۔ پھر کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھا جاتا۔ اور قرآن کریم کی پنج آیتوں پر خصوصیت سے پڑھا جاتا۔ دوسری محفل مولود شریف ماہ ربیع الاول میں بارہ تاریخ کو منعقد ہوا کرتی۔ لوگ آتے درود شریف پڑھتے وعظ و ذکر میلاد النبی علیہ السلام خود شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے پھر کھانا آتا جو سامنے رکھ کر ختم پڑھا جاتا اور حاضرین مجلس میں شیرینی تقسیم کی جاتی۔ کیا بقول مولوی ملتانی صاحب نعوذ باللہ یہ شاہ عبدالعزیز صاحب بھی بدعت ہی کرتے رہے ہیں حالانکہ ساتھ ہی وضاحت فرماتے ہیں۔ کہ ایک بدعت یوم عاشورہ میں۔ دوسری میلاد شریف بارہ ربیع الاول میں تیسری کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھنے میں۔ چوتھی تذکرہ میلاد شریف میں۔ پانچویں پھول پھلواری اور شیرینی تقسیم کرنے میں چھٹی لوگوں کو اس بدعت کی ادائیگی کے لئے جمع کرنے میں۔ اور پھر فیصلہ بھی فرما دیا۔ کہ اگر میرے نزدیک یہ فعل مجالس جائز نہ ہوتا۔ تو اس پر قطعاً اقدام نہ کیا جاتا۔ اب مولوی سنبھلی ملتانی صاحب بتائیں۔ کہ آپ کا کیا حال ہے اور یہ دہلوی خاندان تو آپ کے فتوے کی بنا پر نعوذ باللہ سارے کا سارا ہی بدعتی نکلا۔ کیا ان کو بدعتی سمجھیں یا آپ کی توحید پرستی پر شبہ کریں۔

اسی مسئلہ کے ضمن میں مواعظ المسلمین میں بحوالہ سرتاج اولیا ہندی قبلہ مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ بھی انکار کیا گیا ہے۔ اور لکھا گیا

ہے کہ حضرت مجدد صاحب رضی اللہ عنہ بھی اس فعل میلاد کو بدعت ہی سمجھتے تھے اور فرماتے کہ حضور علیہ السلام اس زمانہ میں موجود ہوتے تو اس مولود خوانی کو آپ ہرگز جائز نہ فرماتے۔ بلکہ انکار فرماتے کیا ہے مولوی صاحب کی تحقیق اور کیا ہے الزام تراشی لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ حالانکہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ تو اپنے مکتوبات کی جلد سوم کے مکتوب نمبر ۷۲ میں جس میں خاص میلاد شریف کے بارے میں سوال کیا گیا یوں فرماتے ہیں۔

”دیگر درباب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن و در قصائد نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف و تغیر حروف قرآن است و التزام رعایت مقامات نغمہ و تردید صوت باں طریق الحان یا تصفیق مناسب آں کہ در شعر نیز غیر مباح است اگر برنج خوانند کہ تحریف در کلمات قرآنی واقع نشود و در قصائد خواندن شرائط مذکورہ متحقق نگردد و آنرا ہم بغرض صحیح تجویز نمایند چہ مانع است“

لیجئے اب مجدد صاحب رضی اللہ عنہ کا بھی فتوے پڑھ کر اپنا قلب صاف فرمائیے کہ آپ نے میلاد شریف سے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ صاف اور صریح الفاظ میں اجازت محفل میلاد خوانی فرما رہے ہیں۔ اور اس بات کی محافظت فرماتے ہیں کہ مولود شریف کے پڑھنے میں حروف قرآنی کی تغیر و تبدیل نہ ہونے پائے۔ نہ سرس نکالیں نہ تالیاں بجائیں۔ اس سے معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ حضرت مجدد صاحب آپ کے ہم عقیدہ ہیں؟ یا ہمارے ہم خیال اور رہنما۔ کیا یہی وہ حقیقت مغالطہ دہی نہیں ہے۔ جس کو لوگوں کے سامنے

پیش کر کے اس غلط فہمی میں عوام کو مبتلا کرنا مقصود تھا۔ کہ لوگ مجھڑ صاحب جیسے بزرگ سے جب میلاد شریف کرانے کی نفی پائیں گے۔ تو بہت جلد اس کار خیر کو ترک کر دیں گے۔ اس صورت سے ہماری توحید پرستی کا چرچا ہو جائے گا۔ مگر افسوس کہ اس نام نہاد خوشی کی بیل بھی آپ کے لئے منڈھے نہ چڑھی۔ اور وہ تمام ٹھہلا میس و چالاکی خاک میں مل گئی۔ جو اختیار کی گئی تھی۔

قیام میلادی

جہاں اور مسئلہ میلاد کو بدعت و ناجائز فرمایا گیا ہے وہاں قیام کے مسئلہ کو بھی مصنف مراسم المرتحلین نے جواز کا فتویٰ نہیں دیا۔ بلکہ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۱۱ پر لکھا ہے کہ :

”تعطیمی قیام مکروہ ہے۔ اور بہت سے دعوائے محبت کرنے والوں کو بدعت ہو گئی ہے۔ کہ جب ولادت کا ذکر سنتے ہیں۔ تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ قیام بدعت ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔“
پھر صفحہ ۱۱۲ پر لکھا کہ :-

”بعض جاہل پیروں نے بہت سی باتیں ایجاد کر لی ہیں۔ جن کا ثبوت قرآن و حدیث میں بالکل نہیں ہے۔ ان میں سے میلادی قیام ہے۔ اور (جو لوگ) مولود میں قیام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ روح مبارک حاضر ہو گئی ان کا یہ گمان باطل ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ شرک ہے۔“

اور حوالہ تحفۃ القضاة و طریقہ السلف مصنفہ قاضی نصیر الدین برہانپوری وغیرہ کا دیا ہے کاش کہ مصنف مراسم المرتحلین اس بات کو غور کر لیتے کہ ذکر الہی کرنے کی کتنی صورتیں ہیں۔ اور کن کن حالتوں میں ذکر کرنا شرعاً جائز فرمایا گیا ہے۔ ہر ذکر کرنے والا کھڑے ہو کر بیٹھ کر اور پہلو پر لیٹے ہوئے ذکر کرنے کا مجاز ہے۔ جیسے حکم الہی ہوتا ہے۔ فاذا ذکر والہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم ان میں سے لیٹ کر ذکر کرنا تو خاص خاص صورتوں میں جائز

ہوتا ہے۔ مثلاً "خاص اوقات سونے کے جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ یا تھکا ہارا سستی چڑھا ہوا۔ یا مریض ہو۔ کیونکہ تندرست آدمی تو بلاوجہ ذکر الہی لیٹ کر کرنا ادب نہیں سمجھتا۔ یہی وجہ ہے کہ نماز میں قیام و قعود تو تجویز ہوا۔ مگر لیٹ کر بحالت صحت پڑھنا تجویز نہ ہوا۔ الا بعد شرعی مریض کے لئے جس کو قیام و قعود کی طاقت نہ ہو۔ تو اب عبادت کی دو صورتیں بحالت صحت معین ہوئیں۔ قیام و قعود۔ اور اس کی بھی پھر تین شکلیں ہوں گی یا یہ کہ کل ذکر قیام میں کرے یا کل قعود میں کرے یا کچھ قیام میں اور کچھ قعود میں اور یہ تینوں صورتیں مضمون کلام الہی میں داخل ہیں۔ ان میں سے ایک شکل بالکل جملہ مولود شریف پر منطبق ہے۔ کیونکہ کچھ اس میں وعظ و کلام روایات و معجزات بیٹھ کر بیان کئے جاتے ہیں۔ اور کچھ درود سلام یا مدح کھڑے ہو کر کئے جاتے ہیں۔ اور شرع شریف میں ان کی اس صورت سے بیان کرنے کی کوئی نفی وارد نہیں ہوئی۔ سوائے اس مروجہ قیام اہل عجم کے جو وہ کیا کرتے۔ تو جب اس کی نفی شریعت میں وارد نہ ہو۔ تو قیام فقہاء و علماء کے نزدیک مباح ہو گا۔ مگر مولوی صاحب نے بحوالہ تحفۃ القضاۃ اس کو شرک تک لکھ دیا ہے۔ فقیر دعوے سے کہتا ہے۔ کہ آپ اس برائے نام کتاب تحفۃ القضاۃ سے ناواقف ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ تحفۃ القضاۃ حقیقت میں کوئی کتاب ہے بھی یا نہیں۔ کئی فرضی نام وہابیوں نے اپنے رسائل میں درج کر رکھے ہیں۔ آپ تحفۃ القضاۃ کا مطبع تحریر فرمائیں اور لکھیں کہ وہ کیا بلا ہے۔ کس کی تصنیف ہے۔ کس زمانہ میں طبع ہوئی اور اس کے نام نہاد مصنف کا اسم غیر معروف کیا تھا بلکہ صرف کتاب کا وجود

ہی ثابت کر دیں۔ تو معلوم ہو جائے گا۔ کہ آپ بھی اپنی تحقیق سے کچھ لکھ رہے ہیں۔ اور کسی بد عقیدہ غیر مقلد کے رسالہ کی عبارتیں نہیں لکھ رہے۔ اور اگر آپ جرات کریں۔ تو آپ کی خدمت میں ایک طالب علم روانہ کر دوں۔ جو تحفۃ القضاۃ کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کر آئے۔ بندہ نہایت مشکور ہو گا۔ وان لم تفلعلوا ولن تفلعلوا فانقوا النار التي وقودها الناس والحجارة اور اگر آپ نہ دکھا سکیں اور یقیناً نہ دکھا سکیں گے کیونکہ یہ تحفۃ القضاۃ کوئی سنی سنائی چیز ہوگی۔ تو خدائے واحد سے خوف کھائیے اور دوزخ کی آگ سے ڈریئے اور مسلمانوں کو نہ بھکائیے۔ آخر یہ دنیا ہمیشہ نہیں اور ایک دن رب العزت کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ ہم بفضلہ تعالیٰ اپنے عقیدہ حقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات النبی جانتے ہیں۔ اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ سرکار انبیا صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جہاں حضور کا ذکر خیر ہو۔ اگر حضور چاہیں تو تشریف فرما ہوتے ہیں۔ اور متقدمین نے اس مسئلہ کو اپنے علم سے ثابت بھی کر دیا ہے۔ اور وہ واقعات اس قدر ہیں۔ کہ اگر ان کو ثبوت میں جداگانہ طور پر ذکر کیا جائے۔ تو ایک علیحدہ کتاب تیار ہو جائے۔ اور یہی مسلمانان اہل سنت والجماعت رحمہم اللہ کا عقیدہ ہے۔ گو آپ یا آپ جیسے اور آپ کے ہم عقیدہ اس کو شرک سے تعبیر کرتے رہیں۔ خوش قسمت ہیں۔ وہ لوگ جو مجالس میلاد منعقد کر کے اپنے مولا و آقا کا ذکر خیر کرتے ہیں۔ اور اتنی بڑی سرکار کو اپنے غریب خانہ پر دعوت دیتے ہیں۔ اور حضور اکرم ان کو اپنی تشریف آوری سے سرفراز فرماتے ہیں۔ اور یہ کوئی ناممکن امر نہیں حضور کے وجود اطہر کے

ساتھ چلنے پھرنے سیر کرنے نماز پڑھنے امت کو برکت عطا فرمانے اور کسی صالح امتی کے جنازہ پر تشریف لانے کے اکثر علماء و صلحا و متقدمین قائل ہیں۔ اور یہی صحیح ایمان ہے دیکھو تفسیر روح البیان میں سورۃ تبارک الذی کے آخر پر ذکر ہے۔ قال الامام الغزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ والرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام لا الخیار فی طواف العالم مع ارواح الصالحین رضی اللہ عنہم بقلوبہ کثیر من الاولیاء یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا ہے۔ کہ وہ تمام عالم زمینوں و آسمانوں میں مع ارواح صحابہ رضی اللہ عنہم و اولیاء کرام علیم الرحمتہ سیر کرتے پھرتے ہیں۔ اور جیسا کہ لکھا گیا ہے۔ بہت سے اولیاء کرام نے حضور کو بیداری میں دیکھا ہے۔

انتہاء الاذکیا فی حیات الانبیاء شیخ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمتہ ص ۷ میں ہے۔ النظر فی اعمال امتہ والا ستغفار لہم من السيئات و انما يكشف البلاء عنهم والتردد فی اقطار الارض بحلول البرکۃ لہا و حضور جنازۃ من مات من صالحی امتہ فان هذه الامر من اشغاله کما وردت بذالک الاحادیث والا ثار۔ بلفظہ یعنی یہ بات آثار و احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعمال امت میں نظر فرماتے ہیں۔ ان کے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔ اور دفع بلا کے لئے دعا فرماتے ہیں۔ اور حدود زمین میں پھر کر برکت دیتے ہیں۔ اور جب امت کا کوئی نیک آدمی مر جاتا ہے۔ تو اس کے جنازہ پر تشریف بھی لاتے ہیں۔ اور عالم برزخ میں آپ کے اشغال ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

محدث دہلوی فیوض الحرمین میں بھی اسی طرح فرماتے ہیں۔ کہ میں نے بہت سے کاموں میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے باجسد دیکھا یعنی آپ کی اصلی صورت مبارک بار بار میرے سامنے آئی تو میں نے جان لیا کہ آپ کی روح انور کو جسمانی صورت بن جانے کی طاقت ہے۔ اور یہی وہ اشارہ ہے جو حضورؐ نے فرمایا کہ انبیاء نہیں مرتے ہیں۔ وہ قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ حج کرتے ہیں۔ اور زندہ ہیں۔ ایسے بے شمار تذکار ہیں۔ جن کو بزرگان امت نے ایسا واضح فرما دیا ہے کہ کسی مذہب ایمان والے کو شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ چونکہ یہاں مقصود ہے مسئلہ قیام پر روشنی ڈالنا۔ اس لیے باب میلاد میں طوالت ہو گئی ہے۔ اور یہاں گنجائش نہیں۔ لہذا مسئلہ قیام پر دیوبندیوں کے سید و مولا استاد و مرشد حضرت حاجی حافظ شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مختصر تحریر پیش کئے دیتا ہوں۔ تاکہ بقول مولوی سنبھلی صاحب پتہ چل جائے کہ جاہل صوفیوں اور بے شرع پیروں نے اس کو رواج دیا ہے۔ یا اکابرین امت نے جن کو مولوی ملتانی صاحب بھی سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ اور اگر وہ بھی مولوی جی کے نزدیک جاہل صوفیوں میں ہی شمار ہیں۔ تو چھٹی ہوئی۔ اور تمام و شنام طرازی کا گلہ جاتا رہا۔ کیونکہ ہم بھی اکیلے مجرم نہیں رہے۔ سنبھلی صاحب کے سب بزرگ بھی اسی جرم کے مجرم نظر آتے ہیں۔ جس کے ہم ہیں چنانچہ شاہ امداد اللہ علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں:-

”میں خود مولود شریف پڑھواتا ہوں اور قیام کرتا ہوں ایک روز میرا یہ حال ہوا کہ بعد قیام سب بیٹھ گئے مگر میں بے خبر کھڑا رہ گیا۔ بعد دیر کے

مجھے ہوش آیا تب میں بیٹھا۔ ہلچل، انوار ساطعہ ص ۳۲۷ سطر ۱۔“

لیجئے۔ آنکھیں کھولئے اور پہلے گھر کے بدعتیوں کی اصلاح کیجئے اور اگر یہ بدعتی نہیں۔ تو اپنا ایمان درست فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے نفرت کرنے والے نااہل دوستوں کو بھی کو سمجھائیے کہ مولود شریف کرانے اور قیام تعظیم محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہونے والے اعلیٰ درجہ کے عالم و فاضل مومن و متقی اور صوفی کامل تھے اور ہیں۔ پھر بڑے بڑے عالموں، فاضلوں، بزرگوں، مفتیوں، بادشاہوں اور اپنے مرشدوں پر ہی مبتدع فاسق اور جاہل صوفی ہونے کا فتوے دینا کہاں تک حق اطاعت کی ادائیگی اور اپنی مومنانہ شان کی دلیل ہو سکتا ہے۔ لہذا ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے۔ شعر

مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں
ذکر میلاد پیہر کیجئے

اگر اس فتویٰ سازی کو اپنی شہرت کا ذریعہ بنانا مقصود ہے۔ تو ہم منع نہیں کرتے مگر پہلے اپنی چارپائی کے نیچے ڈنگوری پھیر لیا کیجئے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ اس فتوے کا چور کوئی گھر سے ہی نکل آئے۔ اور بعد کو ندامت اٹھانی پڑے۔ مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ کہ آپ اس دزد اور کی طرح ندامت محسوس کریں۔ جس کا حال یوں کہا جاتا ہے۔

لطیفہ:-

ایک عادی چور اس امر پر چوری کے لئے قتل گیا کہ میرے فلان متعلقین بڑے مال دار ہیں۔ ہو نہ ہو۔ ان کے ہاں داؤ چلے تو چوری کروں۔ دو چار ہم پیشہ ساتھیوں کو ہمراہ لیا۔ اور وہاں نقب لگائی۔ مال تو بد قسمتی سے ہاتھ نہ آیا مگر خود پکڑے گئے۔ دوسرے ساتھی تھے عیار وہ نکل آئے۔ اب کیا تھارات بھر گرفتار کرنے والوں نے وہ جوتوں اور لاشیوں سے تواضع کی کہ چڑا ادھیڑ دیا۔ شب بھر پیٹنے کے بعد صبح صادق کی روشنی میں گھر والوں نے دیکھا کہ آہا یہ تو ماموں جان ہیں۔ بچاروں نے اپنی بے عزتی اور خاندان کی بے عزتی محسوس کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔ اب خدا خدا کر کے جو عذاب سے نجات ہوئی۔ تو پھر ساتھیوں میں آٹے۔ انہوں نے پوچھا میاں کیونکر خلاصی ہوئی۔ کہنے لگے رات بھر تو پابند عذاب رہا۔ جب صبح ہوئی تو گھر والوں نے دیکھا کہ ماموں جان ہیں۔ تو بچارے شرم سے پانی پانی ہو گئے اور مجھے چھوڑ دیا اور معافی مانگنے لگے۔ گویا پکڑنے والوں کو حیاء آگئی کہ یہ بزرگ اپنے متعلقین سے ہیں۔ مگر ایں جناب ہیں۔ کہ ان کی شرمندگی کا ذکر فرما رہے ہیں۔ اور اپنی وہی اکڑفوں اور بزرگی کا اظہار۔

برائیں عقل و دانش بپاند گریست

اور اگر محض پیران عظام کی بغض و عداوت کے ماتحت یہ زہر اگلا ہے۔ کہ ہر جائز و مستحسن فعل شرعی ناجائز قرار دیا جا رہا ہے۔ تو اس حسد کا علاج ہمارے پاس ہے نہیں۔ لاکھوں کروڑوں اسی حسد میں تباہ و برباد ہو گئے مگر

پران طریقت کا خاتمہ نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ اور ہو بھی کس طرح۔ اب تو پیری
میدی کی بدعت عوام کو منع کرتے کرتے آپ کے دیوبندیوں نے بھی اختیار
کر لی ہے۔ اس کا تدارک کیا ہو گا کہ خود وہ بھی پیروں کی صفت میں نظر
آتے ہیں۔

ایں گناہ بیست کہ در شہر شام نیز کنند

اللہ کریم آپ ایسے دوست نما دشمنوں کو شاہ امداد اللہ صاحب کا ہی
ان مسائل میں جمع بنا دے۔ تو بھی کچھ تو آئے دن کی گرفتاریوں اور
ندامتوں سے بچ جاؤ یاد رکھو کہ جب تک حقیقت پر نہ آؤ گے۔ یہ ذلت دور
نہ ہوگی۔ **ما فہم**

مسئلہ علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مسلمان بھائیو! ایک مسلمان کے لئے عقائد کا معاملہ جس قدر اہم
ہے۔ اسی قدر فی زمانہ اس کی طرف سے عوام کو ذہول ہو رہا ہے۔ اور
ضرورت تقلید فضولیات میں شمار کی جاتی ہے۔ حالانکہ اسلامی دنیا میں ابتداء
سے لے کر گیارہویں صدی ہجری تک کتب تاریخ سے کسی ایسے محدث مفسر
اور فقیہ کا پتہ نہیں چلتا۔ جو غیر مقلد کہلاتا ہو آج اس عدم تقلید کا نتیجہ یہ
ہوا کہ دنیا میں اتباع ہوائے نفس کا دروازہ کھل گیا۔

اور جس نے جو چاہا کہہ دیا۔ چنانچہ اسی بے راہ روی اور نااہلی کا یہ نتیجہ ہوا
کہ عقائد صحیحہ اسلامیہ کا جو حضرات اکابر آئمہ قرون ثلاثہ کا شعار تھا۔
تمام تارو پود بکھر گیا۔ اور قاعدہ ہے۔ کہ جب عقائد باطلہ سیاہ خانہ عمل میں
جاگزیں ہو جائیں۔ تو بزرگان سلف کی نسبت سوء ظنی ہو کر دریدہ دہنی تک
نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اسی عدم تقلید کے باعث فیضان روحانی کا بہ کلی سد باب
ہو کر بد عقیدگی کی حد ہو چکی ہے۔ بارہویں صدی کے بعد سے لے کر آج
تک فرقہ وہابیہ نے اتنا کام نہیں کیا ہے۔ جتنا اس گروہ نے کیا ہے۔ جو
اگرچہ تمام اصول وہابیہ کا عامل ہے۔ مگر اس پر کوئی ظاہری اطلاق وہابیت کا
عوام الناس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کے عقائد سے جس طرح اہل سنت
والجماعت کی تائید ہوتی ہے۔ اس سے صدہا درجہ بڑھ کر وہابیہ کو قوت پہنچتی

ہے۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ وہابیہ کو بعض مسائل مثلاً "امکان کذب باری تعالیٰ۔ امکان نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نفی علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدم جواز میلاد شریف۔ عدم جواز نذر نیاز۔ عدم جواز استدراودلیاء اللہ۔ عدم جواز اعراس اہل اللہ وغیرہ وغیرہ میں اس جماعت سے اس قدر تقویت مل گئی ہے۔ کہ وہ اپنا جواز اتار کر اس کے زینت لگو کر چکے ہیں۔ اس سے بحث نہیں کہ دیوبند میں رہیں یا نانوتہ میں گنگوہی ہوں۔ یا نجدی۔ سارنپوری ہوں یا انھٹوی۔ تھانوی ہوں یا تحصیلوی سب ایک ہیں۔ اور بناوٹی حنفیت کے لباس میں اپنا الو سیدھا کر رہے ہیں۔

میرے بعض سادہ لوح حنفی بھائی ان حنفی نما وہابیوں کے دام تزویر میں ایسے آگئے ہیں۔ کہ خدا اور رسول خدا کی تحقیر اعتقاداً جائز رکھتے ہیں۔ مگر ان اپنے دوستوں کے حق میں ایک لفظ بھی نصیحت کا سننا پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کی ذاتیات سے کسی مسلم کو نہ پرکاش ہے۔ نہ مودت۔ اگر ہے تو محض مذہب کا واسطہ ہے پھر کیا یہ ظلم نہیں ہے۔ کہ اس مذہب کی آڑ میں یہ لوگ توہین و تحقیر نبوی اور اہانت شان الہی جائز رکھیں اور مسلمان ان کو محض مسلمان ہی نہیں۔ بلکہ اپنا ہادی و مقتدی مانیں۔ خصوصاً "یہ اثر انگریزی زدہ احباب نے زیادہ قبول کیا ہے۔ جو علم دین کی خصوصیات اور اعتقادات سے ناواقف ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی ضمن میں آج کل مسئلہ علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان گلابی وہابیوں کی پوری پوری منکرانہ کوششوں کے ساتھ معرض بحث میں آیا ہوا ہے۔ مسلمانوں کو اس عقیدہ پر رغبت دلائی

جاری ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب قطعی نہ تھا۔ حالانکہ یہ عقیدہ تمام سلف صالحین کے خلاف ہے۔ اور اس میں سرکار دو جہاں کی توہین اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں کسر شان بھی ہے۔ جو مسلمان سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الرسل سید المرسلین مانتا ہے۔ وہ یہ عقیدہ رکھ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ ہم کو قرآن کریم سے ایسے انبیاء علیہم السلام کی فہرست ملتی ہے۔ جو اپنے مدارج میں علم غیب کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔

مگر یہ ہمارے دیوبندی حضرات ہیں۔ کہ افضل المرسلین مانتے ہوئے علیہ السلام کو بمقابلہ دیگر انبیاء علیہم السلام تنقیص کرنے سے نہیں چوکتے۔ معلوم نہیں انہیں حضور علیہ السلام کی شان کو گھٹانے میں کیا لطف آیا ہے۔ مولوی اشفاق علی صاحب سنبھلی ملتانی نے جہاں اور تمام عقائد اہلسنت و الجماعت کے مخالف قلم اٹھایا ہے۔ وہاں ان کی زد سے مسئلہ علم غیب بھی مجروح ہوئے بغیر نہیں رہا۔ حالانکہ یہ مسئلہ وہ ہے۔ جس پر بے شمار رسائل صحت عقیدہ میں لکھے جا چکے ہیں۔ مگر ان کو بار بار اعتراض کرنے اور جواب لینے میں ذرا بھی سکی معلوم نہیں ہوتی۔ یہاں فقیر بھی اپنے عقیدہ کے مطابق مختصر جواب عرض کرتا ہے۔ ہدایت کی توفیق رب العزت کو ہے۔ حضرات کسی مسئلہ کی بحث کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہوتا ہے۔ کہ اس کی نوعیت کیا ہے۔ اور قائل اس کی حقیقت کو اپنے عقیدہ اور خیال میں کس طرح جگہ دیتا ہے۔ کیونکہ اس وضاحت سے معترض بھی اعتراض میں بغیل سے کام نہیں لیتا۔ اور قائل بھی اپنے قول میں لغزش

نہیں کر سکتا۔ جب ہم کو یہ معلوم ہو جائے گا۔ کہ علم غیب کیا چیز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے کس طرح مستحق ہیں۔ اور علم غیب الہی اور نبوی میں کیا مناسبت ہے۔ اور اس عقیدہ کے رکھنے یا نہ رکھنے سے مسلمان گنہگار تو نہیں ہوتا۔ پھر یقیناً ایک ذی علم اور ذی فہم بے تعصب انسان اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ کہ علم غیب نبوی علیہ السلام پر اس کا کیا عقیدہ ہونا چاہئے۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ اکثر رسائل کسی ضروری مسئلہ کی بحث کو لے کر معرض وجوہ میں آتے ہیں۔ مگر ان کے مصنفین حضرات کی زبان درازی یا بدکلامی عوام کو مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ ایسی کتاب سے طبعاً متفرج ہو جائیں۔ جس میں اخلاقی کمزوری سے کام لیا گیا ہو۔ بفضلہ تعالیٰ اس تحریر میں فضول گوئی کی جانب رخ بھی نہیں ہو گا۔ البتہ بعض اعتراضوں کے جواب اور نفس مسئلہ کے متعلق مختصر علمی بحثیں ہوں گی۔

سنئے! علمائے کرام غیب کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک غیب کس چیز کو کہتے ہیں۔

تفسیر کبیر جلد اول مصری ص ۱۶۹ سطر ۱۲ ان الغیب هو الذی یكون غائبا عن الحواس یعنی غیب وہ ہے۔ جو حواس سے باہر ہو۔ یعنی حواس سے دیکھنے۔ سونگھنے۔ سننے۔ چکھنے چبھونے سے الگ ہو۔

تفسیر عزیزی میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جلد اول سورہ بقرہ ص ۵۷ سطر ۲۸ میں لکھتے ہیں۔ غیب نام آں چیز است۔ کہ ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ خارج باشد۔ یعنی غیب وہ چیز ہے جو حواس ظاہری و باطنی کے ادراک سے خارج ہو۔ اور یہی تعریف غیب کی تفسیر عزیزی جلد دوم ص ۲۰۵ سطر

اول میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمائی ہے۔ اور اسی کے ماتحت اہل سنت کے عقیدہ کا اظہار ہو گا۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ علمائے کرام اہل سنت حضور سرور عالم تاجدار عرب و عجم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے نہ جمیع غیوب متناہیہ کا علم ثابت کرتے ہیں۔ اور نہ جملہ معلومات الہیہ کا مقابلہ حضور علیہ السلام کے علم کو علم الہی سے کوئی برابری کی نسبت نہیں دیتے۔ اور یہ بھی عقیدہ نہیں رکھتے۔ کہ ذرہ کو آفتاب سے یا قطرہ کو سمندر سے جو نسبت ہے۔ یہی خالق و مخلوق میں متصور ہو جائے۔ کیونکہ خدا اور رسول خدا میں مماثلت اور مساوات سوء ادبی باری تعالیٰ ہے۔ تمام مخلوق کے علوم علم الہی کے حضور میں اقل قلیل اور کوئی ہستی نہیں رکھتے۔ ہم نہ مثل اور برابری کے قائل کہ خدا اور رسول خدا کے علم غیب کو ایک کر دکھائیں اور نہ عطائے الہی اور فضائل ایزدی کے منکر کہ شان نبوی کو گھٹائیں۔ اور خداوند عالم کے ذمہ امکان کذب کے بہتان لگائیں۔ معترضین کا یہ کہنا کہ علمائے اہلسنت خدا کے علم غیب اور رسول خدا کے علم غیب میں برابری اور مماثلت کر دیتے ہیں محض بہتان اور علمائے اہل سنت پر صریح افترا ہے۔ یہ عقیدہ ضالہ بفضلہ تعالیٰ علمائے اہل سنت کے کسی ایک کا بھی نہیں۔ ہاں مخالفین کی طرح منکر علم غیب رسول اللہ نہیں ہیں۔ یہ ضرور مانتے ہیں۔ کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ اور ایسی وسیع فضیلت کے لئے وسعت علم بھی ایسی ہونی مانتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام کی روح اقدس سے عالم کی کوئی چیز عرشی ہو یا فرشی۔ دنیا کی ہو یا آخرت کی۔ پردہ حجاب میں نہیں ہے۔ حضور سب کے عالم ہیں۔ اور ذرہ ذرہ حضور پر ظاہر و روشن ہے۔ مگر حضور

کے اس علم کو علم الہی سے کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ علم غیر متناہی ہے۔ اور حضورؐ کا علم خواہ کتنا ہی وسیع ہو متناہی ہے۔ اور متناہی کو غیر متناہی سے کوئی مساوات کا تعلق نہیں ہوتا۔ ہاں اتنی وسعت علم دیکھ کر اگر مخالفین سٹ پنا جائیں۔ کہ یہ تو رسول اللہؐ کے لئے مان لیا۔ اور خدا کے پاس اب اس کے سوا باقی کیا رہ گیا ہو گا۔ اور ان کی تنگ عرفی علم الہی کو بھی محدود اور نہایت کم استعداد کا خیال کرے۔ تو یہ ان کی اپنی کوتاہ نگاہی ہے۔ کہ علم الہی کو عالم میں منحصر خیال کریں یا علم متناہی کے برابر ٹھہرائیں۔ اہل سنت علم الہی کو محدود نہیں مانتے اور نہ علم متناہی سے مماثلت کر کے علم قدیم ازلی سے جس کے معلومات لانا ہوتا ہے۔ کوئی مزاحمت کراتے ہیں۔ کیونکہ علم قدیم کے معلومات اس عالم میں منحصر نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اسرار ربوبیت و اوصاف الوہیت جو غیر متناہی ہیں۔ اس عالم ہی سے نہیں۔ ہم حضورؐ کے علم کو عطاۃ الہی کا قرار کرتے ہوئے اس وسعت کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔ جو حضورؐ کو عطا فرمائی گئی اور علم الہی کو اس کی بے مثال عظمت کے ساتھ ذاتی اور مخصوص بحق مانتے ہیں۔ درحقیقت یہ مغالطہ ان ہی لوگوں کو ہے۔ جو رسول خدا کے علم کے مقابلہ میں علم الہی کو بھی محدود اور متناہی خیال کرتے ہیں۔ اور خداوند عالم کے علم کی تنقیص کرنے میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ لوگ اللہ جل شانہ کی قدرت اور علم سے واقف ہوتے تو رسول خدا کے علم کی وسعت کا انکار نہ کرتے ہوئے اہل سنت والجماعت کو مساوات کرنے کا الزام نہ لگاتے۔ اور حقیقت میں بات یہ ہے۔ کہ مدارج نبوت اور مراتب رسالت کے کمالات کا وہی مگر ہو سکتا ہے۔ جو خداوند عالم کی قدرت و عظمت سے

بے خبر ہو۔

کتاب الدرر کے مصنف اسی کتاب کے ص ۳۳ میں اپنے شیخ کی نسبت دے کر فرماتے ہیں۔ کہ اس امتیاز میں سب سے زیادہ قوی روح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کہ اس روح پاک سے عالم کی کوئی چیز پردہ میں نہیں۔ یہ روح مقدس عرش اور اس کی بلندی پستی دنیا و آخرت۔ جنت و دوزخ سب پر مطلع ہے۔ کیونکہ یہ سب اسی ذات مجمع کمالات کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم آلہ واصحابہ وسلم آپ کی تمیزان جملہ عالموں کی خارق ہے۔ آپ کے پاس اجرام سموت کی تمیز ہے۔ کہ کہاں سے پیدا کئے گئے۔ کیوں پیدا کئے گئے اور کیا ہو جائیں گے۔ اور آپ کے پاس ہر آسمان کے فرشتوں کی بھی تمیز ہے۔ اور اس کی بھی کہ وہ کہاں سے اور کب پیدا کئے گئے۔ اور کہاں جائیں گے۔ اور ان کے اختلاف مراتب اور متہائے درجات کی بھی تمیز ہے۔ اور سترے پردوں اور ہر پردہ کے فرشتوں کے جملہ حالات کی بھی تمیز ہے۔ عالم علوی کے اجرام نیو۔ ستاروں۔ سورج۔ چاند۔ لوح و قلم۔ برزخ اور اس کی ارواح کی بھی ہر طرح امتیاز ہے۔ اسی طرح ساتوں زمینوں اور ہر زمین کی مخلوق خشکی اور تری کا بھی حال معلوم ہے۔ اسی طرح تمام جنات اور ان کے درجات اور ان کے رہنے والوں کی گنتی اور مقامات سب خوب معلوم ہیں۔ لیکن اس علم نبویؐ کی علم قدیم ازلی سے کوئی نسبت نہیں۔ اس لئے کہ اس کی معلومات بے انتہا ہیں۔ اس کی وضاحت منہاج النبوت ترجمہ مدارج النبوت جلد اول ص ۳۶۶ میں یوں فرمائی گئی ہے۔ لا وحی الی عبدہ ما اوحی۔ یعنی

وحی کیا پروردگار نے طرف اپنے بندے کے جو کچھ وحی کیا بطریق الہام کے یعنی وحی کیا سو کیا خدا جانتا ہے یا اس کا رسول۔ دوسرا کیا پاسکتا ہے۔ تمام علوم اور معارف۔ حقائق اور بشارات۔ اشارات اور اخبار۔ آثار اور کرامات و کمالات اسی الہام کے احاطہ میں داخل ہیں۔ اور تمام کو یہ شامل ہے۔ اور کثرت اور عظمت سے ہے جو ملہم لایا۔ اور بیان نہ کیا۔ ان اشارات کے تین اوپر اس بات کے کہ سوائے علام الغیوب کے اور اس کے رسول محبوب کے کوئی اس پر احاطہ کرنے والا نہیں ہو سکتا۔

ان ہر دو عبارتوں سے رسول خدا کے علم کی نسبت معلوم ہو گیا ہے۔ کہ وہ کس قدر ہے۔ اور متعقدین اسلام اس کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہے۔ کہ باوجود اس طرح ماننے کے علم الہی سے اس کی کوئی مماثلت نہیں ہوتی۔ فقیر انشاء اللہ اس کو دو عنوانوں میں علیحدہ علیحدہ درج کرتا ہے تاکہ علم الہی اور علم نبوی کی مماثلت اور مساوات کا شبہ نکل جائے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے۔ کہ سلف صالحین نے علم الہی کے متعلق کیا عقیدہ رکھا ہے اور علم نبوی کو کس مرتبہ تک تسلیم کیا ہے۔ اور اس کو خدا کے علم کے برابر نہ جان کر کفر اور شرک کے موجود فتوؤں سے کس طرح محفوظ و مامون رہے ہیں۔

بیان علم اللہ تعالیٰ میں صحیح بخاری جلد دوم ص ۱۷۶ سطر ۴ مطبوعہ مصری قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام للما رکبا فی السفینتہ جاء عصفور لوقع علی صرہ السفینتہ فنقر فی البحر نقرة او

نقر تین قال له الخضر بموسی ما نقص علمی وعلمک من علم اللہ الا مثل ما نقص هذا العصفور بمنقاره من البحر۔ (الحدیث بلفظہ) یعنی موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کشتی پر سوار ہوئے۔ تو ایک چڑیا کشتی کے کنارے پر آکر بیٹھی۔ اور اس نے اپنی چونچ کو سمندر میں ڈوب دیا۔ پس خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ کہ تمہارا علم اور میرا علم اور سارے جہانوں کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں اتنا ہے۔ جتنا چڑیا نے سمندر میں سے اپنی چونچ میں لیا شرح عقائد علامہ الرحمۃ ص ۲۷ معلومات اللہ تعالیٰ اکثر من مقدوراته مع لا متناہیہما۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے معلومات مقدورات سے بہت زیادہ ہیں۔ باوجود اس کے کہ دونوں کی کوئی انتہا نہیں۔ (معلومات کی اور مقدورات کی)۔

شرح مواقف۔ موقف ثانی علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ۔ واعلم ان معلومات اللہ تعالیٰ اکثر من مقدوراته مع ان کل واحد منهما غیر متناہیہ۔ یعنی جان تو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ کے معلومات بہت زیادہ ہیں۔ اس کے تقدیر کئے ہوئے سے باوجود اس کے کہ ہر ایک ان دونوں میں سے غیر منتهی ہے۔

حاشیہ بیضاوی۔ میں علامہ خفاجی علیہ الرحمۃ سے ہے۔ ان معلومات اللہ تعالیٰ لا نہایت لها و غیب السموت والارض وما بیدونہ وما یکتُمونہ قطرة منها۔ یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ کی معلومات کی انتہا نہیں ہے۔ اور غیب آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کہ ظاہر کرتی ہیں۔ اس کو۔ اس سے ایک قطرہ ہے۔

کیسے سعادت۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ میں ہے۔ ویچ سلیم دل نبوہ کہ اس قدر نداند۔ کہ علم فرشتگان و آدمیاں در جنب علم حق تعالیٰ ناچیز است۔ وہمہ را گفتہ کہ وما اوتتم من العلم الا قليلا۔ فرمایا کوئی سلیم دل نہیں جو اس قدر نہ جانے کہ علم فرشتوں اور آدمیوں کا علم حق تعالیٰ کے حضور میں ناچیز ہے۔ اور اس نے سب کو فرما دیا ہے۔ کہ تم علم سے بہت تھوڑا دیئے گئے ہو۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ عقیدہ علمائے اسلام اہلسنت کا ہے جو شتے نمونہ از خردارے۔ دوچار کتب سے بالا اختیار نقل کر دیا ہے۔ تاکہ معترض بھائی کو یاد رہے۔ کہ ہم اس میں یعنی علم الہی میں کسی مساوات و مماثلت کے معتقد نہیں ہیں۔

بیان علم رسول اللہ صلی علیہ وسلم میں

علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے سے پہلے یہ ذکر کر دینا بے محل نہ ہو گا۔ کہ ہمارے بعض بھائی بغیر دیکھے نئے اہل سنت کو طعن کرتے ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنے مشرکانہ عقیدہ کے ماتحت مراتب علم و نعمت میں خداوند عالم جل شانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کر دیتے ہیں۔ اور اس قدر بڑھاتے ہیں۔ کہ تمیز ہی نہیں چھوڑتے۔ مگر یہ بات ہماری سمجھ میں آج تک نہیں آئی۔ کہ بڑھانے گھٹانے کا معاملہ ان بھائیوں نے کہاں سے ثابت کیا ہے۔ علمائے اہل سنت تو پکار پکار کر فرما رہے ہیں۔ کہ ہم اس سے بری الزمہ ہیں۔ اور ہمارا اس عقیدہ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہاں عنایات ایزدی کا رسول خدا کی نسبت اقرار ضرور کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کے اقرار کئے بغیر کوئی مومن مومن نہیں ہو سکتا۔ کس قدر تعجب انگیز یہ امر ہے۔ کہ خدا کے دیئے ہوئے کی بھی نسبت کرنا ہندوستان کی مذہب انگیز زمین میں کفر اور شرک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو سرا سر شان نبوی میں تعصب اور سوء فہمی کے مترادف ہے۔ خدا اگر اپنے محبوب و مختار نبی (فداؤ ای والی) کو اپنے انعام سے مالا مال فرماتا ہے تو اس میں متعصبین کو چون و چرا کا کیا حق ہے۔ کیا وہ علم الہی کی کوئی حد مقرر کرتے ہیں۔ جس کے ساتھ برابری کا شبہ ان کو دن رات رسول خدا کی طرف سے بے چین رکھتا ہے۔ اور اگر وہ بے حد اور بے انتہا ہے۔ تو اس برابری کی غیرت کے کیا معنی

ہیں۔ ہم اس شبہ کو پھر یہاں صاف کرتے ہیں۔ اور ایک دو حوالہ جات سے دکھاتے ہیں۔ کہ ہمارا عقیدہ علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کس طرح ہے۔ باقی حوالہ جات کسی دوسرے مقام پر اسی تحریر میں بطور ثبوت پیش کریں گے۔ جس سے علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت ہو جائے گی۔ معلوم کیجئے کہ علم غیب کی تقسیم دو طرح پر ہے اول حقیقی یا استقلال یا ذاتی۔ دوسرا اضافی یا وہبی یا تعلیمی۔ پہلی قسم کا علم غیب جو بلا کسی وسیلہ یا ذریعہ کے ہے۔ بالا استقلال ذاتی ہے۔ اور وہ خاص اللہ تبارک و تعالیٰ کے واسطے ہے۔ اور دوسرا علم غیب جو اضافی یا وہبی یا تعلیمی ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کو ثابت ہے۔ جس کا ہم آگے چل کر بفضلہ تعالیٰ وضاحت سے ثبوت پیش کریں گے۔ اگر باور نہ ہو۔ تو لیجئے سب سے پہلے ہم معترض صاحب کے ایک ہم عقیدہ عالم کی تحریر پیش کرتے ہیں۔ کہ وہ اس عقیدہ میں کیا کچھ اظہار کرتے ہیں۔ دیکھو کتاب صراط مستقیم مولوی اسماعیل صاحب دہلوی ہلفظہ ص ۱۰۱ سطر ۲۔

(۱) ہمچنین اصحاب ایں مراتب عالیہ و ارباب ایں مناسب رفیعہ مازون مطلق در تصرف عالم مثال و شہادت سے باشند۔ و ایں کبار اولی الایہ والاہبار را میرسد۔ کہ تمامی کلیات را بسوئے خود نسبت نمایند۔ مثلاً "ایشان را میرسد۔ کہ بگویند کہ از عرش تا فرش سلطنت ما است۔ الاخر۔ ہلفظہ ص ۱۰۱ سطر ۲۔

(ب) افادہ۔ ا۔ برائے انکشاف حالات سموت و ملاقات ارواح و ملائکہ و جنت و نار و اطلاع بر حقائق ایں مقام و دریافت امکانہ آنجا و

انکشاف امرے از لوح محفوظ ذکر یا حی یا قیوم است۔ ہلفظہ ص ۱۱۳ سطر ۷۔
(ج) افادہ۔ ا۔ برائے کشف ارواح و ملائکہ و مقامات آنما سیر امکانہ زمین و آسمان و جنت و نار و اطلاع بر لوح محفوظ خفیل دورہ کند۔ و طریقش در فصل اول مفصلاً مذکور شد۔ الاخر ہلفظہ ص ۱۱۷ سطر ۸۔

سمجھ لیا ہو گا۔ یہ ہے۔ دستاویز مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کی۔ وہ لکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی الگ رہی صرف اولیاء کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے یہ مراتب ہیں۔ کہ تمام زمینوں آسمانوں کے حالت اور دوزخ و جنت کی سیر۔ اور لوح محفوظ پر اطلاع پاتا۔ ان کا ثابت ہے اور یہ بھی استحقاق لکھتے ہیں۔ کہ ان کو جائز ہے۔ وہ یہ بات بھی کہہ دیں۔ کہ عرش سے لے کر فرش تک ہماری بادشاہی اور سلطنت ہے۔ یہاں سے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ جب اولیاء کرام کا تمام جہانوں پر تصرف اور علم غیب لوح محفوظ پر اطلاع ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابلے میں ایک قطرے کے بھی مقدار نہیں تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف اور علم کا کیا اندازہ ہو گا۔ تفسیر روح البیان کے ص ۳۷۵ پر ایک عبارت یوں ہے قال شیخنا العلامة ابقا اللہ با السلام فی الرسالۃ الرحمانیۃ فی بیان الکلمۃ العرفانیۃ علم اولیاء من علم الانبیاء بمنزلتہ قطرة من سبعة البحور و علم الانبیاء من نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بهذا المنزلۃ و علم نبینا من علم الحق سبحانہ بھذہ المنزلۃ۔ یعنی رسالہ رحمانیہ فی بیان کلمۃ العرفانیہ میں ہے۔ کہ علم اولیاء اللہ کا علم انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں سات سمندروں میں سے

ایک قطرہ ہے۔ اور علم تمام انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ میں علم حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسا ہے۔ جیسے سات سمندروں سے ایک قطرہ اور علم سرور عالم علیہ السلام کا علم الہی سبحانہ و تعالیٰ کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے۔ جیسے ایک قطرہ۔ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں حجت الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ کہ نبوت اس چیز سے عبارت ہے۔ جس کے ساتھ نبی مختص ہے۔ اور غیروں سے ممتاز ہے۔ ایک یہ کہ جو امور اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور فرشتوں اور آخرت کے ساتھ متعلق ہیں۔ نبی ان کے حقائق کا عارف ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو کثرت معلومات اور زیادتی کشف و تحقیق میں اس سے کچھ نسبت نہیں۔ دوم یہ کہ ان کی ذات میں ایک ایسا وصف ہے۔ جس سے افعال خارقہ عادت تمام ہوتے ہیں جس طرح کہ ہمیں ایک وصف قدرت کا حاصل ہے۔ کہ جس سے ہمارے حرکات ارادیہ پورے ہوتے ہیں۔ سوم یہ کہ نبی کو ایک ایسا وصف حاصل ہے۔ جس سے ملائکہ کو دیکھتا ہے اور ان کا مشاہدہ کرتا ہے جس طرح کے بیٹا کو ایک وصف حاصل ہے۔ جس کے باعث وہ نابینا سے ممتاز ہے۔ چہارم یہ کہ نبی کو ایک ایسا وصف حاصل ہے۔ جس سے وہ غیب کی آئندہ باتوں کو اور اک کر لیتا ہے۔

اس عبارت امام غزالی علیہ الرحمۃ سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ جل شانہ نے انبیاء علیہم السلام کو حقائق امور کا علم عطا فرمایا۔ اور کثرت معلومات زیادتی کشف و تحقیق میں اور سب سے ممتاز فرمایا ہے۔ افعال خارقہ کی ایسی صفت عطا فرمائی ہے۔ جیسے ہم کو حرکات ارادیہ کی کہ ہم

جب چاہیں حرکت کریں۔ ایسے ہی وہ جب چاہیں۔ افعال خارقہ ظاہر فرما دیں۔ ایک صفت ایسی دی جس سے وہ ملائکہ کو اس طرح دیکھتے ہیں۔ جس طرح بیٹا اندھے کے مقابلہ میں دیکھتا ہے اور ایک صفت غیب کی ایسی عنایت فرمائی۔ جس سے غیب کی آئندہ باتیں وہ جانتے ہیں۔ کیوں صاحب۔ امام غزالیؒ بھی اس فتویٰ کا شکار ہیں۔ جس سے موجودہ اہل سنت پر مشرکانہ نوازش ہوتی ہے۔ یا یہ مستثنیٰ ہیں۔

کون کتا ہے۔ کہ نبی کا علم غیب خدا کے برابر ہے۔ اور کون کتا ہے۔ کہ خدا اگر عطا کرے تو بھی شرک ہی کہتے چلے جاؤ۔ اگر خدا کا عطیہ ماننا بھی شرک ہی ہے۔ اور نبی کو اس کی اوصاف سے متصف ماننا گناہ کبیرہ ہے۔ تو ڈر ہے کل کو یہ نہ کہنے لگ جاؤ۔ کہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ یہ محمد رسول اللہ کیسی مخلوقی جز ہے۔ لہذا مسلم وہی ہو سکتا ہے۔ جو صرف توحید الہی کے ماتحت لا الہ الا اللہ ہی پڑھے۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنے سے ایک وقت کی مماثلت ہو جاتی ہے۔ لہذا شرک ہے۔ (نعوذ باللہ)

یہاں مثال کے طور پر ایک اور حوالہ درج کیا جاتا ہے۔ جس سے واضح ہو جائے گا۔ کہ متقدمین اسلام غیب پر کسی مخلوق کے مطلع ہونے کے قائل تھے یا نہیں۔ اور یہ عقیدہ جس پر اہل سنت قائم ہیں غلط ہے یا صحیح۔ اس کے بعد ہم وہ آیات قرآنی اور احادیث و اقوال سلف صالحین علیہم السلام تقسیم ابواب کے ساتھ ثبوت میں پیش کر دیتے ہیں۔ جس سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام علیہم السلام

والرضوان کا علی قدر مراتب مطلع از غائب ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اس کے بعد مخالف و مطابق کو حق کے قبول کرنے میں اختیار ہو گا۔ وما علینا الا البلاغ۔

وہ حوالہ جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ یہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سرفۃ المفاتیح جلد ۱ ص ۵۴ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ان للغیب مبادی ولو احق فهو لعماد بہما لا یطلع علیہ ملک مقرب ولا نبی واما اللواحق فهو ما اظہرہ اللہ تعالیٰ علی بعض احبابہ لوجہ علمہ وخرج بذالک عن الغیب المطلق ومار غیبا اضافہا وذلک ذاتنورت القدسیہ وازداد نوراً منتہا واشرا تھا بالاعراض عن ظلمتہ عالم الحسن وبتجلیۃ القلب عن صداء الطبیعتہ والمواظبتہ علی العلم والعمل وفیضان الانوار الالہیۃ حتی بقوی الذور وینسبط فی فضاء قلبہ وتنعکس فیہ النقوش المرتسمہ فی اللوح المحفوظ ویطلع علی المغیبات ویتصرف فی عالم السفلی بل بتجلی حینئذ فیضاہ الا قدس بمعزلۃ التی حی اشرف الطعابا لکیف بغیرہ خلاصہ یہ کہ غیب کے مبادی پر کوئی ملک مقرب و نبی مرسل مطلع نہیں۔ البتہ غیب کے نور حق پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض احباب کو مطلع فرمایا ہے۔ جس کے علوم میں سے ایک نور کا علم بھی ہے۔ اور یہ غیب اضافی ہے۔ اور یہ جب ہے۔ کہ جب روح قدسیہ منور ہوتی ہیں اور عالم جس کی ظلمت اور تاریکی اعراض کرنے دل صاف ہوئے علم و عمل پر

مواظبت کرنے اور انوار الہیہ کے فیضان کے باعث اس کی نورانیت اور اشراق زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور لوح محفوظ کے نقوش اس میں منعکس ہو جاتے ہیں۔ اور یہ مغیبات پر مطلع ہو جاتا ہے۔ اور عالم سفلی میں تصرف کرتا ہے۔ بلکہ اس وقت خود فیاض اقدس جلسانہ اپنی معرفت کے ساتھ تجلی فرماتا ہے۔ اور یہ بڑا عطیہ ہے۔ جب یہی حاصل ہو تو اور کیا رہ جائے گا۔ اس عبارت سے یہ پورے طور پر واضح ہو گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے احباب کے دل میں ایسا روشن نور عطا فرماتا ہے۔ جس میں لوح محفوظ اس طرح منعکس ہو جاتی ہے۔ جیسے آئینہ میں صورت۔ اس نور پاک سے اللہ تعالیٰ کے احباب غیبوں پر مطلع ہوتے ہیں۔ عالم میں تصرف کرتے ہیں۔ بلکہ خود اللہ کریم ان کے دلوں میں تجلی فرماتا ہے۔ چونکہ اہل سنت والجماعت توجیع انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین کو اور البیاء کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرار ہم کو اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور احباب سے مانتے ہیں۔ اس لئے یہ رتبے ان کو حاصل ہونا بھی تسلیم کرتے ہیں۔ جن کو تاہ نگاہوں کے نزدیک انبیاء اور اولیاء۔ اللہ کے احباب سے نہیں ہیں۔ وہ علم غیب کسی ایسے کو نسبت کر دیں۔ جس کو اس کا مستحق خیال کریں۔ جیسے مکبرین کی کتاب براہین قاطعہ مولفہ خلیل احمد امینشہوی ص ۴۷ میں لکھا ہے۔ کہ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کو وسعت علم کی کوئی نص قطعی ہے۔ یہ ہے عقیدہ ان کا جو علبرداران توحید کہلاتے ہیں۔ اور دوسروں کو شرک سے متہم کرتے ہیں۔ کیا مومن کی شان اسلامی یہی ہے۔ کہ احسانات رسول اللہ کو تعصب کے پردے میں ڈال کر یہ ایمان رکھے۔ کہ

شیطان اور ملک الموت کا علم تو نص قطعی سے ثابت ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی علم نص سے نہیں۔ اور نہ اس پر کوئی نص قطعی دلیل ہے۔ کیا ایسے علماء شیطان کی نافرمانی کا درجہ حجاب الہی سے زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جو علم غیب جیسا انعام الہی اس کی تفویض میں دینا منظور فرماتے ہیں۔ کتاب حفظ الایمان کے ص ۸۰۷ پر مولوی اشرف علی صاحب بھی علم غیب نبوی کی نفی کرتے کرتے اور مندرجہ بالا عقیدہ کی تائید میں یہاں تک غصے میں آکر لکھ مارتے ہیں۔ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہ ہوگا۔ پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے۔ کہ اس غیب سے مراد بعض ہے۔ یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں۔ تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم تو زید و عمر بلکہ ہر مہم و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے۔ جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔ بلطفہ ص ۸۱۷۔ حفظ الایمان مولوی اشرف علی تھانوی اس مضمون سے ان عاشقان نبوت کے قلبی پیار کا پتہ چل گیا ہو گا کہ اول تو حضور علیہ السلام کے علم غیب کلی کی نفی کرتے ہیں۔ کہ یہ مہاشن باری تعالیٰ ہے۔ اور شرک ہے۔ پھر جب علم غیب نبوی عطائی۔ دھبی۔ اضافی سامنے آتا ہے تو معلوم کرتے ہیں۔ کہ اس کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں تو اس کو خصوصیات نبوی سے ہی نہیں مانتے اور اس کے مقابلہ میں نبی کی ذات کے سامنے دیوانوں لڑکوں۔ چارپایوں۔ حیوانوں کو لا کر ان کا علم جزء تسلیم کر کے پھر ان کے بعد نبی کی

ذات کو بطریق طعن ذکر کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ کلی ہم نہیں مانتے اور جزئی میں حیوانات بھی شامل ہیں۔ لہذا حیوانات کا تسلیم کر لو۔ اور سرکار دو جہاں کے لئے نہ کلی نہ جزئی تسلیم کرو۔ اگر دونوں سے ایک بھی ہم نے مان لیا۔ تو پھر اہل سنت ہو گئے۔ ساری اپنی پختہ سازی محو سو ہو کر رہ جائے گی اور جن بھیڑوں کو مشترکہ گلے کے جانوروں کی طرح ہم نے نشان لگا رکھا ہے۔ یہ بھی ہاتھ سے جاتی رہیں گی۔ کیا اسلام میں ہمارے لئے تعلیم یہی ہے۔ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نفوذ باللہ کوئی خصوصیت علم غیب کی نہیں۔ ایسا غیب زید و عمر بلکہ ہر ایک لڑکے اور پاگل اور جانوروں اور چوپایوں اور ڈھور ڈھکروں کو بھی حاصل ہے۔ جیسا رسول اللہ کو ہے۔ یہ ہے ایک توحید پرست دیوبندی مسلمانوں کے مذہبی پیشوا کا عقیدہ۔ نفوذ باللہ من هذه الخرافات۔ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ ایک ذی علم عالم نے رسول خدا کی تحقیر میں تمام جاندار اجسام کا علم غیب جزئی تو تسلیم کر لیا ہے۔ مگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس عطیہ ربانی کو ذکر کرتے اور اعتقاد رکھتے کیوں شرم آتی ہے۔ اور وہ کونسی چیز ہے جو سرکار دو جہاں کی شان امتیازی کے تسلیم کرنے سے باز رکھتی ہے۔ فقیر کتا ہے۔

محمد تاجدار کشور اسرار شاهی ہے

سرپا علم ہے اعجاز ہے سر الہی ہے

اور سنئے کتاب الدریز شریف کے ص ۲۳۲ پر ایک عبارت آتی ہے۔ جس کا خلاصہ ترجمہ فقیر یہاں درج کرتا ہے۔ وہ ہے کہ تحقیق اگر زندہ

رہیں۔ جبرائیل علیہ السلام ایک لاکھ برس سے دوسرے لاکھ برس تک یا اس قدر زندہ رہیں۔ کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ تو بھی معرفت سرور عالم سے اور ان کے علم سے جو ان کو ان کے رب جل مجدہ نے عطا فرمایا ہے۔ چوتھا حصہ بھی نہیں پائیں گے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام زیادہ علم والے ہوں۔ سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ حالانکہ جبرائیل علیہ السلام ان ہی کے نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ دور الفواص عن فتاویٰ علی الخواص حضرت علامہ اجل امام وہاب الدین شعرانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۸۰ میں ہے۔ قال ولما لقن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وخل علیہ ذالک صار بقول عندی من العلم الذی اسره الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما لیس عند جبرائیل ولا میکائیل فقال لہ ابن عباس کیف ذالک یا امیر المومنین فقال ان جبرائیل علیہ السلام تعلف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الا سراء وقال ما منا الا لہ مقام معلوم فلا بدوی ما وقع بعد ذالک الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱۷)

یعنی کہا۔ اور جب تعلیم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو۔ یعنی حضرت علی پر اس تلقین کو پیش کیا۔ تو حضرت علی فرمانے لگے۔ کہ میرے پاس اس علم میں سے جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔ وہ علم بھی ہے۔ جو جبرائیل و میکائیل جیسے فرشتوں کے پاس بھی نہیں ہے۔ اس بات پر حضرت ابن عباسؓ نے آپ سے سوال کیا۔ کس طرح ہے یہ یعنی اس کا مطلب کیا

ہے۔ اے امیر المومنین! پس جواب دیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے۔ تحقیق جبرائیل علیہ السلام پیچھے رہ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج میں۔ اور کہا جبرائیل علیہ السلام نے کہ ہم میں کوئی ایسا فرشتہ نہیں ہے۔ جس کے لئے ایک خاص حد نہ ہو۔ بلکہ ہر ایک کے لئے ایک مقام معین و مقرر ہے۔ کہ وہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتا پس نہیں جانتے جبرائیل علیہ السلام جو کچھ بعد اس کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر واقعہ ہوا۔ جب وہ الگ ہو گئے اور یہ اپنے مقام پر رہ گئے تھے۔

کیا میرے اشرف المخلوقات دوستوں کو اب بھی اپنی فضیلت اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و اختیار کا احساس نہ ہو گا۔ جب اپنے علم کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے معلومات بڑھنے پر جبرائیل علیہ السلام پر فوقیت ظاہر فرماتے ہیں۔ سرکار دو عالم تاجدار کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی کیفیت تو ان اقوال سے کہیں بالاتر ہے۔

اب یہ عبارت اور کلام تو کسی معمولی شخصیت کا نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ جن کی نسبت فرمایا گیا ہے۔ کہ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا۔ فرمائی حضورؐ نے میں علم کا شہر ہوں۔ اور علی کرم اللہ وجہہ اس کے دروازے ہیں۔ حضرت علیؑ کی اس سند پر بھی منکرین کو اگر سمجھ میں نہ آئے۔ تو پھر ان سے خدا سمجھے۔

افضل الرسل کے علم غیب کے متعلق آیات قرآنی

اس سے پہلے کہ علم غیب کے متعلق آیات قرآنی درج کروں۔
مشککین کو یہ واضح طور پر بیان کر دینا ضروری جانتا ہوں۔ تاکہ بصیرت سے کام لے کر سمجھیں۔ کہ علم الہی ذاتی ہے۔ اور علم نبوی اور تمام مخلوق کا علم عطائی۔ وہ واجب ہے۔ یہ ممکن۔ وہ قدیم یہ حادث۔ وہ ماخلوق یہ مخلوق۔ وہ نامقدور یہ مقدور۔ وہ ضروری البقاء جائز الفناء۔ وہ ممتنع انتہو یہ ممکن التبدل ہے۔ ان عظیم تفرقوں کے بعد کیسے مماثلت ہوتی ہے۔ اور کیونکر شرک ہو سکتا ہے اس واضح عقیدہ پر بھی اگر احتمال شرک ہو گا۔ تو اس کا اہل کوئی دیوانہ ہو سکتا ہے۔ کسی عاقل کے نزدیک تو علم الہی سے مساوات کا شبہ ہونا بھی ممکن نہیں۔ یہ ہے عقیدہ جماعت سلف صالحین اور علمائے اہل سنت والجماعت کا جس پر مندرجہ ذیل آیات اسی مفہوم میں شاہد ہیں۔ جن کو فقیر خوف طوالت سے بالا اختصار پیش کرتا ہے ملاحظہ ہوں۔

(آیت) (۱) وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء فامنوا بالله ورسوله وان تؤمنوا وتتقوا فلکم اجر عظیم (سورہ آل عمران علی)۔ ترجمہ۔ ارشاد ہوا۔ اور اللہ جل شانہ یوں نہیں کہ تم کو مطلع کر دے غیب پر اور لیکن اللہ جل شانہ چھانٹ لیتا ہے۔ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔ پس ایمان لاؤ۔ تم اللہ اور اس کے رسولوں پر۔ اور اگر ایمان پر رہو تم اور پرہیز گاری پر تو تم کو بڑا ثواب ہے۔

(تشریح) اس آیت سے خوب طور پر ظاہر ہوا۔ کہ اللہ جل شانہ اپنے مجتبیٰ و مرتضیٰ رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہو گا۔ کہ یہ علم تعلیم الہی سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ ضروری یہی مطلب ہو گا۔ کہ خود بخود اپنی ذات اور انکل سے کوئی غیب کو نہیں جانتا۔ البتہ تعلیم الہی سے انبیاء علیہم السلام جانتے ہیں۔ کیا اس آیت کو سننے پڑھنے کے بعد کوئی منکر غیب بتا سکتا ہے۔ کہ انبیاء کو غیب بتایا جاتا ہے۔ یا نہیں یا ضد اور تعصب کے جوش میں قرآن پاک کا بھی خلاف کرتے جانا مومن کی شان ایمانی میں داخل ہے۔ اب بھی اگر یہ کہا جائے کہ حق سبحانہ نے کسی کو اس پر مطلع نہیں کیا۔ تو کس حد تک بطلان اور جمہور مفسرین کے خلاف عقیدہ ہے۔ کیا منکرین کے نزدیک خداوند عالم غیب کی تعلیم پر قادر نہیں ہے۔ حالانکہ ان کے نزدیک تو جھوٹ بولنے پر بھی قادر ہے۔ پھر اس میں قدرت پر کیا کمزوری وارد ہوتی ہے۔

(آیت) ۲۔ عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احد الا من الرضی من رسول الایہ (سورہ جن مکہ) ترجمہ۔ اللہ جل جلالہ عالم الغیب ہے۔ پس کسی کو اپنے غیب پر مطلع نہیں کرتا۔ مگر جس کو چن لے رسولوں میں سے۔ (تشریح) اس آیت میں یہ لطیف اشارہ سمجھنے کے قابل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے لا یظہر غیبہ علی احد نہیں فرمایا۔ کیونکہ اس کے معنی ہو جاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا۔ اور حالانکہ غیب کا اظہار اولیا پر بھی ہوتا ہے۔ اور انبیاء پر بھی۔ اور بذریعہ انبیاء و اولیاء بعض صالحین پر بھی۔ تو اس میں غیب کی کلی نفی ہو جاتی تھی۔

بلکہ فرمایا۔ لا یظہر علی غیبہ احدا۔ یعنی اپنے علم غیب خاص پر کسی کو ظاہر و غالب اور مسلط نہیں فرماتا۔ مگر رسولوں کو۔ اس عجیب بیان سے کیا مرتبہ قرآن پاک نے انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت فرمایا ہے۔ تفسیر روح البیان جلد چوتھی ص ۴۹۱ میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔ ابن شیخ نے فرمایا۔ کہ اللہ کریم اپنے غیب خاص پر جو اس کے ساتھ مختص ہے۔ رسول مرتضیٰ کے سوا کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ اور جو غیب کہ اس کے ساتھ خاص نہیں۔ اس پر دوسرے غیر رسول کو بھی مطلع فرما دیتا ہے۔ اب تو کوئی شک نہیں رہا۔ کہ اللہ کا دیا ہوا۔ غیب ماننا بھی جائز ہے یا نہیں۔

آیت (۳) وما ہو علی الغیب بضمن (الافتتاح) (سورہ تکویر مکہ) ترجمہ۔ اور نہیں وہ غیب پر (بتانے میں) بخیل۔ (تشریح) ہو کا مرجع بعض نے اللہ جل شانہ فرمایا ہے۔ اور بعض نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض نے قرآن کریم بہر حال ہمارا مدعا حاصل ہے۔ اور مطلب یہ ہو گا۔ کہ وہ غیب کی باتیں چھپا نہیں رکھتا۔ یا بتلانے میں بخل نہیں کرتا۔

تفسیر جامع البیان بر حاشیہ تفسیر جلالین ص ۴۹۰ میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی خبروں کو جو ان کو اطلاع ہوتی ہے۔ بتلانے میں متہم نہیں اور حرف ضاد کی قرات میں۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی تمام باتوں کو بتلانے میں بخیل نہیں ہیں۔ بلکہ ہر ایک کو سکھلا دیتے اور بخشش کر دیتے ہیں۔ یہی مطلب تفسیر جلالین ص ۴۹۰ میں مذکور ہے جہاں اسی آیت شریف کی تفسیر کی گئی ہے۔ اور تفسیر جمل بر حاشیہ تفسیر جلالین شریف زیر آیت مبارکہ عالم الغیب فلا یظہر الخ۔ ترجمہ

یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی جگہ علم غیب کی نفی اپنے نفس شریف سے فرمائی ہے۔ تو یہ حق تعالیٰ سے تو اضع ہے۔ اور اپنی عبودیت کا اقرار ہے۔ اور معنی آیت کے یہ ہیں۔ کہ میں خود بخود غیب نہیں جانتا۔ مگر حق تعالیٰ مجھے غیب پر مطلع فرما دیتا ہے۔

آیت (۴) وعلمک ما لم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما۔ (سورہ نساء مدنی)۔ ترجمہ اور اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تمام علوم تم کو سکھلا دیے۔ جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔ تشریح۔ اس آیت کے متعلق مفسرین متفق ہیں۔ کہ تجھے اے نبی وہ باتیں سکھلائیں۔ جن کو تو نہیں جانتا تھا) اس عبارت کا مفہوم احکام شرعی اور امور نہیں ہیں۔

تفسیر مواہب الرحمن میں ہے۔ کہ فرمایا حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان دنیا و آخرت۔ عرش و فرش۔ آسمان و زمین۔ تمام کائنات اجرام فلکی کا علم اور حلال و حرام سکھلا کر اپنی مخلوق پر حجت کیا۔

صاحب تفسیر خازن اسی آیت کے تحت میں لکھتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ وہ سب کچھ تم کو سکھلا دیا جو آپ نہیں جانتے تھے یعنی احکام شرع و امور دین و امور غیبیہ اور یہ بھی قول ہے۔ کہ علمک سے علم غیب ہی مراد ہے جو حضور نہیں جانتے تھے۔ اور بعض علما نے فرمایا۔ کہ اس کے معنی ہیں۔ کہ تمام خفیہ اور مخفی باتیں سکھلا دیں۔ اور خبردار کر دیا۔ تمام لوگوں کے دلوں کی خفیہ باتوں پر اور تمام منافقین کے حالات اور انکے مکروں پر آگاہ

کر دیا۔ جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہمیشہ سے ہے۔ آپ پر فضل اللہ تعالیٰ کا عظیم۔ کہ آپ کو علم غیب عطا ہوا۔

تفسیر روح البیان جلد ششم ص ۲۴ جس کی عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ کا (صلی اللہ علیہ وسلم) علم جمیع معلومات غیبیہ ملکوتیہ کو محیط ہو گیا۔ جیسا کہ حدیث بحث ملائکہ میں آیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ حق تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے شانوں پر رکھا۔ پس اس کی خنکی میری چھاتیوں میں پکچی۔ پس جان لیا میں نے علم اولین و آخرین کا اور دوسری روایت میں فرمایا۔ علم اس چیز کا جو ہو چکی ہے۔ اور اس کا جو آئندہ ہوگی۔

تفسیر کبیر مصری جلد سوئم صفحہ ۳۱۰ سطر ۳۱ میں اسی آیت کے ماتحت یوں لکھا ہے۔ یعنی یہ بزرگ تر دلائل سے ہے۔ علم کے اشرف فضائل اور مناقب ہونے پر بدیں وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وما اوتینم من العلم الا قليلا۔ یعنی مخلوق کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ اور ایک برگزیدہ ہستی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مخلوق کے علوم سے جو حصہ ملا۔ تو وہ بھی تھوڑا ہی ہے۔ پس اس تھوڑے کو اللہ تعالیٰ نے بہت فرمایا۔ اور اس قدر بڑھایا۔ کہ اس کے علم میں ساری دنیا کا نام بھی تھوڑا ہی فرمایا۔

تفسیر عزیزی سورہ بقرہ ص ۱۱ سطر ۱۳ میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء میں سے سات غیبیوں کو سات علم صراحتاً فضیلت فرمائے ہیں۔ حضرت آدمؑ کو علم لغت۔ جیسے فرمایا وعلم ادم الا سماء کلھا۔ حضرت خضرؑ کو علم فراست وعلمناہ من لانا علماء حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تعبیر و علمنی من تاویل الاحادیث۔ حضرت داؤدؑ کو علم صنعت وعلمنا

صنعتہ لبوس لکم۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم منطق الطیر۔ یعنی جانوروں کی بولی جانتا۔ کہ علمنا منطق الطیر۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو علم تورات و انجیل اور اسکی حکمت۔ جیسے فرمایا۔ وعلما الکتاب والحکمت والنورۃ والا نجیل۔ اور حضرت سید عالم محبوب مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم اسرار غیب جیسے فرمایا علمک مالک تکن تعلم (بلفظہ)

تفسیر جلالین ص ۸۵ سطر ۴ زیر آیت علمک مالک تکن تعلم فرمایا گیا ہے۔ کہ من الاحکام والغیب۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمانا۔ کہ اے رسول سکھلا دیا تم کو جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے۔ وہ تمام احکام اور امر و نواہی اور غیب کے علوم ہیں۔ تفسیر جامع البیان میں اسی آیت کے ماتحت یوں ارشاد ہے۔ کہ یہ آیت شریفہ مخفی امور کی تعلیم کے متعلق ہے۔ اسی آیت شریف کے ماتحت تفسیر مدارک کی یوں عبارت ہے۔ علمک مالک تکن تعلم من امور الدین والشرائع ومن خفیۃ الامور وضمانا القلوب۔ یعنی یہ آیت شریف کہ اے رسول سب کچھ تم کو سکھلا دیا۔ جس کو آپ نہیں جانتے تھے۔ وہ تمام امور دین کے اور شریعت کے اور تمام غیب کی باتیں اور تمام لوگوں کے دلوں کے بھید اور اندرونی حالات ہیں۔

آیت۔ (۵) وانبتکم بما تا کلون وما تدخرون فی بیوتکم۔ ان فی ذالک لا یتہ لکم ان کنتم مومنین۔ (آل عمران) ترجمہ۔ اور میں بتا دیتا ہوں تم کو جو کچھ کھا کر آؤ تم اور جو کچھ رکھ آؤ تم بیچ گھروں اپنے کے۔ اس میں تم کو پوری نشانی ہے۔ اگر تم یقین رکھتے ہو۔

تشریح۔ اس آیت شریفہ میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے لوگوں میں پانچ معجزات پیش کئے تھے۔ اول مٹی سے پرند کی صورت بنانا۔ اور اس کو ہاذن اللہ پھونک دے کر صحیح جاندار پرند کی طرح اڑا دینا۔ دوسرا مادر زاد اندھے کو بینا کر دینا۔ تیسرا کوڑھی کو اچھا کرنا۔ چوتھا مردے کو زندہ کرنا۔ پانچواں علم غیب کے ذریعہ یہ بتانا کہ بنی اسرائیل کیا کھا کر حضرت کے پاس آئے ہیں۔ اور ان کے گھروں میں کیا پونجی پڑی ہے۔ اور ضرورت اس پانچویں معجزے کی اس لئے ہوئی۔ کہ بنی اسرائیل کے کم بختوں نے کہا۔ کہ مردے زندہ کرنا تو جادو ہے۔ کوئی ایسی نشانی غیب دانی کی ہم کو بتاؤ جس سے ہم کو تمہاری نبوت کا یقین ہو جائے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس طرح بتانا شروع کیا۔ اور یہی کمالین میں لکھا ہے۔ اور روایت حضرت عمار ابن یاسر کی بھی آئی ہے۔ جس میں یوں ذکر ہے۔ کہ بنی اسرائیل نے درخواست کی تھی۔ کہ پروردگار ہمارے واسطے آپ کی دعا سے آسمان سے دسترخوان کھانے کا نازل فرمایا کرے۔ تو آپ نے عہد لیا تھا۔ کہ کھایا کرو۔ مگر ذخیرہ نہ کرنا۔ اور پاس جمع نہ کرنا۔ چنانچہ انہوں نے اقرار کیا۔ پھر کھاتے اور رکھ بھی چھوڑتے اور پوشیدہ طور پر بدعہدی بھی کرتے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو بتلانا شروع کر دیا کہ اے فلا نے تو نے یہ کھایا اور یہ جمع کر دیا ہے۔ تا آنکہ اللہ نے ان کو خنزیر کر دیا۔ معاملہ میں سدی سے روایت ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام لڑکوں کو مکتب میں بتلا دیا کرتے تھے۔ کہ تیرے والدین نے یہ کھایا۔ اور یہ تیرے لئے رکھ چھوڑا وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال روایات مختلفہ ہوں یا کچھ۔ شان نزول یا وجہ

اشاعت کوئی ہو۔ ہمارا مطلب حاصل ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام غیب جانتے تھے۔ اور قرآن کریم بیان فرماتا ہے۔ کہ لوگوں کو بتایا بھی کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کے ایمان درست ہوتے۔ اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کرتے تھے۔ ہم نے تمہید میں عرض کیا تھا۔ کہ قرآن کریم نے بعض انبیاء علیہم السلام کا غیب بیان فرمایا ہے۔ جو حضور سرور کائنات سے پہلے تھے۔ اور حضور علیہ السلام کے مقابلہ میں مدارج نبوت میں کم درجہ رکھتے ہیں۔ پھر جب ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اپنے مولا و آقا تاجدار کو نین کو جمیع انبیاء سے افضل اور تمام مرسلین کا سردار مانتا ہے۔ تو کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ وہ دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں رسول اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمی مرتبت کو جائز رکھے۔ اور یہ کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو غیب جانتے تھے۔ یعقوب علیہ السلام غیب جانتے تھے۔ خضر اور موسیٰ علیہم السلام غیب جانتے تھے۔ نوح غیب جانتے تھے۔ یوسف علیہ السلام غیب جانتے تھے مگر افضل الرسل محمد رسول اللہ نہیں جانتے تھے۔ تمام انبیاء کو جو نعمت حضور علیہ السلام کی طفیل ملی۔ وہ تو سب اس کے حامل ہیں۔ مگر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محروم سمجھے جائیں۔

بریں عقل و دانش بباہد گریست

اللہ تعالیٰ ایسی کم فہم لوگوں کو توفیق عطا فرمائے۔ کہ مراتب سرکار دو جہاں کی معرفت اور تیز کر سکیں۔

آیت (۶) ولا یحیطون بشئی من عملہ الا بما شاء (بقرہ) ترجمہ۔

اور وہ موجودات اس کے معلومات سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لا سکتے۔ مگر وہ جس قدر جس کو دیتا چاہے۔

تشریح۔ اس آیت شریف سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ معلومات الہی کا احاطہ موجودات دنیا سے کوئی ہستی نہیں کر سکتی۔ مگر وہ خود جس کو جس قدر عطا فرما دے۔ تو گویا کل یا بعض علم کا احاطہ علم الہی سے کرنا اپنی اٹکل اور قدرت سے بدوں عطائے ایزدی محال ہے۔ اور جن کو عطائے الہی سے ہو جائے۔ اس کا انکار صریح کج فہمی اور لاعلمی ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ نعمت پر کفران نعمت ہے۔ اگر اظہار نعمت نہ کیا جائے۔ اور اسی رنگ میں کسی پر عطیہ کا انکار بھی جہالت ہے۔ یہ بھی عطائے الہی سے انحراف ہے۔ کیا اس آیت میں صاف مفہوم نہیں۔ کہ علم الہی سے کسی کو حصہ ملنا اور بالخصوص انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان جو محبان خدا ہیں۔ ممکنات سے ہے۔ اور اگر اس آیت سے علم غیب کی نفی ہے۔ تو اس کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس کا مطلب ظاہری علم سے لیا جائے گا۔ تو ظاہری علم کا انکشاف تو اس کے نزول سے پہلے ہی ثابت ہے۔ اس جملہ سے مقابل جملہ کا مطلب شفاعت کے متعلق تھا۔ جیسے وہاں سے مخلوق کا شافع ہونا مراد ہے۔ خواہ وہ انبیاء۔ اولیاء صلحاء علماء۔ شہداء ہوں ویسے ہی علم کی بعض کے لئے مستثنیٰ ہو کر دلیل ہے۔ کہ امر الہی سے علم غیب کا عطیہ ہو سکتا ہے۔ اور اس کا انکار شیطانی وساوس سے ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے۔ کہ وہ علم ربوبیت حق اور اس کے جلال کا ہے۔ بحر الحقائق میں لکھا ہے۔ کہ جو کچھ ہو چکا یہ اس کا علم ہے۔ کہ حق

سبحانہ تعالیٰ نے شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ جیسا کہ معراج کی حدیثوں میں وارد ہے۔ تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے روبرو میری امت پیش کی گئی۔ اپنی اصلی صورتوں میں جو مٹی میں تھیں۔ جیسی کہ تمام اولاد حضرت آدمؑ کے روبرو پیش کی گئی۔ تب میں نے جان لیا۔ ہر شخص کو جو مجھ پر ایمان لائے گا اور جو ایمان نہ لا کر کافر رہے گا۔ پس یہ بات جب منافقین کو پہنچی۔ تو انہوں نے مسخری سے کہا۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دعویٰ کرتے ہیں۔ کہ میں جانتا ہوں۔ اس شخص کو جو مجھ پر ایمان لائے گا۔ اور جو کافر رہے گا۔ اگرچہ وہ اب تک پیدا بھی نہیں ہوا۔ حالانکہ ہم ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور وہ ہم کو بھی نہیں پہچان سکتے۔ اور نہ اب تک انہوں نے ہم کو جانا ہے۔ پس منافقین کی اس گفتگو سے اطلاع پا کر حضورؐ فوراً ممبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کر کے فرمایا۔ کہ جو میرے علم (غیب) پر طعن کرتے ہیں۔ وہ قیامت تک کے حالات مجھ سے پوچھیں۔ میں ان سب کو بتلاؤں۔ پس کھڑا ہوا عبد اللہ ابن حذیفہ جس کے باپ کے بارے میں لوگ شک کرتے تھے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ بیان فرمائیے۔ میرا باپ کون ہے۔ تو جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیرا باپ حذافہ ہے اسی وقت حضرت عمرؓ اٹھ کھڑے ہوئے یا رسول اللہ ہم اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔ جو ہمارا رب ہے اور اسلام سے جو ہمارا دین ہے۔ اور قرآن سے جو ہمارا امام ہے۔ اور حضورؐ سے کہ ہمارے نبی اور رسول ہیں پس معاف فرمائیے ہمیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف

فرمائے تب فرمایا حضورؐ نے کہ کیا تم نہیں پوچھتے۔ اور تم نے پوچھنے سے بس کر دی۔ اس وقت حضورؐ منبر سے اتر آئے۔ کیا یہ دعویٰ غیب نہیں تو کیا تھا۔ اسی قسم کی دوسری انتیس ۲۹ آیات ہمارے پیش نظر اور ہیں۔ جن کو ہم اس لئے درج نہیں کرتے کہ مختصر تحریر طول پکڑ جائے گی۔ جسے ضرورت ہو فقیر کا رسالہ علم غیب اور کتاب الکلمۃ العلیا حضرت مراد آبادی دیکھے۔

احادیث نبویہ فی علوم غیبیہ۔ حدیث (۱) عن طارق بن شہاب قال سمعت عمر رضی اللہ عنہ يقول قام فینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقاما فَاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم واهل النار منازلهم حفظ ذالک من حفظہ ونسبہ من نسبہ (صحیح بخاری جلد دوم کتاب بدء الخلق ص ۱۳۹ سطر ۲۵)

ترجمہ۔ طارق بن شہاب سے روایت ہے۔ کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سنا۔ فرماتے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے میں (صحابہ میں) ایک مقام پر کھڑے ہوئے۔ اور ہم کو خبر دے دی تمام ابتدائے دنیا سے لے کر قیامت تک کی باتوں کی یہاں تک کہ ہستی اپنی جگہوں میں داخل ہوں۔ اور روزِ نبی اپنی جگہوں میں۔ یاد رکھا اس بات کو جس نے یاد رکھا۔ اور جو بھول گیا سو بھول گیا۔ یہی حدیث مشکوٰۃ شریف ص ۵۰۶ سطر ۶ مطبع محتبائی میں درج ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ کہ رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہماری مجلس میں قیام فرما کر اور ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتوں اور دوزخیوں کے اپنی اپنی منزلوں میں

داخل ہونے تک کی خبر دیدی اور یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا اور بھلا دیا۔ جس نے بھلا دیا۔

حدیث (۲) عن انس رضی اللہ عنہ۔ قال سنا لوالنبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی احضرہ بالمسئلۃ مصعدا لنبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم المنبر فقال الا تسئلونی عن شئی الا ینت لکم لجمعت النظر بيميننا "وشمالا" فاذا کل رجل راسہ فی ثوبہ یمکی فانشاء رجل اذا لا جی یدعی الی غیرہ لقال یا نبی اللہ من ابی لقال ابوک حذافہ ثم انشاء عمر فقال رضینا باللہ رہا وہالا سلام دنیا وحمد رسولہ۔ نعوذ باللہ من سوء الخلق فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما رايت فی الخیر والشرا الیوم قط انه صورت لی الجنة والنار حتی رايتهما دون العائط۔ (صحیح بخاری جلد چہارم کتاب الفتن ص ۲۱۱ سطر ۳۵ مطبوعہ مصری) ترجمہ۔ یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی بابت پوچھا اور سوال کرنے میں بہت اصرار کیا۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اور فرمایا پوچھو جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو۔ تاکہ میں بیان کروں۔ ادھر ادھر دائیں بائیں میں نے نظری تو معلوم ہوا کہ ہر ایک شخص اپنے منہ پر کپڑا ڈالے ہوئے رو رہا ہے۔ اتنے میں کھڑا ہوا ایک آدمی جس کو جھگڑے کے وقت اس کے باپ کے سوا اور کسی کی نسبت کرتے تھے۔ اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے۔ میرا باپ کون ہے۔ اس وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تیرا باپ حذافہ ہے۔ پھر حضرت عمر

رضی اللہ عنہ فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ ہم راضی ہوئے اللہ پر جو ہمارا رب ہے۔ اور اسلام پر جو ہمارا دین ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ہمارا رسول ہے۔ ہم خلق کی برائی سے پناہ مانگتے ہیں۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میں نے آج کے دن کا سا خیر اور شر نہیں دیکھا۔ تحقیق وہ متشکل دکھائی دئے بہشت اور دوزخ یہاں تک کہ میں نے دونوں کو اس دیوار کے ادھر دیکھا۔

تمام احادیث کا عربی متن چونکہ کتاب کے حجم کو زیادہ کر دے گا لہذا سب کا ترجمہ بہ تفصیل حوالہ لکھا جاتا ہے۔ جو دیکھنا چاہے بے شک نکال لے۔

حدیث (۳) مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۳ سطر ۱۰ باب المعجزات کا ترجمہ عمرو بن الخطاب انصاری سے روایت ہے۔ کہ نماز پڑھائی ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فجر کی۔ اور منبر پر چڑھے۔ پس ہمارے لئے خطبہ فرمایا۔ یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آگیا۔ پھر اترے منبر سے اور نماز ظہر کی پڑھی۔ پھر منبر پر چڑھے اور خطبہ فرمایا۔ یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت آگیا۔ پھر اترے اور نماز عصر کی پڑھی۔ پھر منبر پر چڑھے اور ہمارے لئے خطبہ فرمایا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوا۔ یعنی تمام روز وعظ ہی میں گزرا پس خبر دی ہم کو ساتھ اس چیز کے کہ ہونے والی ہے قیامت تک۔ یعنی وقائع اور حوادث اور عجائبات قیامت کے بیان فرمائے۔ پس اس میں بہت سے معجزے ہوئے۔ کہا عمرو نے پس دانا ترین ہمارا ہے۔ (یعنی اب) بہت یاد رکھنے والا اس دن کو (از مظاہر الحق مطبوعہ نول کشور ربع چہارم ص

۶۱۳) اور یہی حدیث (حدثنی ابو زید) سے شروع ہوتی ہے۔ صحیح مسلم جلد دوم ص ۳۹۰ سطر ۲۷ میں۔ جو عمرو بن الخطاب سے روایت کی گئی ہے لیکن بعض الفاظ کی تقدیم و تاخیر ہے۔

حدیث (۴) مشکوٰۃ شریف کتاب الفتن فصل اول ص ۳۶۱ سطر ۸ کا ترجمہ۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کھڑے ہوئے ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہونا۔ یعنی خطبہ پڑھا اور وعظ فرمایا۔ اور خبر دی ان فتنوں کی کہ ظاہر ہوں گے۔ نہیں چھوڑی کوئی چیز کہ واقع ہونے والی تھی۔ اس مقام میں قیامت تک مگر کہ بیان فرمایا۔ اس کو یاد رکھا اس شخص نے جس نے یاد رکھا اور بھول گیا اس کو جو شخص اس کو بھول گیا۔ یعنی بعضوں نے یاد رکھا اور بعضوں نے بھلا دیا۔ کہا حذیفہ نے کہ تحقیق جانا ہے اس قصہ کو میرے ان یاروں نے یعنی جو موجود ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم سے اور بعضے نہیں جانتے ہیں۔ اس کو مفصل اس لئے کہ واقع ہوا ہے۔ ان کو کچھ لسان جو خواص انسان سے ہے۔ اور میں بھی انہی میں سے ہوں کہ جو کچھ بھول گئے ہیں جیسے کہ بیان کیا اپنے حال کو اور تحقیق شان یہ ہے کہ البتہ واقع ہوئیں ان چیزوں میں سے کہ خبر دی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چیز کہ تحقیق بھول گیا ہوں میں اس کو۔ پس دیکھتا ہوں میں اس چیز کو پس یاد میں لاتا ہوں میں اس کو جیسا کہ یاد دلاتا ہے شخص چہرہ شخص کا۔ یعنی بطریق اجمال و ابہام کے جب کہ غائب ہوتا ہے اس سے اور فراموش کرتا ہے اس کو ساتھ تفصیل و تشخیص کے پھر جب کہ دیکھتا ہے اس کو پہچان لیتا ہے۔ اس کو شخص یعنی ایسے ہی میں وہ باتیں بھولا ہوا ہوں۔

لیکن جب کہ کوئی بات ان سے واقع ہوتی ہے۔ تو پہچان لیتا ہوں۔ کہ یہ وہی ہے۔ جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ نقل کیا اس کو بخاری اور مسلم نے اور اسی طرح یہ حدیث کتاب مظاہر الحق ص ۳۱۳ سطر ۱۳ میں درج پائی گئی ہے۔ اور کچھ الفاظ کی کمی سے اسی مضمون کی حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح مسلم جلد دوم ص ۳۹۰ سطر ۱۸ میں ہے۔ اور کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد چہارم ص ۶۹۶ سطر ۱۰ میں بھی یوں ہی ہے۔ اور اسی کی فارسی شرح کی عبارت یوں ہے۔ روایت از حذیفہ است۔ کہ گفت ایستاد و رما آنحضرت یعنی خطبہ خواند و عطا گفت۔ ایستادنی کہ نگذاشت چیزے کہ باشد۔ وقوع یا بدنی در آن مقامے کہ ایستادہ بود تا روز قیامت یعنی نگذاشت دریں مقام چیزے را از ما و قائل کہ شدنی است تا روز قیامت

حدیث (۵) کتاب صحیح بخاری جلد چہارم باب الاعتصام بالکتاب والسنتہ ص ۸۵ سطر ۱۹ کا ترجمہ۔ حضرت ظہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ مجھ کو خبر دی انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحقیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت سورج ڈھلا۔ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے۔ اور نماز ظہر پڑھی اور منبر پر تشریف فرما ہوئے اور قیامت کے آنے کا حال بیان فرمایا اور فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے اہم امور ہونے والے ہیں۔ پھر فرمایا کوئی شخص ہے۔ کہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے پس پوچھ لے مجھ سے قسم ہے اللہ کی جو کچھ خبر بھی پوچھو گے میں بتاؤں گا۔ جب تک میں یہاں کھڑا ہوں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ لوگ بہت روئے اور بہت دفعہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ سوال کرو مجھ سے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا۔ اس نے پوچھا۔ کہ میرے داخل ہونے کی جگہ کہاں ہے۔ فرمایا حضورؐ نے کہ تیری جگہ دوزخ میں ہے پھر اٹھا عبد اللہ بن حذافہ اور سوال کیا۔ کہ یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے پھر فرمایا کہ اور پوچھو مجھ سے آخر حدیث تک فقط

حدیث (۶) مشکوٰۃ شریف باب المساجد ص ۶۹ سطر ۲ کا ترجمہ۔ عبد الرحمن بن عائش سے مروی ہے۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ فرمایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے اپنے رب عزوجل کو اچھی صورت میں دیکھا۔ فرمایا رب نے کہ ملائکہ کس بات میں جھگڑا کرتے ہیں میں نے عرض کیا۔ کہ تو ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پھر میرے رب عزوجل نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے شانوں کے درمیان رکھا میں نے اس کے وصول فیض کی سردی اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان پائی۔ پس جان لیا میں نے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال کے مطابق یہ آیت تلاوت فرمائی و کذا لک الا بتہ یعنی دکھائے ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملک آسمانوں اور زمینوں کے تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اس عبارت میں وضع کف مزید فضل اور نہایت تحقیق اور ایصال فیض اور عنایت و کرم اور تائید و انعام سے کنایہ ہے اور سردی پانا دونوں چھاتیوں میں وصول اثر فیض اور حصول علوم سے کنایہ ہے۔ اس حدیث شریف سے آفتاب کی طرح روشن ہو گیا۔

کہ ہمارے مولا و آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم مرحمت ہوا
 حدیث (۷) صحیح بخاری مصری جلد چہارم کتاب الفتن ص ۲۲ سطر ۱۲ کا
 ترجمہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ
 علیہ وسلم نے کہ یا اللہ ہمارے ملک شام میں برکت فرما۔ اور اے اللہ
 ہمارے ملک یمن میں برکت دے۔ اور کما نجد والوں نے کہ ہمارے ملک
 نجد کے واسطے بھی برکت کی دعا فرمائیے۔ پھر دوبارہ فرمایا حضور علیہ السلام نے
 کہ یا اللہ ہمارے ملک شام میں برکت عطا فرما۔ اور ہمارے ملک یمن میں
 برکت دے۔ پھر نجدی بولے۔ کہ ہمارے ملک نجد میں بھی برکت ہو۔ پس
 رادی کا گمان ہے کہ یہ دعائیں دفعہ مانگی گئی۔ اور نجد والوں کے حق میں
 فرمایا۔ کہ وہاں زلزلے اور فتنے پیدا ہوں گے۔ اور وہاں ایک شیطان کا
 سینک نکلے گا۔ یہ حدیث شریف بطور پیشین گوئی کے ہے۔ جس پر علماء و
 محدثین متفق ہیں۔ کہ اس کا ظہور ۱۲۰۰ھ میں ہو چکا ہے۔ تفصیل واقعہ کے
 لئے دیکھو کتاب رد المحتار شامی کے باب البغات میں اس کی مکمل تشریح
 ہے۔

حدیث (۸) مواہب اللدنیہ میں طبرانی سے بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ
 مروی ہے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ جل شانہ نے
 میرے لئے دنیا کو بظاہر فرمایا۔ پس میں دنیا کی طرف اور جو کچھ اس میں
 تاقیامت ہونے والا ہے۔ سب کی طرف اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسی اپنی
 اس ہتھیلی کی طرف۔

علامہ زر قانی شرح مواہب قسطلانی جلد ۷ صفحہ ۲۳۲ میں لکھتے ہیں

کہ اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے دنیا ظاہر فرمائی۔
 حضور علیہ السلام نے تمام اس میں کے حالات و حقائق کا احاطہ فرمالیا۔ اور
 یہ ارشاد کرنا کہ میں اس کو اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے۔ سب کو
 مثل اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کے دیکھ رہا ہوں۔ اور ملاحظہ فرما رہا ہوں۔ اس سے
 حقیقتاً دیکھنا آنکھ کا مراد ہے۔ نہ کہ نظر کے مجازی معنی فرمائے گئے ہیں۔

الغرض احادیث کی تعداد اس حد تک ہے۔ کہ اگر ان سب کو یہاں ذکر کیا
 جائے تو ایک ضخیم کتاب علیحدہ تیار ہو جائے۔ اصلاح عقیدہ اور درستی ایمان
 کے لئے جو نقل کر دی ہیں یہی کافی ہیں۔ اور خدا کے فضل سے ہمارے
 مفہوم کی پوری پوری وضاحت فرماتی ہیں۔ اور ان سے یہ ثابت ہو گیا ہے۔
 کہ احادیث مندرجہ کے تمام ارشادات و ملفوظات میں حضور علیہ السلام
 والتحیۃ کا آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے۔ جان لینے کا ارشاد تمام علوم
 جزوی و کلی کے حاصل ہونے اور احاطہ کرنے کا بین ثبوت ہے۔ ورنہ یہ کہ
 حضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ اور آئندہ تم سے پہلوں اور تم سے بعد
 والوں۔ دنیا اور عقبی کے جمیع احوال کی آسمانوں اور زمینوں کے مغیبات کی
 خبر دیتے ہیں۔ مگر اس سے جل شانہ کے علم سے کوئی برابری نہیں اور نہ ہی
 اہل سنت اس کے قائل ہیں فالحمد للہ۔ جیسا کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ
 عنہ فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلوٰۃ اللہ علیہ نے ہم سے ایسے وقت میں
 مفارقت فرمائی۔ کہ کوئی پرندہ ایسا نہیں۔ کہ اپنے بازوؤں کو ہلائے۔ مگر حضور
 علیہ السلام نے ہم سے اس کا بھی بیان فرما دیا ہے کیا اب بھی شبہ ہو سکتا
 ہے۔ کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا دیا ہوا بھی علم غیب نہیں۔ اور جو

مانے وہ مشرک ہے۔ یا یہ ماننا پڑے گا۔ کہ سرکارِ مدینہ کی وسعت علم کو خبیث باطنی نہیں تسلیم کرنے دیتا۔ اگر یہ خیال نہ ہو تا کہ لوگ بڑی کتاب کا مطالعہ نہیں کرتے اور مختصر لکھنے کی ضرورت ہے۔ تو بفضلہ تعالیٰ اس مضمون کو اتنا طویل لکھتا۔ کہ مخالفین کی آنکھیں انوارِ نبوت کو دیکھ کر روشن ہو جائیں۔

وہ اندھے ہیں جو ہیں منکرِ نبی کی غیب دانی کے
اندھیرے میں ہیں اب تک شمعِ کافوری کے پروانے

مختصر عقائد دیوبندیہ

چونکہ بعض ہمارے سنی حنفی بھائی غیر مقلدوں اور دیوبندیوں کے
مذہب اعتقاد سے واقف نہیں ہیں اور ان کی چکنی چیزیں باتوں سے نہیں سمجھ
سکتے کہ وہ حلوے میں زہر دے کر کیونکر ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ اس لئے
فقیر اس مختصر باب میں ان کے مختصر عقائد کا مختصر اشارات کے ساتھ ذکر
کرتا ہے جو اہل سنت والجماعت متقدمین و متاخرین کے خلاف ان کے
اماموں۔ پیشواؤں یعنی مولوی محمد اسماعیل صاحب دیوبند۔ مولوی رشید احمد
صاحب گنگوہی۔ مولوی خلیل احمد صاحب اینٹھوی مولوی اشرف علی صاحب
تھانوی وغیرہم نے لکھ کر اپنی توحید پرستی اور عشق رسالت کا پرچار کیا ہے
بفضلہ تعالیٰ کوئی بات ان کے ذمہ ایسی نہ لکھی جائے گی جس کا ثبوت برج
کتاب ص سطر نہ لکھا جائے گا تاکہ کسی کو مجال انکار نہ ہو۔ اور ہمارے حنفی
سنی بھائی ان عقائد کے معلوم کرنے کے بعد ان کی حنفیت ظاہر کے فریب
میں نہ آئیں اور یہ خوب سمجھ لیں کہ آخر علماء عرب و عجم میں سے کسی نے
ان کی تکفیر کسی نے تضلیل اور کسی نے تفسیق جو کی ہے وہ بلا وجہ تو نہیں
پھر یہ کس طرح ہو سکا ہے کہ ہمارے علماء کرام تو ان کو ان کی بد عقیدگی کی
وجہ سے مومن نہ مانیں (کیونکہ عقیدہ صحیح ہی ایمان کا نشان ہے) اور آپ
ان کو صرف مومن ہی نہیں بلکہ ساتھ راہنما ہونے کا شبہ بھی کرنے لگیں
دیکھئے مولوی رحمت اللہ صاحب ہاجر مکی علیہ الرحمۃ (جن کو مولوی رشید

احمد و خلیل احمد براہین قاطعہ کے ص ۱۸ سطر ۴ میں ہمارے شیخ الہند اور ص ۲۷۶ سطر ۲ میں تمام علمائے مکہ پر فائق اور اعلم بتلا رہے ہیں بعد انکشاف حالات مولوی رشید احمد صاحب کی نسبت تقدیس الکیل مطبوعہ مطبع صدیقی ۱۳۱۳ھ المقدس ص ۳۰۷ سطر ۱۸ میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ میں جناب رشید احمد کو رشید سمجھتا تھا وہ میرے گمان کے خلاف کچھ اور ہی نکلے (غیر رشید) جس طرف آئے ایسا تعصب برتا کہ اس میں ان کی تقریر و تحریر دیکھنے سے رونگھٹھے کھڑے ہوتے ہیں پھر ان کی تمام باتیں بیان فرما کر ص ۳۰۹ سطر ۱۹ میں لکھا ہے۔ کہ میں اپنے معجبین کو منع کرتا ہوں کہ حضرت مولوی رشید احمد اور ان کے چیلے چانٹوں کے ایسے ارشادات نہ سنیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ مجھ پر کھلم کھلا تیرا ہو گا۔ لیکن جب جمہور علمائے صالحین اور اولیائے کاملین اور رسول رب العالمین اور جناب باری جہان آفرین ان کی زبان اور قلم سے نہ چھوٹے تو مجھ کو کیا شکایت ہو گی۔ پھر ص ۳۱۰ سطر ۵ میں یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ میں اس زمانہ کی حالت اور مولوی رشید احمد صاحب اور ان کے چیلے چانٹوں کی تحریر اور تقریر سے پناہ مانگتا ہوں۔ پس اے میرے عزیز سنی بھائیو۔ تم کو بھی بعد معلوم ہو جانے ان چند عقائد کے بموجب ہدایت حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب ماجر کی ان کی طبع شدہ باتوں کی طرف ہرگز ہرگز التفات نہیں کرنا چاہئے۔ اور بموجب ارشادات مولوی صاحب ممدوح صدر ان نام نہاد صورت کے حنفیوں اور سیرت کے وہابیوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ مانگی چاہئے اور ان کی صحبت سے بھاگنا چاہئے۔ کہ یہ ایک فتنہ عظیم اور دین و ایمان کے لئے تباہ کن گروہ ہے۔ یہ لوگ

اپنے جدید عقائد و مذہب کی اشاعت میں ہر چیلے سے رات دن مصروف و مشغول ہیں اور ہمارے سنی بھائی بوجہ کم علمی ان کی گندم نمائی کا شکار ہو رہے ہیں۔ نہیں جانتے کہ دیوبندی مشین کس قدر سوت کات چکی ہے اور اس کے تار و پود حنفیت کے پردے میں تیندوے کی طرح عوام کو پھانسنے میں کہاں تک پھیل چکے ہیں۔ کس کس قسم کی چالیں اختیار کر کے ہمارے مذہب حقہ حنفیہ میں رخنہ اندازی کی جا رہی ہے۔ ایسے لوگوں سے بچنے اور ان کے کید و مکر کو سمجھنے کی از حد ضرورت ہے۔ لہذا مندرجہ ذیل عقائد دیوبندیہ کو ہمیشہ سامنے رکھیں اور ان لوگوں کے ایمان کا امتحان کیا کریں۔ جن سے کبھی مذہبی لگاؤ رکھنا ممکن معلوم ہوتا ہو۔

ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ بہت سے گلابی وہابی حنفیوں سینوں کی مساجد میں امامت کے خواہاں ہو کر آئے ہیں اور وہاں رہ کر پھر انہوں نے تقیہ کر کے کچھ وقت گزار کر اپنے عقائد باطلہ کو فروغ دینا شروع کیا ہے حالانکہ وہ عقائد وہ ہیں جن پر ممالک اسلامیہ کے اکثر علماء نے تکفیر کی ہے اور صاف فرما دیا ہے کہ ایسے عقیدہ والا آدمی یا ایسے عقیدے والوں کو اچھا جاننے والا قابل امامت نہیں۔ مگر ہمارے حنفی سنی بھائی بغیر ان کے عقائد معلوم کئے کے ایسے لوگوں کو مسجدیں سپرد کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ بعد ازاں وہی فتنہ و فساد اور اپنی جماعت میں نفاق و انشقاق ہوتا ہے جو اکثر مقامات پر دیکھا گیا ہے اور یہی ان مغلبین کا شیوہ ہے۔ رب العزت ہمارے بھائیوں کو وہ نظر اور مضبوطی عقیدہ کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ ان سے واقف ہو کر اپنے ایمان کو محفوظ فرما سکیں ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ مندرجہ ذیل عقائد پر

مطالعہ کرنے کے بعد ہر ذی علم خود اندازہ لگا کر اعتراف کرے گا۔ کہ اہل سنت والجماعت کے یہ عقائد نہیں ہیں۔ انشاء اللہ

عقیدہ اول :- فتاویٰ رشید یہ حصہ اول مطبوعہ برلا پریس مراد آباد ۱۳۲۴ھ کے صفحہ ۸ سطر ۴ میں تحریر ہے کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آگیا ہے اور عقائد سب کے متحد ہیں اعمال میں فرق حنفی شافعی مالکی حنبلی کا ہے اور حصہ دوم کے ص ۱۳ سطر ۷ میں درج ہے کہ وہابی متبع سنت اور دیندار کو کہتے ہیں۔

مسلمانو! خود انصاف کو کام میں لاؤ اور غور کرو کہ دیوبندی اور وہابی میں کیا فرق ہے جبکہ ان کے مفتی صاحب نے خود ہی فیصلہ کر دیا ہے اور ان کے عقائد و معتقدین کو سراہا ہے حالانکہ علماء اہلسنت والجماعت محمد بن عبد الوہاب نجدی اور اس کے متعین کو خارج از اہلسنت والجماعت جانتے ہیں دیکھو شامی باب البغات میں لکھا ہے کہ حضور انور تاجدار کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نسبت اور اس کے ملک کی نسبت یوں ارشاد فرمایا۔ ہناک الزلازل والفتن وبها یطلع قرن الشیطان۔ یعنی نجد میں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔ یہ اس وقت کا ارشاد ہے۔ جب حضورؐ نے شام اور یمن کے لئے دعا فرمائی تھی اور کسی شخص نے نجد کے لئے بھی دعا فرمانے کو عرض کی تھی۔ تو اس کو

حضور علیہ السلام نے یہ جواب ارشاد فرمایا تھا۔ لہذا علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس دعا کے جواب میں مشار" الیہ یہی محمد بن عبد الوہاب نجدی ہے۔ چنانچہ فی زمانہ بھی اس کی اولاد نے حرمین شریفین پر مسلط ہو کر جو مقابر و مساجد کی بے حرمتی اور اماکن مقدسہ کی توہین کی ہے اس سے دنیائے اسلام کا بچہ بچہ واقف ہے دنیا کے ہر کونہ سے ان کی اس حرکت پر اظہار نفرت ہوا اور علمائے ربانی نے ان کی تردید میں بیشمار رسائل لکھے مگر دیوبندی جماعت کے امام و پیشوا مولوی رشید احمد صاحب ان کی تعریف فرما رہے ہیں۔ اور بہت سے ان کے اس عقیدہ کے حامی نجدیوں کے وظیفہ خوار بن کر آٹھوں پہر اسی شغل میں گزارتے ہیں۔ اور ان کو پکا اہلسنت والجماعت ثابت کرنے میں کوشاں رہتے ہیں کیا اب بھی شک ہے۔ کہ کد ہم جنس باہم جنس پرواز کا مصداق یہ لوگ حنفی ہیں یا وہابی۔ حنفیوں کو ان کی حنفیت کا خیال نہ کرتے ہوئے یہ سمجھ لینا چاہئے۔ کہ ہم مذہب ہی مذہب کی تعریف کیا کرتا ہے۔

عقیدہ دوم :- تقویتہ الایمان مطبوعہ مطبع دہلی ہند پریس کے صفحہ ۱۸ سطر ۱۸ میں ہے۔ کہ غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے دریافت کر لے یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔

اس مسئلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو بھی وہابیوں کے نزدیک غیب کا علم نہیں البتہ چاہے تو دریافت کر سکتا ہے۔ اس کو بھی نعوذ باللہ بالفعل علم غیب حاصل نہیں۔ جب چاہے غیب کی باتیں دریافت کر

سے ملاحظہ فرمائے۔

عقیدہ چہارم :- صراط مستقیم صفحہ ۹۵ مطبوعہ مطبع مجتہبی ۱۳۰۸
ہجری میں ہے صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال اہل از معظمین گو جناب
رسالعتاب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ و خر
خوداست۔ ترجمہ۔ یعنی نماز میں پیر اور ان جیسے بزرگوں کی طرف خیال لے
جانا اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں کتنے ہی درجے اپنے
گدھے اور گائے کے تصور میں ڈوب جانے سے بدتر ہے۔

یہ ناپاک کلمہ قابل غور ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال نماز میں
گائے اور گدھے کے تصور میں ڈوب جانے سے بدتر جہا بدتر ہے۔ لا حول
ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ للہ انصاف کیجئے کہ ایسا کلمہ اسلامی
زبان و قلم سے نکل سکتا ہے ان کا یہ خیال۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا
یہ ارشاد ہے جو آپ نے احیاء العلوم میں بیان فرمایا ہے۔ کہ واحضر فی
قلبك النبی علیہ السلام وشخص الکرم و قل سلام علیک ایہا
النبی ورحمتہ اللہ و بوکاتہ یعنی التحیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو
اپنے دل میں حاضر کر اور حضور کی صورت پاک کا تصور باندھ پھر عرض کر
السلام علیک ایہا النبی ورحمتہ اللہ و بوکاتہ۔ کہاں حضرت امام
غزالی علیہ الرحمۃ کا یہ عقیدہ پاک اور کہاں یہ دیوبندیوں کی خرافات۔
العیاذ باللہ۔

عقیدہ پنجم :- براہین قاطعہ کے ص ۷۷ سطر ۴ میں ہے کہ شیطان و

عقیدہ سوم :- براہین قاطعہ کے ص ۳ سطر ۹ میں ہے۔ کہ امکان
کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا ہے۔ بلکہ قديماً میں اختلاف
ہوا ہے۔ اور وقوع کذب کے معنی درست ہونے کی تصریح بھی کر دی ہے۔
چنانچہ رسالہ صیانتہ الناس عن و سادس العنصر کے اندر مطبوعہ فتوے
موجود ہے۔ جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ مولوی رشید احمد صاحب نے وقوع
کذب باری تعالیٰ کے قائل کو ضال اور فاسق و کافر کہنے سے منع کیا ہے۔

یہ مسئلہ بھی عقائد اہل سنت کے بالکل خلاف ہے۔ دیکھو فتح المبین جس میں
سینکڑوں علمائے بلا و اسلامیہ کی مواہیر و دستخط ثبت ہیں اور تقدیس الوکیل
حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر کی بھی کہ اس مسئلہ میں وہ کس
قدر مخالف ہیں۔ اور یہ ایسا کھلا ہوا مسئلہ ہے۔ کہ عالم تو عالم ایک جاہل بھی
اپنے رب کریم کو کذب و دروغ جیسی قبیح صفت کے ساتھ متصف کرنا گوارا
نہیں کرتا جب مولا کریم کے لئے قادر کذب مانا جائے گا تو اس کا کلام لا
محالہ متحمل کذب ٹھیرے گا اور کلام اللہ لا لائق حجت نہ رہے گا۔ اور جب
کذب کو جو بالا تفاق عقلاء زمانہ عیب و نقص ہے ممکن بالذات مانا اور اس
کا صدور باری تعالیٰ عزاسمہ کے لئے محال نہ جانا تو پھر جملہ عیوب و نقائص
کو صدور بھی ممکن ماننا پڑے گا اور یہ ممنوع بالشان باری تعالیٰ ہے مولا کریم
اپنے کرم سے ایسی بدعتیگی سے محفوظ فرمائے۔ اس مسئلہ کی پوری پوری
تشریح کتاب توضیح العقائد میں موجود ہے۔ جسے وضاحت کی ضرورت ہو۔ اس

ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے دوسرے مقام پر اسی کتاب کے صفحہ ۴۶ پر دکھلایا ہے کہ حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔

اس جماعت کا یہ حال ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بتلایا جاتا ہے کہ دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں رکھتے اور شیطان کے لئے علم محیط زمین کا مان لیتے ہیں۔ شیطان کے لئے یہ وسعت جائز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شرکت سبحان اللہ یہ عجیب شرک ہے کہ شیطان لعین کے ساتھ تو جائز اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ناجائز۔ کیا شرک میں بھی تقسیم ہے اس جماعت کے نزدیک شیطان اور ملک الموت کی وسعت کی نصوص تو موجود ہیں مگر حضور کی علمی وسعت کی نصوص نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ونزلنا علیک الكتاب نبیاً ناکلاً شمسی۔ یعنی اے حبیب ہم نے آپ پر کتاب اتاری جو ہر شے کا روشن بیان ہے اور شے ہر موجود کو کہتے ہیں جس میں لوح محفوظ بھی داخل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کل صغیر و کبیر مستطور کہ اس میں ہر چھوٹی بڑی چیز درج ہے پس اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق آپ کو جملہ موجودات کا علم ہوا۔ اب حضور علیہ السلام کے اپنے ارشادات سے معلوم کیجئے کہ حضور کو کس قدر علم ہے صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد سے غروب آفتاب تک خطبہ فرمایا اور درمیان میں ظہر اور عصر کی نمازوں کے سوا کوئی کام نہیں کیا فاخبونا بما ہو کائن الی یوم القیامتہ لاعلمنا احفظنا یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ پس خبر دی ہم کو آپ نے جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا اب ہم میں سے زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ تر یاد رہا۔ ترمذی شریف میں معراج کے بیان میں ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فعلمت ما فی السموات والارض یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب میرے علم میں آگیا چنانچہ اس حدیث کے ماتحت حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ پس دانستم ہرچہ در آسمانہا و ہرچہ در زمینہا بود عبارت است از حصول تمامہ علوم جزوی و کلی و احاطہ آں۔ یعنی یہ عبارت ہے اس سے حضور علیہ السلام کا علوم جزوی اور کلی کا احاطہ حاصل ہے مگر افسوس کہ یہ لوگ شیطان کے احاطہ علمی کا اقرار کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے وسعت علم کی نفی کرتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ آخر شیطان لعین سے کیا الفت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اس کو اتنا بڑھاتے ہیں اور اتنی فضیلت کے قائل ہیں کہ اس کے علم کی وسعت کی تو نصوص بھی نظر آئیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو عالم علوم اولین و آخرین اور ماکان و مایکون ہیں) کی وسعت علمی کی نصوص نظر نہ آسکتیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

عقیدہ ششم :- فتاویٰ رشیدیہ کے حصہ دوم صفحہ ۱۳ سطر ۱۵ میں ہے کہ

رحمتہ للعلمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے لو صریح نص قرآنی کے خلاف بھی اپنے دعوائے ایمانی کا اظہار کر دیا گیا ہے۔ اور جو کچھ حضور علیہ السلام کے متعلق دل کی گہرائیوں میں عقیدت پوشیدہ تھی ظاہر ہو گئی۔ کہ سرکار کائنات مغفورہ موجودات علیہ التَّحَنُّنِ وَالصَّلَواتِ وَالتَّسْلِیْمَاتِ کا تمام عالم کے واسطے جو رحمتہ العالمین ہونا ایک صفت مخصوصہ اور امت کے لئے خاصہ ایمان تھی۔ اس سے بھی انکار کر دیا اور وما ارسلناک الا رحمتہ للعلمین کی نص کلام اللہ کے بھی منکر بن گئے۔ یہ آیت کیا کسی اور کے حق میں بھی نازل ہوئی ہے۔ جو ان کو انکار کی گنجائش نظر آرہی ہے۔

عقیدہ ہفتم :- حفظ الایمان صفحہ ۷ سطر ۲۱ مطبوعہ مطبع معتبائی میں ہے۔ پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سی مراد بعض غیب ہے یا کل۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ایسا علم غیب تو زید عمر بلکہ ہر صبی مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔ اور اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس کا بطلان دلیل عقلی اور نقلی سے ثابت ہے پھر قادی رشیدیہ جلد ۲ صفحہ ۱۲ میں ہے جو شخص اللہ کے سوا کسی دوسرے کو علوم غیب ثابت کرے وہ بے شک کافر ہے۔

اس عقیدہ کی عبارت کا جواب علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بحث کرتے ہوئے فقیر نے اسی کتاب کے ایک جداگانہ باب میں لکھ دیا

ہے۔ جس کو پڑھنے سے ہر منصف مزاج اور ذی علم مومن اس نتیجہ پر پہنچ سکے گا۔ کہ حضور علیہ السلام کو کس قدر علم غیب ہے اور اس پر کیونکر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ ہر ذی علم مسلمان یہ جانتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کل علوم غیبیہ تو حاصل نہیں مگر بعض علوم غیبیہ الہی سے وہ حاصل ہیں جن کی مماثلت آپ کے غیر میں ناممکن ہے مگر مولوی اشرف علی صاحب نے لکھا ہے کہ اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔ معاذ اللہ۔ یہ جمیع حیوانات و بہائم اور ہر بچے اور پاگل کی تشبیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کس قدر کھلی ہوئی توہین اور گستاخی ہے۔ جو صریح کفر ہے۔ اگر یہی کلمات ان کے یا ان کے کسی مشہور بزرگ کے حق میں کہے جائیں اور ان کے کسی قول یا فعل یا صفت سے کسی کہتے یا کسی گدھے کو مشابہت کرائی جائے تو کتنے جرائغ پا ہوں۔ مگر حضور کی توہین کی پرواہ نہیں۔ کوئی مشرک ہندو۔ یا سکھ یا عیسائی ایسے کلمات توہین کن حضور کی شان میں استعمال کرے تو اس کے لئے ایچی ٹیشن شروع ہو جائے۔ اور گردن زدنی ٹھہرے۔ مگر یہ ہر طرح اپنی تحریروں اور تقریروں میں پیچیدہ عبارتوں کے ماتحت اس کا ارتکاب علانیہ کریں۔ تو نہ گندگار ٹھہریں اور نہ موجب پرسش۔ بلکہ مولوی۔ مولانا۔ حکیم امت اور راہنماؤ پیشوا تسلیم کئے جائیں۔ یہ ہے سرکار دو جہاں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ان مدعیان ایمان کی محبت قلبی و ایمانی جو آپ نے پڑھی۔ نعوذ باللہ العظیم

عقیدہ ہشتم :- تقویت الایمان کے صفحہ ۲۶ میں ہے۔ کہ اللہ سے

زبردست کے ہوتے ہوئے ایسے عاجز لوگوں کا پکارنا۔ کہ کچھ فائدہ اور نقصان نہیں پہنچا سکتے محض بے انصافی ہے۔ کہ ایسے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارہ لوگوں کو ثابت کیجئے پھر اسی کتاب میں انبیاء اولیا کو پکارنے کے سلسلہ میں لکھا کہ ہمارا جب خالق اللہ ہے تو ہم کو چاہئے کہ ہر کام میں اسی کو پکاریں۔ اور کسی سے ہم کو کیا کام جیسے جو ایک بادشاہ کا غلام ہو وہ اپنے کام کا علاقہ دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا کسی چوہڑے چمار کا تو کیا ذکر ہے۔ پھر دوسری جگہ لکھا کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔

قارئین کرام نے اس گستاخانہ مثال کو پڑھ لیا ہے۔ کہ غلام دوسرے بادشاہ سے بھی علاقہ نہیں رکھتا چوہڑے چمار کا تو کیا ذکر ہے۔ گویا اللہ کے یہ مقبول بندے اور انبیاء و اولیاء نعوذ باللہ من ذالک چوہڑوں چماروں کے مانند ہوئے حالانکہ رب العزت نے اپنی عزت کے ساتھ ان کی عزت کا ذکر فرمایا ہے۔ ولله العزة وللسنة وللمؤمنين کے ماتحت عزت افزائی کے لقب سے یاد فرمایا۔ اور یہ بندگان حرص و ہوا ان کو چوہڑے سے چمار جیسے غیر مذہب الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔ ان مقبولان بارگاہ کے درجات و کمالات اللہ تعالیٰ ہی کے اخلاق و کمالات کے پر تو اور عکس ہیں۔ سرکار مدینہ رؤف رحیم کی اوصاف ان لوگوں کی فہم نارسا میں نہیں آتیں۔ آئینہ میں بادشاہ کے عکس کو دیکھ کر یہ کہنا کہ بادشاہ کے آگے چمار اور چوہڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہے کہاں تک قوت ایمانی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو ایسی گستاخی کی توفیق رفیق نہ فرمائے اور نہ یہ ایمان سوز عقیدہ عطا کرے۔ ایسی

بے شمار گستاخیاں معلوم کرنی ہوں تو کتاب کشف ضلال دیوبندی کا مطالعہ فرمائیے۔

عقیدہ نہم :- براہین قاطعہ صفحہ ۳۱ و ۳۸ سطر ۳۷ مطبوعہ مطبع ہلالی شمیم پریس ساڈھورہ میں ہے۔ کہ اب ہر روز کوئی ولادت تکرر ہوتی ہے پس یہ ہر روز اعادہ ولادت تو مثل ہنود کے سانگ کنہیا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں۔ یا مثل روافض کے کہ نقل شہادت اہل بیت ہر سال بناتے ہیں۔ معاذ اللہ سانگ آپ کی ولادت کا ٹھہرا اور خود یہ حرکت قبیحہ قابل لوم و حرام و فسق ہے بلکہ یہ لوگ اس قوم سے بڑھ کر ہوئے وہ تاریخ معین پر کرتے ہیں ان کے یہاں کوئی قید ہی نہیں جب چاہیں یہ خرافات فرضی بناتے ہیں اور فتاوے رشیدیہ ص ۵۰ سطر ۶ میں تحریر ہے کہ عقد مجلس مولود اگرچہ اسمیں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو مگر اہتمام اور تداعی اس میں بھی موجود ہے۔ لہذا اس زمانہ میں درست نہیں پھر براہین قاطعہ کے ص ۳۲ سطر ۹ میں درج ہے کہ یہ قیام صورت اولیٰ میں بدعت و منکر اور دوسری صورت میں حرام و فسق اور تیسری صورت میں کفر و شرک اور چوتھی صورت میں اتباع ہواؤ کبیرہ ہوتا ہے۔ پس کسی وجہ سے مشروع و جائز نہیں۔

مسلمانو! اس دریدہ دہنی کو ملاحظہ فرماؤ کہ کہاں محفل میلاد شریف اور کہاں کنہیا کا سانگ نعوذ باللہ العظیم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ انہی گنگوہی صاحب کے پیرو مرشد فیصلہ ہفت مسئلہ میں مولود اور قیام کو بدلائل قاطعہ و صحیح باہرہ سے ثابت فرما کر صفحہ ۵ سطر ۸

میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔ مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔ پیر و مرشد کا یہ عقیدہ ہے اور مریدین ہنود اور روافض سے بڑھ کر بتلا رہے ہیں اب ان مریدان باخلاص کی زبانی ہی فیصلہ فرمائیے کہ حضرت پیر و مرشد بزرگوار کیا ٹھہرے اور اسی طرح بے شمار علماء و صالحین و اولیاء مقبولین جو صدیوں سے اس فعل مستحسن کے عامل اور پابند چلے آئے ہیں بموجب تحریر گنگوہوں اور انبٹھوہوں کے کیسے ہوئے بلکہ تمام اہل اسلام محفل میلاد النبی کا انعقاد کرنے والے حرام و فسق کے عامل ہو جاتے ہیں نعوذ باللہ من ذالک۔ مواہب اللدینہ میں علامہ احمد بن محمد خطیب قسطلانی شارح صحیح بخاری یوں فرماتے ہیں۔ لا زال اہل الاسلام بمحتفلون بشہر مولود النبی علیہ السلام یعنی ہمیشہ سے اہل اسلام آپ کے پیدائش کے مہینہ میں محفلیں منعقد کرتے چلے آئے ہیں۔ پس یہ سب مصطفیٰ براہین قاطعہ کی بنا پر کون ہوسے بعد افسوس یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ جرات و سوء ادبی صرف انہی مومنوں کا حصہ ہے خداوند تعالیٰ ان لوگوں کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ ایک گروہ ان میں سے وہ ہے جو کسی نیک کام کرنے کی تاریخ معین کرنے کو گناہ سمجھتا ہے دوسرا وہ ہے جو میلاد النبی کی تاریخ معین نہ کرنے کو ہندوؤں سے بدتر جانتا ہے۔ کہیں مدرسہ دیوبند میں جلسہ دستار بندی کے اندر اہتمام و تداعی جائز اور کہیں ذکر الہی اور ذکر جناب رسالتؐ پنہائی کے لئے اہتمام و تداعی حرام۔ اپنی گھر میں نہ بدعت بدعت نظر آئے اور نہ گناہ کبیرہ بھی گنگار کرے۔ شریعت خانہ ساز اسی کا نام ہے۔

دنیا جانتی ہے کہ بلا اہتمام و تداعی کوئی کام نہیں ہو سکتا خواہ دنیا کا ہو یا دین کا۔ اگر کسی شخص کی دعوت کی جاتی ہے تو لا محالہ وقت معین اور مقام معین کرنا پڑتا ہے۔ شادی کی جائے تو پہلے لوگوں کو دن اور تاریخ وقت معین کر کے مدعو کیا جاتا ہے۔ اگر اتنا ہی کہہ دیتا ان کے مذہب میں کافی ہو گا کہ آپ کی دعوت ہے۔ تو بیچارے مہمان کے لئے عجیب مصیبت ہے کہ کس جگہ اور مکان اور کس وقت پر آئے اور اگر دریافت کر لے تو مولوی دیوبندی صاحب کی جان کے لالے پڑ جاویں کیونکہ دن۔ وقت یا تاریخ معین کرتے ہیں تو کافر و مشرک ہوتے ہیں۔ اور کھانا کھلانے سے محروم رہ جاتے ہیں یہ ہے ان کا بے ڈھنگا محققانہ اسلام جس کا نہ سر نہ پاؤں۔ کبھی متقدمین کا فعل حرام کیا جا رہا ہے۔ اور کبھی کسی شے کا رواج عام ہو جانا مستون بنا دیا جاتا ہے۔ بفرض محال نقل کفر کفر نبیاً شد سمجھ کر مان ہی لیا جائے۔ کہ محفل میلاد بدعت ہے تو ان کے فتویٰ کے موجب جب عام رواج ہو گیا تو جائز ہو جانا چاہئے تھا۔ کیونکہ فتاویٰ رشیدیہ کے حصہ دوم میں ایک سائل کا سوال اور اس کا جواب یوں درج ہے۔ کہ کسی سائل نے سوال کیا کہ نعلین چوہی یعنی کھڑاؤں کو مولوی عبدالحی صاحب نے بدعت لکھا ہے۔ اتغاذ النعل من الغضب بدعتہ کما فی القنیہ والحمد للہ۔ اس کا جواب صفحہ ۳۸ پر یوں درج ہے۔ الجواب کسی وقت ناجائز تھی اب درست ہو گئی ہے کہ اس کا عام استعمال ہو گیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ان علماء دیوبندیہ کے نزدیک کوئی ناجائز چیز بھی رواج زیادہ ہو جانے سے جائز ہو جایا کرتی ہے تو پہلے اگر انہوں نے مولود شریف کو ناجائز تسلیم کیا رکھا تو اب جائز ہو جانا

چاہئے تھا۔ کیونکہ آج کل مسلمانوں میں نہایت زور و شور سے رواج ہو گیا ہے آج کل تو وہ پرانے وہابی بھی جو اس مجلس کے نام سے گھبراتے تھے جلسوں اور جلوسوں میں یا رسول اللہ کے نعرے لگاتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ کھڑا نویں یعنی نعلین چوٹی ناجائز ہو کر بھی رواج عام کے ماتحت جائز ہو جاوے۔ مگر محفل میلاد و قیام کے جواز کی کوئی صورت ہی نہ نکل سکے افسوس کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے سوائے عناد کے اور ان کو کچھ بھی یاد نہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

عقیدہ دہم :- فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم کے صفحہ ۱۲ سطر ۵ میں درج ہے کہ جو شخص صحابہ کرامؓ میں سے کسی کی تکفیر کرے وہ ملعون ہے۔ ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے۔ اور وہ اپنے اس کبیرہ کے سبب سے اہل سنت و جماعت سے خارج نہ ہو گا۔

گویا دیوبندی وہابیوں کے نزدیک اہل سنت و الجماعت میں سے صحابی کو کافر کہہ دینے والا بھی سنی ہی رہتا ہے۔ حالانکہ تمام اہل سنت اس بات کو موجب امتیاز رافضی خارجی و سنی جانتے ہیں۔ اور تمام کے نزدیک کسی صحابی کو کافر کہنے والا ہرگز سنی نہیں وہ پکارا رافضی یا خارجی ہے۔

لا تسبوا اصحابی یعنی میرے صحابہؓ کو برا مت کہو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور رافضی خارجی ہی صحابہ کرامؓ کو برا کہتے ہیں۔ سنی کسی صحابی کو برا نہیں کہتے چہ جائیکہ نعوذ باللہ کافر کہیں۔

عقیدہ یازدہم :- فتاویٰ رشیدیہ کے حصہ دوم صفحہ ۱۰۳ سطر ۵ میں

درج ہے۔ کہ ختم تیجہ دسواں وغیرہ سب بدعت و ضلالت ہیں۔ اور صفحہ ۸۰ میں ہے عرس کے باب میں بھی جواب یہ ہے۔ کہ منع ہے۔

اس عام اور مشہور مسئلہ میں بھی یہ بالکل طریقہ سلف صالحین اہل سنت و الجماعت کے بالکل خلاف ہو گئے ہیں۔ حالانکہ باجماع اہل سنت و الجماعت ایصال ثواب مطلقاً جائز ہے خواہ کسی وقت ہو۔ تو گویا ان اوقات میں بھی جائز ہوا جن میں کوئی نفسی بغض سے ممانعت کرے حقیقت یہ ہے۔ کہ اس کی ممانعت کی منکرین کے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کے مزاروں پر ہر سال کے شروع میں تشریف لے جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے زبدۃ النصائح میں اس کو لکھا ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔ کان عبد اللہ بذکر الناس فی کل خمسین کہ حضرت عبداللہ ہر جمعرات کو لوگوں میں وعظ فرماتے تھے۔ حالانکہ تبلیغ احکام الہی ہر دن جائز ہے مگر خصوصیت حضورؐ کے فعل شہدائے احد کے مزاروں پر تشریف لے جانے کی شروع سال اور حضرت عبداللہ کے ہر جمعرات کے دن معین طور پر وعظ فرمانے کی دیکھئے پس بنا بر مصلحت یا باسانی کار کسی امر کے لئے کوئی خاص وقت یا دن مقرر کر لینے میں کوئی ہرج نہیں۔ خود مولوی رشید احمد صاحب فتاویٰ رشیدیہ جلد اول صفحہ ۷۸ میں لکھتے ہیں کہ سالگرہ یا دواشت عمر اطفال کے لئے کچھ ہرج نہیں معلوم ہوتا۔ مقام تعجب ہے کہ بچوں کی سالگرہ جائز۔ اور سالانہ محفل میلاد۔ گیارہویں۔ عرس یا ختم درود دسواں تیجہ سب ناجائز و بدعت ہو گئے۔ حالانکہ یہ بھی مقررہ ایام بطریق یا دواشت فاتحہ کو یاد دلانے کے لئے ہی ہوتے

ہیں۔ چنانچہ اسی حکمت کے ماتحت تعین یوم عرس بزرگان کے لئے شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ عزیزیہ ص ۵۲ جلد اول میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ تعین روز عرس برائے آنست کہ آل روز مذکر انتقال ایساں سے باشد از دارالعمل بدارا الثواب والا ہر روز کہ اس عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است۔ یعنی عرس کے دن کی تعین اس لئے ہے۔ کہ یہ دن انتقال کو یاد دلانے والا ہے۔ ورنہ ہر دن کہ یہ عمل واقع ہو موجب فلاح و نجات ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ ان ایام کی تخصیص میں بھی کوئی ہرج نہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب بھی جو مولوی رشید احمد صاحب کے بزرگ اور پیرو مرشد ہیں وہ بھی فیصلہ ہفت مسئلہ میں ان تمام امور کو جائز لکھ رہے ہیں۔ پس بالا تفاق یہ تمام طریق ایصال ثواب کے جائز ہوئے۔ فقیر نے اس مسئلہ کو اسی کتاب میں ایک مستقل باب کی صورت میں کسی دوسری جگہ بالوضاحت ذکر کر دیا ہے۔

عقیدہ دوازدهم :- فتاویٰ رشیدیہ کے حصہ دوم صفحہ ۱۷۹ سطر ۲ میں اس سوال پر کہ جس جگہ زاغ معروفہ (کوئے) کو حرام جانتے ہوں۔ اور کھانے والوں کو برا کہتے ہوں۔ تو ایسی جگہ اس کو کھانے والے کو کچھ ثواب نہ ہو گا نہ عذاب۔ پھر سطر ۴ میں اس کا جواب ہے کہ ثواب ہو گا۔

یہ مسئلہ بالکل علمائے احناف متقدمین و متاخرین کے فتوے کے خلاف بیان کیا گیا ہے۔ دیکھو رد زلیخ زانممن چالیس سوال مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے خود گنگوہی صاحب کی خدمت میں اس کے متعلق بذریعہ

رجسٹری روانہ کئے۔ انہوں نے ایک کا بھی جواب نہ دیا تو قول الصواب مولانا مولوی محمد عبداللہ ٹوکی صاحب نے جس پر بہت سے علماء کے مواہیر ثبت ہیں۔ اس کی تردید میں طبع کرایا اور بیسیوں فتوے ہر علاقے میں اس زاغ (کوئے) کی حرمت میں لکھے گئے۔ موضح القرآن میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب برادر خورد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور ترجمہ کنز الالفاظ مسعے بہ احسن المسائل میں مولوی محمد احسن صاحب نانوتوی بھی اس کوئے کو حرام لکھ رہے ہیں۔

عقیدہ سیزدهم :- فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم صفحہ ۱۰۵ سطر ۷ میں ہے سوال گائے کی اوجھری اور بکرے کے پورے کھانے درست ہیں یا نہیں۔ جواب۔ درست ہیں۔

علمائے اہل سنت والجماعت کے نزدیک حرام ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ کہ ما یحرم اکله من اجزاء الحيوان سبعة الدم المسوج والذکر والا نشان والقبل والعدة والمثانة والمرکرة کذا فی البدائع۔ (ترجمہ) وہ چیز جن کا کھانا اجزائے حیوان سے حرام ہے وہ سات ہیں۔ خون بہتا ہوا۔ ذکر (نر کی پیشاب گاہ) دونوں خصیے۔ مادہ کی پیشاب گاہ۔ غدہ۔ مثانہ۔ پتہ۔

عقیدہ چہاردهم :- براین قاطعہ صفحہ ۲۶ مدرسہ دیوبند کے تعلق سے فخر عالم سید اولاد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کو اردو بولنی آگئی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے تو

آپ کو اردو میں کلام کرتے دیکھ کر پوچھا کہ آپ کو یہ کلام کہاں سی آگئی
آپ تو عربی ہیں فرمایا کہ جب سے علمائے دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہے ہم
کو یہ زبان آگئی ہے سبحان اللہ اس سے رشتہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا۔

کس قدر بڑھ کر بات کرتا ہے۔ نہ پاس خاطر رسولؐ نہ ادب رسالت۔
اردو بولنی تاجدار کائنات کی مدرسہ دیوبند کے تعلق سے ہے۔ حالانکہ اکثر
احادیث اس امر میں وارد ہوئی ہیں۔ کہ سرکار انبیاء علیہ السلام تمام زمانہ کی
زبانوں کے ایسے عالم تھے کہ کسی اہل زبان سے با محاورہ گفتگو فرمانے میں اہل
زبان بھی دنگ رہ جاتے۔ ہر زبان میں ہر ملک کے آنے والے سے ایسی
فصاحت سے کلام فرماتے جیسے اپنی مادری زبان عربی ہیں۔ حالانکہ غیر زبان
رکھنے والا خواہ کتنی ہی سعی کرے مادری زبان دانوں کے مقابلے میں صحت
الفاظ۔ درستی کلام۔ اولائے کلمات میں برابر نہیں ہو سکتا چونکہ آپ تمام
کائنات کے اور تمام بنی آدم اسود و احمر کے نبی تھے۔ اور آپ کی نبوت
قیامت تک کے لئے تمام جہان والوں کے واسطے تھی اس لئے چاہئے بھی یہی
تھا کہ آپ تمام جہان کی زبانوں بلکہ چرند و پرند۔ حیوانات و نباتات و جمادات
سب کی زبان اور سب کے بیان سے واقف ہوتے۔ چنانچہ بہت سی حدیثوں
میں غیر ممالک کے افراد کے ساتھ ان کی زبانوں میں گفتگو فرمانے کا تذکرہ
ہے۔ برخلاف اس کے کہ اردو زبان بقول دیوبندی صاحب آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے مدرسہ دیوبند کے تعلق کی وجہ سے سیکھی ہو۔ نعوذ باللہ
ہذہ الخرافات۔

عقیدہ پانزدہم :- تحذیر الناس صفحہ ۵ مصنف مولوی محمد قاسم صاحب

نانوتوی میں ہے۔ انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں۔ تو علوم ہی میں
ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے
ہیں۔ بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں۔

اس عقیدہ میں انبیاء علیہم السلام کے عمل کو امت سے کم بتانا مقصود
سمجھا گیا ہے۔ جو بالکل خلاف شریعت ہے۔ کیونکہ امت اور امتیوں کے
تمام اعمال صالحہ اور مدارج و مراتب انبیاء علیہم السلام کی ہی طفیل ہوتے
ہیں۔ اور نبوت اور اس کے علوم و اعمال اس بلندی شان کے حامل ہوتے
ہیں۔ کہ کبھی بھی امتی ان میں مطابقت نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس کو برابری
کی تسفیق رفیق ہو سکتی ہے۔ یہ نبوت کی بے ادبی و بے حرمتی ہے۔ کہ ایک
غلام کو عمل میں آقا کا مشیل یا اس سے بڑھ کر تسلیم کیا جائے۔

عقیدہ شانزدہم :- فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صفحہ ۶ میں ہے۔ کہ غیر اللہ
سے مدد مانگنا اگرچہ ولی ہو یا نبی شرک ہے۔ پھر صفحہ ۸ پر ہے۔ کہ یا رسول
اللہ کتنا کفر ہے۔ اگر سمجھے کہ آپ کی ذات سن لیتی ہے۔ اگر یہ نہیں تو
مشابہ بہ کفر ہے۔

اس عقیدہ کی بنا پر یہ لوگ اہل سنت والجماعت ہونے کا دعویٰ کرتے
ہیں۔ کیا وہ بزرگان دین جنہوں نے حضور علیہ السلام کو اسی عقیدہ پر پکارا اور
ان کا پکارنا سنا بھی گیا۔ نعوذ باللہ کفر کا ارتکاب کرتے رہے۔ حالانکہ حدیث
میں بعض دعائیں ایسی ارشاد ہوئی ہیں۔ جن میں حضور کو پکارنے کا مضموم
ہے۔ اور غلاموں نے پکار کر نفع بھی اٹھایا ہے۔ متقدمین اہل سنت والجماعت

مثلاً "حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سرردی رضی اللہ عنہ جیسے بزرگوں نے تو پکارنا درکنار عقیدہ ہی یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو حاضر و ناظر جانو تاکہ پکارنے کی حاجت ہی نہ رہے اور یہاں کفر نظر آتا ہے۔

یہ ہیں ان کے مختصر عقائد جو درج کتاب ہذا ملتے نمونہ از خردارے کئے گئے ہیں اور ایسے بے شمار وہ کلمات ہیں جن سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں جو فقیر نے بوجہ طوالت کتاب ہذا چھوڑ دی ہیں۔ بندہ اپنے سنی حنفی بھائیوں سے گزارش کرتا ہے۔ کہ زمانہ پر فتن ہے۔ بہت سے شکاری پرہیز گاری کے لباس میں نظر آرہے ہیں۔ لہذا اپنے ایمانوں کو بچائیے ایسا نہ ہو کہ دین و ایمان کی پونجی برباد ہو کر رہ جائے۔

اے با الیسیں آدم روئے ہست
پس ہر دستے نباید داد دست

مسلمانو! مسلمان کے لئے ایمان سے زیادہ کوئی شے محبوب نہیں۔ ذرا ٹھنڈے دل سے زید بکر عمر (جن کو ناغی میں جٹلا ہو کر تم نے راہنما بنا لیا ہے) کی محبت نکال کر اپنے ایمانوں کا امتحان تو کرو۔ کیا ان عبارات مذکورہ میں حضور علیہ السلام کی توہین نہیں۔ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر وہ کوئی چیز ہے جو تم میں سے بعض کو ان عبارات کے برحق جاننے پر مجبور کر رہی ہے۔ کہاں ہیں تمہارے وہ الفاظ کہ مسلمان دنیا کی ہر بات کو برداشت کر سکتا ہے۔ مگر اپنے مولا و آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہیں

برداشت کر سکتا۔ خدا کے لئے خواب غفلت سے بیدار ہو اور نیکی و بدی میں تمیز کرتے ہوئے اسلامی زندگی گزارو۔ ایک دن رب العزت کے حضور میں پیش ہونا ہے اور اس امر کی جوابدہی کرنا ہے۔ کہ تم نے اس کے محبوب کو کیا پہچانا اور اس کے حکم کے ماتحت کون سے اعمال صالحہ کئے۔ بے ادب کو میدان محشر میں اس اپنے پاک و مختار نبی علیہ السلام سے شفاعت کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ جس نے زید و عمر کی محبت میں آکر معرفت و محبت نبویؐ ہی کو ترک کر دیا اور چند دنیا کے بندوں کی طرف داری اس کو ہمیشہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت کرنے میں حائل رہی۔

ومن يتولهم منكم فانه منہم ان اللہ لا یہد القوم الظالمین۔

عوام الناس کی موجودہ مذہبی خامیوں اور اعتقادی کمزوریوں سے چشم پوشی نہ کرتے ہوئے۔ اگر غور کیا جائے۔ تو یہ الحاد و دہریت اور لامذہبی و بدعقیدگی تمام تر اس بات کا نتیجہ نظر آتی ہے۔ کہ علمائے سوء کی عنایتوں اور فراغ دلیوں سے مسلمان احکام الہی اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلوں سے محو کر چکے ہیں۔ زن اور زر پرستی نے ان فلسفے اور تہذیب جدید کے حامیوں کی وہ حالت کر دی ہے۔ کہ یورپ کی روشن خیالی نے قرآن کریم کے تاثرات ان کے قلوب سے لیا "منسما" کر کے ایسی تسخیر سے کام لیا ہے۔ کہ وہ حق کی بات سننا گوارا ہی نہیں کرتے۔ خداوند جل و علا شانہ اور اس کے محبوب پاک علیہ السلام کی ہدایت کے خلاف ضلالت کو ہدایت اور بطالت کو صراط مستقیم سمجھنے لگے ہیں۔

چونکہ انسان ہمیشہ اس راہ کو جلدی قبول کیا کرتا ہے جو اس کی خواہشات مبہمہ کی اعانت کرتے ہوئے نفس امارہ پر کوئی پابندی عائد نہ کرے۔ اور دنیوی لذات میں مانع نہ ہو کہ منفعت نفسانی کی ہر پہلو میں اجازت دیتا ہو۔ اس لئے ایسے خطرناک مواقع میں نفس اور شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے رب العزت نے اسے عقل عطا فرمائی ہے۔ کہ وہ اس سے اپنے انجام کو سوچے اور بے راہ رو ہو کر اندھا دھند کسی کی اطاعت کو اختیار نہ کر لے۔ مگر ہم نے دیکھا ہے اور سخت حیرانگی ہوتی ہے کہ بعض انسان مشیت ایزدی و رضا مندی نبویؐ کو حاصل کرنے میں کسی زید عمر بکر کے

ہکاوے سے حق و صداقت کے پیچھے بھی لٹھ لئے پھرتے ہیں۔ اور بد عقیدگی کی زہرا گلن ہوا ان کے دلوں میں اس قدر سرائت کر چکی ہوتی ہے۔ کہ وہ مولا کریم جل شانہ اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین تو گوارا کر لیتے ہیں۔ مگر اپنے نام نہاد راہنماؤں کے حق میں ایک لفظ بھی سچائی کا سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اور نہ انہوں نے کبھی یہ بھی غور کرنے کی زحمت اٹھائی ہے۔ کہ تحقیق حق کو اپنا شعار بنا کر مولا کریم سے صراط مستقیم کے طالب ہوں۔ اور نہ ہی ان پر کسی کی نصیحت کا رگر ہوتی ہے۔ گویا ختم اللہ علی قلوبہم کا صحیح مصداق وہی ہیں۔ اللہم اہد ہم فانہم قوم لا یفقهون۔ فقط۔

فہرست تصانیف حضرت ابوالفیض سروردی مظاہر العالی

سیاح لا مکان :- اس کتاب میں مسئلہ فلسفہ معراج پر میر حاصل تہمہ کیا گیا ہے۔ اور معترضین کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔

موعظتہ للمتقین :- اس کتاب کے متعلق جید علماء کی رائے ہے کہ یہ کتاب لکھ کر حضرت مصنف نے علماء پر احسان کیا ہے۔ قیمت ۱۰۰ روپے۔

صحیفہ غوثیہ :- یہ تصدیق غوثیہ کی شرح ہے۔ اس کا مطالعہ سالکان راہ طریقت کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔

دعوت الحنفیہ :- یہ وہ رسالہ ہے جس میں اصلاح عقائد شیعہ کیلئے وضاحت سے لکھا گیا ہے۔

پردہ نسواں :- اس کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں بے پردگی کے حامیوں کے لئے مسکت جواب ہے۔

حلیۃ النبی :- یہ چھوٹی سی کتاب پنجابی اشعار میں بڑے مقبول طریقہ پر لکھی گئی ہے۔

لباس التقویٰ :- یہ رسالہ ڈاڑھی کی شرعی حقیقت پر بڑی وضاحت سے لکھا گیا ہے۔

رسالہ علم غیب :- یہ رسالہ حضور علیہ السلام کے علم غیب کے متعلق ایک فیصلہ کن تحریر ہے۔

الفقر فخری :- اس کتاب میں حقیقت تصوف پر تفصیلی بحث ہے۔ جو طبع ہو رہی ہے۔

قیص یوسفی :- یہ ہیر وارث شاہ کے وزن پر پنجابی زبان میں ایک نہایت درد انگیز قصہ لکھا گیا ہے۔ جو زیر طبع ہے۔

تذکرہ سروردیہ :- جس میں صوفیائے کرام کے دستکار ناموں پر ایک میر حاصل

تبصرہ ہے۔

تعارف سروردیہ :- اس میں دعائے مفتی شجرہ عالیہ سروردیہ حضرت میاں صاحب سروردی حیات گزرمی کی مختصر سوانح حیات، دعائے مناجات وغیرہ تحریر ہے۔

متفرق تصانیف

میلاد النبی :- شعبان المعظم۔ کتاب الصوم۔ صوت ہادی۔ رمضان المبارک۔ اسلامی عورت۔ زکوٰۃ کا اسلامی نظام۔ یہ مختلف رسائل مختلف موضوعات پر چھپوا کر مرکزی مجلس سروردیہ نے محض اللہ تعظیم کئے۔



واحد دسٹری بیوٹرز

دوست ایسوسی ایٹس

پرنٹرز - پبلشرز - سیلارز

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور